

مُسْتَدَرِّقُ رُبِّي كِتَابِ خَصَائِصِ عَبَّاسِيَّہ كَا اَرْدُو تَرْجَمَہ

خَصَائِصِ

عَبَّاسِ عَلَمِ

jabir.abbas@yahoo.com

مؤلف

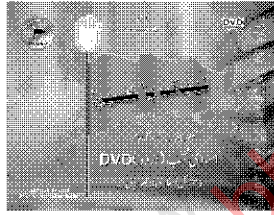
آیت اللہ شیخ محمد ابراہیم کلیسی النجفی

مترجم

علامہ ریاض حسین جعفری (فاضل قم)

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔



منجانب
سیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان



۷۸۶

۹۲-۱۱۰

یاساب الزماں اور کئی



لبیک یا حسینؑ

نذر عباس
خصوصی تعاون: رضوان رضوی

اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

SABIL-E-SAKINA

Unit#8,

Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.

www.sabeelesakina.page.tl

sabeelesakina@gmail.com

خصائصِ عباسِ علمِ دارِ

باب السبعین، باب الحاج، عبد الصالح، الشہید، الصديق، ابو
سہ سالار و علم دار کر بلا، حکمران صدق و مضاف، خروفا، حجاب نعت، ستائے سیکندہ
حضرت ابو الفضل العباس ابن علی ابن ابی طالب
کے مرتبہ و مقام، حیات و مناقب اور بلند پایہ خصوصیات پر
مستند، جامع اور حقیقی شاہکار

مؤلف

آیت اللہ الحاج شیخ محمد ابراہیم کلہاسی النجفی مدظلہ العالی

مترجم

حجتہ الاسلام علامہ بیاض حسین جعفری مدظلہ العالی

نظارت کافی

تحقق و تصدیق الاسلام حضرت علامہ محمد حسن جعفری مدظلہ العالی

ناشر

ادارہ مشہاج الصالحین

جناح ٹاؤن، ٹھوکر نواز بیک، لاہور۔ فون: 35425372

جلد ہونی تک ناشر مکتوب

- کتاب : خصائص عباس علم دار
مؤلف : آیت اللہ الحاج شیخ محمد ابراہیم کلہاسی النجفی مدظلہ العالی
مترجم : حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری فاضل قم
نظر بشافی : محقق و محدث الاسلام حضرت علامہ محمد حسن جعفری مدظلہ العالی
پروف ریڈنگ : محمد علی محمد عمران حیدر جعفری، فخر عباس حیدری
فی معاونت : زہراء بتول جعفری، محمد عہد بتول جعفری
اشاعت : 2011ء
قیمت : 265 روپے

ملنے کا پتہ

ادارہ منہاج الصالحین۔ لاہور

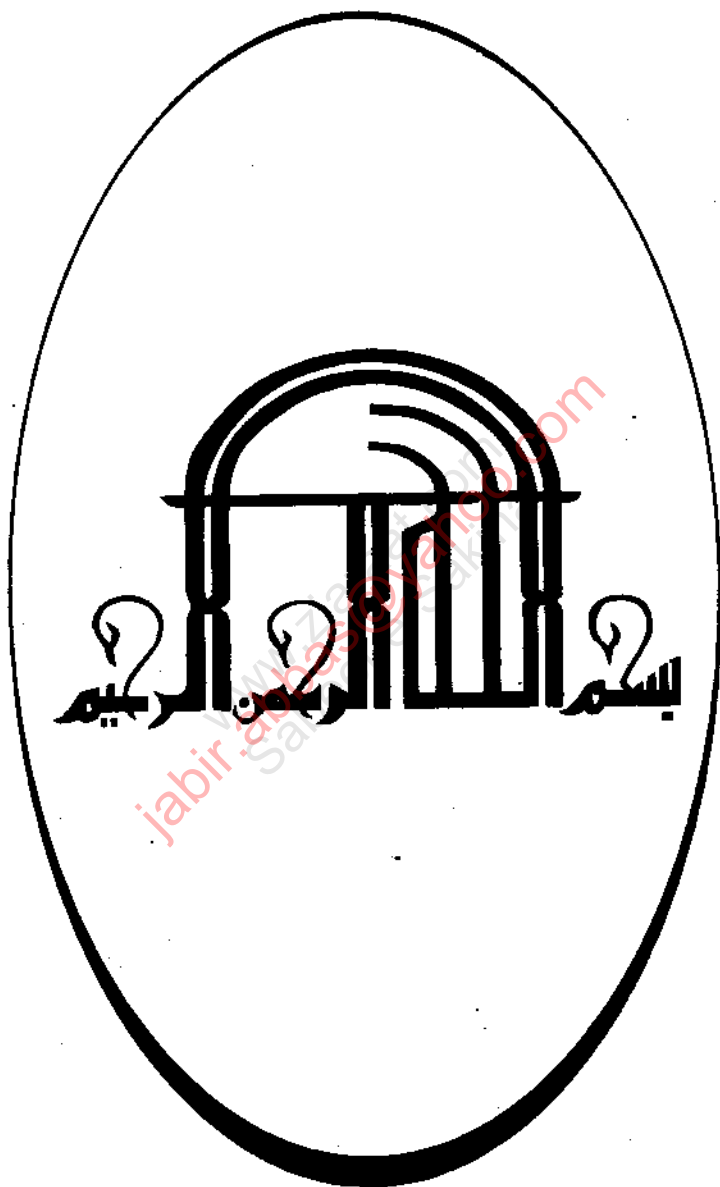
الموجودہ کریٹ فسٹ فلور وکان نمبر 20۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

فون: 0301-4575120 • 042-37225252

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

خصائص عباس علم دار

(مجموعہ کتاب الفاضل العباسی کا اردو ترجمہ)





ترتیب

19	مرض ناشر
22	غزوہ طعم دار علیہ السلام
23	ایہود
26	اجازت و حدیث و شہادت و اجتہاد
32	تعارف و تمہید
32	خاص عباسیہ کیا ہے؟
35	مقدمہ
36	حدیث حب و بغض
41	خالص نسب
41	وہ ہستی جسے کوئی بھی نہیں پہچان سکتا
43	لیلۃ القریۃ
44	سقائے ہمد
45	سقائے کربلا
47	پاکیزہ و طاہر رحم
48	حضرت عقیل سے معشورہ
49	الام المبارکہ (ام مبارکہ)
51	اللہ کے نزدیک ام المنین کا مقام
51	سیدہ ام المنین کا عہد و ولادت



- 53 جناب عقل کا نکاح امیر المومنین کے لیے پیغام
- 55 حزام کا وہ مشورہ جو انھوں نے نبی بی شامہ کے ساتھ کیا
- 57 نکاح کا اعلان
- 60 ام المومنین امیر المومنین کے گھر میں
- 61 زواج کے لیے نمونہ و مثال
- 61 نیک بیوی
- 65 نیک شوہر
- 69 زوجہ جان کنواں
- 73 زوجین کا حق
- 74 خاندانی تعلیم
- 76 حقوق زوجیت میں قابل
- 78 عورتوں کے لیے اجر کی خوش خبری
- 79 عورت کا زینت اختیار کرنا اور محترم ہونا
- 80 عورت اللہ کی طرف سے نعت ہے
- 81 آداب زواج
- 83 آداب زفاف
- 85 مبارک خاندان
- 86 اولاد امیر المومنین
- 87 اسلام میں تفصیلی اولاد
- 90 امتیاز ولادت
- 91 ولادت عباس کی خوش خبری
- 94 ولادت اور سنت
- 95 حضرت عباس کی تاریخ ولادت



- 96 اسم گرامی کے بارے میں ❀
- 97 مولود مسعود کا اسم گرامی ❀
- 101 استنباط اور اخذ نتیجہ ❀
- 102 سوال و جواب ❀
- 104 آپؐ کے اسم مبارک کے بعض خصائص ❀
- 104 لغت میں لفظ عباسؑ کا مفہوم ❀
- 106 اسم عباسؑ کے فیوض و برکات ❀
- 107 اپنی دعاؤں میں حضرت عباسؑ کو وسیلہ بنانا ❀
- 109 آپؐ کی پرورش کے بارے میں ❀
- 109 آپؐ کے بچپن کی ایک خوب صورت داستان ❀
- 110 جناب عباسؑ کا حضرات حسینؑ شریفینؑ سے تربیت پانے کا شرف ❀
- 113 آپؐ کی کنیت کے بارے میں ❀
- 114 ابو الفضل اور ابو قاضی ❀
- 114 ابو القاسم ❀
- 114 ابن البدویہ ❀
- 115 ابو القریہ ❀
- 116 انفرادیت یا امتیازی خصوصیت ❀
- 116 حضرت عباسؑ کے الکتاب کے بارے میں ❀
- 118 حضرت عباسؑ مجمع جمال و کمال ❀
- 120 حضرت عباسؑ، باب الحسین ❀
- 122 امام عالی مقامؑ کے اپنے بھائی سے لگاؤ کی ایک محکمہ ❀
- 123 لاشعہ حضرت علم دار کو قتل میں ہی چھوڑ آنے کا مقصد ❀
- 125 مرتد منفرد و حرم خاص ❀



- 126 حضرت عباسؓ اپنے بابا کی اقتدا کرتے ہیں
- 127 حضرت عباسؓ باب معوی ہیں نہ کہ سیاسی
- 128 حضرت عباسؓ باب الحوائج
- 129 اللہ تک پہنچانے والے ابواب و وسائل
- 130 باب الحوائج اذیل
- 130 باب الحوائج کلام
- 131 باب الحوائج سوم
- 133 باب الحوائج چہارم
- 135 عباسؓ کی توجہ پانی لانے پر مرکوز ہے، جنگ پر نہیں!
- 137 حضرت ابو الفضلؓ بحیثیت ساتھی
- 138 رسول اللہؐ کا پانی پلانا
- 140 حضرت امیرؓ کی اہل بدر کے لیے سقایت
- 141 یوم حدیبیہ کی سقایت
- 142 حسینؓ شریفینؓ کا استثناء
- 142 امام حسینؓ کا کونوں کو پانی پلانا
- 143 غیر معمولی حالات میں جناب عباسؓ کی سقایت
- 144 حضرت عباسؓ کی کم سنائی کی ایک سقایت
- 146 حضرت عباسؓ ساتھی حطا شاء و کربلا
- 147 دو اہم باتیں
- 148 سقایت قرآن و حدیث میں
- 155 حضرت ابو الفضلؓ کی کربلا میں پہلی سقایت
- 157 دوسری سقایت
- 157 تیسری سقایت



- 159 حضرت ابو الفضل ہریاس کے لیے ساتی ہیں ❀
- 159 زندگی میں پانی کی اہمیت ❀
- 160 پانی امام حسینؑ کے صدقے میں خلق ہوا ہے ❀
- 161 ساتی مطلق ❀
- 161 اقتدارے حضرت عباسؑ میں سقاہت ❀
- 163 پانی پینے اور پلانے کے آداب ❀
- 164 حضرت عباسؑ قرنی ہاشم ❀
- 165 ہاشم اور ان کے بیٹے سردارانِ بطحا ہیں ❀
- 166 نئی و اہل بیت نئی انوار ارض ہیں ❀
- 168 مخلوق خدا میں سب سے زیادہ مشابہ رسولؐ ❀
- 171 حسن و مباحثہ عباسؑ ❀
- 173 حضرت عباسؑ: قبر اشیرہ اور قرنی ہاشم ❀
- 173 عباسؑ قرنی ہاشم ❀
- 174 قرآل وحید ❀
- 174 جمال اور حسن افعال ❀
- 175 حضرت عباسؑ: صاحب اللواء (علم دار) ❀
- 176 علم داری کے اوصاف ❀
- 177 علم عباسؑ کے ہاتھوں میں ❀
- 178 رسم علم داری کب سے؟ ❀
- 179 عادی کا علم دربار شام میں ❀
- 180 علم شاعر حسینیؑ میں شامل ہے ❀
- 181 عباسؑ: بطل ملکہ ❀
- 182 ملکہ اور عباسؑ کی حرمت جسائی ❀

- 182 علقہ اور عباسؑ کی جرأت و روحانی ✱
- 183 وفا: ایک جرأت و معنوی ✱
- 184 علقہ ٹٹک ہو گیا ✱
- 187 عباسؑ، کوشِ سنجہ یعنی سالار لشکرِ حسینؑ ✱
- 188 کوشِ الکئیہ ایک عظیم لقب اور اعزاز ہے ✱
- 189 کوشِ الکئیہ کی شہادت ✱
- 190 میں حیرت سالار لشکر ہوں ✱
- 191 عباسؑ حافظِ محل ✱
- 192 ربیعہ بن کدوم ✱
- 194 ربیعہ اور عباسؑ کا مقابل ✱
- 196 امام حسینؑ: تنہا ہاں ناموس ✱
- 198 حضرت عباسؑ: سیح القطرۃ ✱
- 198 حضرت عباسؑ کوئل کا محافظ کیوں کہتے ہیں؟ ✱
- 200 خوارج پر یہ المی حملہ ✱
- 201 حضرت ابوالفضلؑ کا ایک لقب فیغم ہے ✱
- 202 ابوالیوب ہمدانی ✱
- 203 جنگِ صفین میں جنابِ عباسؑ کا قیام ✱
- 206 العبد الصالح ✱
- 207 قرآن میں عبادِ صالحین کا ذکر ✱
- 208 استنباط اور نتیجہ ✱
- 210 حضرت امام موسیٰؑ کا عظم، ایک عیدِ صالح ✱
- 213 نماز میں حضرت عباسؑ پر سلام ✱
- 215 حضرت عباسؑ عابد کے لقب سے معروف ہیں ✱

- 217 ❀ نشاناتِ مہارت دراصل نشاناتِ حریت ہیں
- 219 ❀ جو عابد ہے وہی مطیع ہے
- 220 ❀ تمغہٴ عبودیت در قرآن
- 224 ❀ طیار کا لقب
- 224 ❀ طیارِ اوّل
- 225 ❀ حضور کا ایک موتہ کے احوال بیان کرنا
- 226 ❀ حضورِ جعفر کے گھر میں
- 228 ❀ طیارِ مانی
- 229 ❀ فرات مہاسّ کے قبضے میں
- 230 ❀ بزدل دشمنوں کی مکاری
- 232 ❀ دشمنی خدا و رسول لاشعہ مہاسّ کی ہے خرمی اور پامالی کرتے ہیں
- 234 ❀ حضرت مہاسّ کی آنکھ میں حیر لگنے والی روایت
- 236 ❀ مقتل مہاسّ سے اٹھنے کے بعد امام کی حالت
- 237 ❀ حضرت مہاسّ اور حضرت جعفر: دو طیار
- 239 ❀ ہوا میں کی شہادت قلبی
- 240 ❀ امام زین العابدینؑ قبیلہ بنی اسد کے ہم راہ
- 242 ❀ امام زین العابدینؑ لاشعہ مہاسّ کے پاس
- 243 ❀ معصوم کے امور کفن و دفن صرف معصوم ہی انجام دیتا ہے
- 245 ❀ حضرت کا ایک لقب شہید ہے
- 246 ❀ لقب شہید کی عظمت
- 247 ❀ مہاسّ شہید مظلوم
- 248 ❀ کوئی سوار جب گھوڑے سے گرتا ہے
- 249 ❀ مقام شہید اور اجرِ شہادت

- 253 * لقب صدیق کی توجیح
- 255 * حضرت عباسؓ لغت اور اصطلاح ہر حال سے صدیق ہیں
- 256 * جنہوں نے لقب صدیق اپنے لیے مخصوص کر لیا
- 258 * لقب قادی (فدا ہونے والا)
- 258 * عظیم قربانی
- 260 * سرکارِ وفا کی اپنے پیرو بزرگوار سے مشابہت
- 262 * قادی بزمِ نصاریٰ
- 264 * مسلمانوں کے نزدیک قادی
- 265 * موازنہ
- 267 * آپؐ "ایثار گر" ہیں
- 268 * حُبِ ذات
- 269 * انا پرست دین اور معاشرے کے لیے خطرہ ہیں
- 271 * قرآن و حدیث میں ایثار کی ترغیب
- 272 * مہمان کے لیے ایثار
- 273 * جبرئیلؑ نے ایثار علیؑ کی خبر دی
- 274 * اے علیؑ! تو اہل ایمان کا یسوب ہے
- 275 * اے علیؑ! آپؑ کو بشارت ہو
- 276 * ایثار پسندوں کا رہبر
- 277 * حضرت عباسؓ کے ایثار کے چھ نمونے
- 278 * ایثار کی بلند و بالا چٹیاں
- 280 * عباسؓ اپنے دو بیٹوں پر امام کو ترجیح دیتے ہیں
- 281 * عباسؓ اپنے بھائیوں پر امام کو ترجیح دیتے ہیں
- 283 * عباسؓ کی دعا کی آخری ایثار

- 284 آپ ہم درد اور غم خوار ہیں *
- 284 ہم دردی کا تمنہ *
- 285 حضرت عباسؓ کو حضرت علیؓ نے ہم دردی کی وصیت کی تھی *
- 286 حضرت عباسؓ عقیلۃ القریٰ میں کا انتخاب تھے *
- 288 ابوذرؓ رسول اکرمؐ سے ہم دردی کرتے ہیں *
- 292 ہم دردی اور غم گساری بہترین عمل ہے *
- 292 ”وقا“ اہل ایمان کی ایک علامت *
- 294 ابو الفضل العباسؓ کی وقا *
- 296 آپؐ حامی اور مخامی ہیں *
- 297 حضرت عباسؓ ولید کے دروازے پر *
- 299 شب عاشورا اور حضرت عباسؓ *
- 301 روز عاشورا اور حضرت عباسؓ کی دلیری *
- 302 مذاکرات میں حضرت عباسؓ کی شرکت *
- 304 علم در حفاظت عباسؓ *
- 305 کربلا کے لیے وحی آمادگی *
- 308 حضرت ابو الفضلؓ ولایت کے پشت پناہ تھے *
- 308 ابو طالبؓ، مددگار و پیغمبر *
- 310 ابو طالبؓ کی جرأت *
- 311 امیر المومنینؓ، رسالت مآبؐ کے پشت پناہ *
- 312 حضرت عباسؓ اپنے والد کے نقش قدم پر *
- 314 زہیرؓ حضرت عباسؓ کو جوش دلاتے ہیں *
- 316 شہزادی زینبؓ کبریٰؓ کی حضرت عباسؓ سے گفتگو *
- 316 حضرت عباسؓ کا حجاب *

- 317 جہان نئی ہاشم سے حضرت عباسؓ کا خطاب
- 319 حضرت حبیب بن مظاہر کا خطاب
- 321 حضرت عباسؓ سالار لشکر ہیں
- 322 حضرت عباسؓ، قادیان کا قلعہ اور قادیان کا لشکر
- 323 حسن قیادت کے چند اثرات
- 326 ابو الفضلؓ پناہ گاہ اور سہارا ہیں
- 327 پیاسا سا
- 327 ابو الفضلؓ اور پناہ گاہ کا تمغہ
- 328 رسولؐ خدا اور پناہ کا حصول
- 330 حضرت ابو الفضلؓ ہر پناہ کے حلائی کو پناہ دیتے ہیں
- 332 آپؐ بچانے والے محافظ ہیں
- 336 السامی
- 338 سستی کرنے والے کا اجر و ثواب
- 341 حاجات کے جلد پورا ہونے کا دروازہ
- 341 صاف صاف فیصلہ کرنے والا
- 343 آپؐ حضرت امام حسینؑ کے سفیر ہیں
- 343 تو حرم الحرام کا اہم واقعہ
- 348 کامیاب سفیر اور کامیاب سفارت کاری
- 349 شبِ ماشورا
- 352 دفاعی اقدامات
- 353 شبِ ماشور کا تیسرا حصہ
- 354 آپؐ مصمت مغربی کے مالک ہیں
- 355 مصمت کبریٰ کے مالکین

- 356 مصعب مفرئی کے مالین ✱
- 358 حضرت عباسؓ اور تمیزِ مصعب ✱
- 360 آپؓ عالم، فاضل اور فقیرِ کامل تھے ✱
- 362 سات سے چودہ سال تک عمر کی اہمیت ✱
- 365 آپؓ کی فصاحت و بلاغت ✱
- 366 چمکتے سورج کا انکار ناممکن ہے ✱
- 370 ان دو میں سے بڑا عالم کون تھا؟ ✱
- 372 آپؓ عالمِ باعمل تھے ✱
- 373 1 وہ چیزیں جن میں دلیل سے جاننا ضروری ہے ✱
- 375 2 وہ چیزیں جن پر عمل ضروری ہے ✱
- 376 3 وہ چیزیں جن کا جاننا ضروری ہے ✱
- 377 حضرت ابو الفضلؓ اور مذکورہ تین علوم ✱
- 377 علم کے لیے عمل کی اہمیت ✱
- 383 آپؓ اللہ رسولؐ اور ائمہؑ کی نظر میں صاحبِ وجاہت ہیں ✱
- 383 حضرت عباسؓ کا خدا کی نظر میں مقام ✱
- 385 حضرت عباسؓ کی چار زیارت گاہیں ✱
- 386 روکوس الشہد اشام میں ✱
- 387 دایاں باز و قلم ہونے کا مقام ✱
- 387 بائیں باز و قلم ہونے کا مقام ✱
- 389 حضرت عباسؓ علمائے مالین میں سرفہرست ہیں ✱
- 392 نکو و خیر میں حضرت عباسؓ کا مقام ✱
- 394 حضرت امیر المومنین علیؑ کی نظر میں حضرت عباسؓ کا مقام ✱
- 395 میری آنکھوں کو تجھ سے ششک ملے گی ✱

- 395 حضرت زہراءؑ کی نظر میں حضرت عباسؑ کا مقام ❀
- 396 حضرت امام حسن مجتبیٰؑ کی نظر میں حضرت عباسؑ کا مقام ❀
- 397 حضرت امام حسینؑ کی نظر میں حضرت عباسؑ کا مقام ❀
- 399 حضرت امام زین العابدینؑ کی نظر میں حضرت عباسؑ کا مقام ❀
- 400 اللہ میرے چچا عباسؑ پر رحم کرے ❀
- 401 واللہ کر بلا کے بعد ❀
- 404 حضرت امام محمد باقرؑ کی نظر میں حضرت عباسؑ کا مقام ❀
- 405 حضرت امام جعفر صادقؑ کی نظر میں حضرت عباسؑ کا مقام ❀
- 406 باقی ائمہؑ کی نظر میں حضرت عباسؑ کا مقام ❀
- 407 حضرت ام المومنینؑ کی نظر میں حضرت عباسؑ کا مقام ❀
- 409 حضرت زینبؑ کی نظر میں حضرت عباسؑ کا مقام ❀
- 412 حب داروں اور شیعوں کی نظر میں حضرت عباسؑ کا مقام ❀
- 413 علما اور زیارت عباسؑ ❀
- 415 حسینیؑ اصحاب کے چالیس امتیازات ❀
- 415 پہلا امتیاز ❀
- 416 دوسرا امتیاز ❀
- 417 تیسرا امتیاز ❀
- 418 چوتھا امتیاز ❀
- 418 پانچواں امتیاز ❀
- 419 چھٹا امتیاز ❀
- 420 ساتواں امتیاز ❀
- 420 آٹھواں امتیاز ❀
- 421 نوواں امتیاز ❀

421	دسواں امتیاز
422	گیارہواں امتیاز
422	بارہواں امتیاز
423	تیرہواں امتیاز
423	چودھواں امتیاز
424	پندرہواں امتیاز
424	سولہواں امتیاز
425	سترہواں امتیاز
425	اٹھارہواں امتیاز
426	انیسواں امتیاز
426	بیسواں امتیاز
427	اکیسواں امتیاز
427	بائیسواں امتیاز
428	تیسواں امتیاز
429	چوبیسواں امتیاز
429	پچیسواں امتیاز
430	چھیسیواں امتیاز
430	ستائیسواں امتیاز
431	اٹھائیسواں امتیاز
432	انچیسواں امتیاز
432	تیسواں امتیاز
433	اکتیسواں امتیاز
434	بیسواں امتیاز



434	تہنیتیواں امتیاز	✽
435	چوہیتیواں امتیاز	✽
436	پہنیتیواں امتیاز	✽
437	چہنیتیواں امتیاز	✽
437	سہنیتیواں امتیاز	✽
438	ارہنیتیواں امتیاز	✽
439	اتہنیتیواں امتیاز	✽
439	چاہنیتیواں امتیاز	✽



www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

عرض ناشر

غازی کی وہ شوکت وہ شکوہ علم نور کہتی تھی یہ کہتی کہ آنا الطور، آنا الطور
پرچم تھا کہ بکھرے ہوئے تھے موئے سرحد ہم بچہ ہو بچے سے یہ کیا مہر کا مقدور

دکھلاتا تھا سرسبزئی اٹلاک بھریا

تھا دامن مریم کی طرح پاک بھریا

۳ ماہ شعبان سن ۲۶ ہجری کو باغ فتوت کے بچے پھول کی ولادت ہوئی جو
قرنی ہاشم بن کر آسمانِ شہرت و ہدایت پر جھلک گیا۔ اس چاند کی پیدائش پر امیر المومنین
علی علیہ السلام نے اپنے فرزند ارجمند کے ہاتھوں کا بوسہ لیا اور رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئیوں کو یاد فرمایا۔

اس بادشاہ و شجاعت اور شہنشاہ و شہامت کی صورت و سیرت دونوں قابلِ فخر اور
لائقِ رشک ہیں، یہاں تک کہ مصومین کے بعد بلند ترین مرتبہ پر فائز ہستی ہیں تو
سیدہ زینبؓ اور سیدنا عباسؓ علم دار آپ کا باب ولایت ہونا بھی مسلم ہے۔ آپ ہی
الو القربہ ہیں اور آپ ہی باب الحوائج۔ آپ وہ عبدالصالح ہیں جو پشتیبانِ امامت
کے طور پر حصارِ فرس ہوئے۔ آپ ضمیمہ اسلام، قائدِ انجش، ابو الشارہ، ابو الفرج، قہرمان
عظمیٰ، المصنّف، المسجّل، الصدیق، اطلّس، مؤثر (ایثارگر)، قادی، المستجار اور علم
دار کے القاب سے جانے جاتے ہیں۔

جہاں تک آپ کے اسم گرامی نام نامی عباس کے مفہوم کا تعلق ہے تو اس کا
مطلب فراتا ہوا شیر ہے اور اس کی وجہ تسمیہ آپ کا شجاعت و شہامت کے آخری درجہ

پر فائز ہوتا ہے۔

حضرت عباسؓ عازی بھی ہیں اور شہید بھی۔ آپ کا ظہور شجاعت تو مسلمین میں بھی ہو چکا تھا مگر اس کا عروج شجاعت کر بلا کے میدان میں نظر آیا۔ جب ظہور عاشور کے ایک ہی حملہ میں پانچ سو نعرے بلند کیے گئے۔ حضرت عباسؓ شجاع الطرفین تھے، شجاعت علوی کے ساتھ ساتھ شجاعت حزام بھی ورشہ میں پائی تھی (حزام آپ کے نانا کا اسم گرامی ہے جو بہت بڑے بہادر تھے)۔ قدرت کا معجزہ دیکھیے کہ دنیا کے سب بہادروں اور علم داروں کے علم پنہاں ہو گئے لیکن اس علم دار کر بلا کا پرچم آج بھی پرچم توحید بن کر لہرا رہا ہے۔ آپ ید اللہ کے پورا قدس تھے، حسین علیہ السلام کے مقتدی تھے، ذخیرہ حسین تھے، امیر لشکر تھے، فخر وفا تھے، حجاب زینب، سقائے سلیمان تھے اور رھکب شہادت تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام آپؓ کی شان اقدس کے بارے میں فرماتے ہیں: ”میرے چچا عباس علیؓ کے بیٹے، تیز بینش اور محکم الایمان ہستی تھے۔ انھوں نے اپنے برادر گرامی کے ہم رکاب دشمنوں سے جہاد فرمایا اور آزمائش ایزدی میں کامیابی حاصل کی اور میدان شہادت میں ایسا مقام پایا جو کم ہی لوگوں کو عطا ہوا۔ سبحان اللہ ایسی ہستی کے بارے میں نشر و اشاعت کی ذمہ داری تو اظہر من الشمس ہے۔ الحمد للہ ہم اس سلسلے میں علم دار کر بلا کے بعد انصاف العباسیہ کا ترجمہ پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں، جو اوصاف عباسؓ باوفا پر ایک معتبر کتاب ہے۔ یہ تحقیق ہے آیت اللہ الحاج محمد ابراہیم الکلکاسی النجفی مدظلہ العالی کی، جنھوں نے عرق ریزی کے ساتھ علم دار کر بلا کے القابات کی توجیع و تشریح کی ہے۔ آپ نے سانحہ کر بلا پر پانچ سو جلدیں ترتیب دے رکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو تادمیر زعمہ جاوید رکھے، اور مذہب حقہ کی مزید خدمت کرنے کی توفیق فرمائے۔ دعا ہے



کہ اللہ رب العزت بارگاہِ علم دار میں ہماری یہ کاوش قبول فرمائے۔
آخر میں کتاب ہذا کے مصنف مظہر عباس چودھری اور علامہ محمد حسن جعفری صاحب
قبلہ کا شکریہ بھی مجھ پر واجب ہے جنہوں نے اس کتاب کی ترتیب و تہذیب اور
ترجمہ و تحقیق کے مراحل میں ہمارے ساتھ ہم کاری کی۔ اللہ تعالیٰ اُن کی توفیقات علیہ
اور عملیہ میں اضافہ فرمائے۔

آمین بحق آلِ نبین
ریاض حسین جعفری، فاضل قم

نذرِ علم دارِ علیہ السلام

ناگاہ بڑھے حضرت عبا بن ثعلبہ جاہ ذروں میں چلا مہر، ستاروں میں چلا ماہ
اشعارِ رجز تھے کہ چلی سیفِ یزید اللہ بٹے لگے ڈر ڈر کے صغیر جنگ سے رو بہ

دم بند تھے دہشت سے نصیحان جہاں کے
کہتی تھی فصاحت کہ تار اس کی زباں کے

فرمانِ معصوم ہے خدا نے دنیا کو مصائب کا گھر بنایا ہے اور آخرت کو دارِ جزا
قرار دیا ہے۔ مزید فرمایا: خدا دنیا اپنے دوست اور دشمن دونوں کو دیتا ہے مگر دین
صرف دوستوں کو عطا کرتا ہے۔ (گفتارِ دل نشین، ص ۱۲۹)

.....●.....

احد ام

- اے خیر و بد اور کرم و تقویٰ کے معلم آپ کے حضور!
- اے وفا و صفاء، شجاعت و شہامت اور خودداری کا درس دینے والے آپ کے نام!
- اے مکارم و محاسن اور اخلاق و آداب کے عکبرِ جلیل آپ کے حضور!
- اے عزم و یقین اور صبر و ثبات کی تلقین کرنے والے آپ کے نام!
- اے دین کی بصیرت عطا کرنے والے اور ہمیں عطا و حکمائے حقیقی (اہل بیت عظام) کا راستہ دکھانے والے نیز حرم و ہوا اور گرم راہی سے نجات دلانے والے آپ کے حضور!
- اے وہ کہ جس نے ہمیں تہدید و تندید کی پہچان کرائی اور خواہشات نفسانیہ پر قابو پانے، نیز زندگی کے مناسب و مناسب میں ژہد کے حصول میں رہنمائی فرمائی، آپ کے نام!
- اُس ہستی کے حضور کہ جس نے ہمیں حق و صداقت کا ساتھ دینے کا درس دیا۔ احکام الہی اور دینِ متین کو روشن کرنے والے آپ کے نام! کہ آپ نے ہمیں کتاب اللہ، قوانین الہیہ، اللہ اور اس کے رسول نیز اہل بیت کرام کو سر بلند کرنے کا سبق دیا۔
- اُس کے حضور کہ جس نے ہمیں بچوں (صادقین) کے ساتھ ہو جانے کی تلقین فرمائی اور اُن (عظیم) ہستیوں کا ساتھ دینا سکھایا جنہیں اللہ نے منتخب فرمایا

اور صاحب اختیار بنایا: وهداهم بسطة في العلم والجسم اور اُن کے علم و جسم (مطلق و جسمانی قوی) میں اضافہ فرمایا اور فضیلت عطا کی تاکہ ہم مباحقرین (مخالفین) حاکمین، حاکمین کے رئیس اور متاخرین و متباغضین کے امام نہ ہوں جو جہنم کی پست ترین وادی میں دھکیل دیے جائیں گے اور اپنے ہم نفسوں کو پکاریں گے اور تحقیق اللہ جل شانہ نے اپنے ہرم خطاب کے ساتھ اپنی حکم کتاب (قرآن حکیم) میں فرمادیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ○

وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى: وَاصْبِرُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى: وَلَا تَنَافَسُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ

وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى: وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ

● اے قرینی ہاشم اور قریشیہ (حملہ مطلق کے جامع) آپ کے نام!

● اے حامل لوا (پرچم دار توحید) اور اے بطل العظمی (عالم کے فرزند حریت)

اور اے کش الکعبہ آپ کے نام!

● اے امام کے حامی اور کربلا کے پیاسوں کے ساتھی، لشکر کے سالار اور ولایت

والامت کے پشت بان آپ کے نام!

● اے باب الحوائج، اے باب الحسین، اے عبد صالح، اے الشہید، اے

الصدیق، اے المؤمن، اے المؤمن، اے القادی، اے الوافی، اے المستجار،

اے السامی، آپ کے حضور

● اے ابا الفضل العباس یا ابن امیر المؤمنین و ابن سید الوصیین آپ پر ہزاروں

درود و سلام۔

● اے میرے سردار اور اے میرے سردار (امام مطلق) کے فرزند میں اس کتاب کا

ترجمہ آپ کی خدمتِ اقدس میں ہدیہ کرتا ہوں اور اُمید رکھتا ہوں کہ آپ اسے شرفِ قبولیت عطا فرمائیں گے اور اس میں جو کمی کجی اور نقص رہ گئے ہیں وہ میری کم فہمی کے سبب رہے: فانھا بضاعة مزجاجة، ہماری یہ قلیل سی پونجی ہماری طرف سے قبول فرمائیں اور اس کا پورا پورا (کثیر) صلہ عطا فرمائیں۔ نیز اس کاوش پر: فأوف لنا الكيل، وتصديق عليناء ان الله يجزى المتصدقين، ہمیں پوری پوری بھرتی دیں اور ہماری حیثیت سے بڑھ کر خیرات عطا فرمائیں، بے شک اللہ رب العزت خیرات کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

.....●.....

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اجازت حدیث و شہادت اجتہاد

تحقیق مؤلف سے اس کتاب (الخصائص العباسیہ) کا حصول ہوا، جن کا نام نامی اسم گرامی شیخ العلما العالمین، سند الفقہ الراشدین، حاوی دقائق المعقول، والمعقول، جامع الفروع والاصول، حجت الاسلام، مرجع خاص و عام، آیت اللہ فی الانام وحید عصر، مجتہد زمان الحاج محمد ابراہیم کلہاسی نجفی مدظلہ العالی ہے، اور جو فقہ و احادیث کی متعدد اجازتوں پر صاحب الرائے ہیں۔

ہم نے نقل کیا ہے شمار مومنین اور رجال دین سے، اس صورت میں رولہب حدیث کی اجازت کو خاص کیا، فقہ میں شہادت و اجتہاد کو عام کیا اور اس کتاب کے مطالب و مغایم ہمارے لیے مستقل سہارا ہیں۔ نیز کتاب ہذا میں روایات اہل بیت ہمارے لیے سند ہیں۔ کریم مؤلف نے جو روایات (احادیث) ذکر کی ہیں، عمدہ اسالیب پر مبنی ہیں نیز متفرق اعماز و طرق سے ہیں۔

کتاب ہذا (الخصائص العباسیہ) کی تالیف بااجازت شیخ العلما الاقائم، سند الفقہ الاعظم، سلیمان زمانہ، لقمان عصر، حجت الاسلام آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی الاصفہانی القطارکی اعلیٰ اللہ مقامہ سے ملی۔ اور اس مقدس کاوش کو مولیٰ الصمام، فقید الزمان، فہم فلک تحقیق، قمر آسان مدققی آیت اللہ الحاج الشیخ عبدالکریم الحائری اعلیٰ المقامہ نے اور (ان کے اس کارخیر کو) شرف قبولیت عطا فرمایا استاذ الفقہ والجمہورین، سید العلما العالمین، مصدر المصالح، منبع الفلاح، محی السنن، علامہ زمن آیت اللہ الحق المسکن حجت الاسلام والسلمین السید ابوالحسن الاصفہانی اعلیٰ اللہ مقامہ نے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ عزوجل کے لیے ہیں جس نے مرحبہٴ عطا کو بلند فرمایا۔ ان کے خون کو شہیدوں کے خون پر فضیلت بخشی۔ ملائکہ آسمانی سے بڑھ کر اونچی شان عطا کی اور انبیاء علیہم السلام کا وارث بنایا اور اپنے اس عظیم ترین عہد کے ساتھ امن و امان مقدر میں رقم کیا جس کا نام نامی اسم گرامی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ یہی ہستی حجت طاہرہ، علم الہی کی خازن، حکیم الاولیٰ کی کان، سیرت الہی کی حامل، شرع تقویم کی صاحب، لوگوں کی صراط مستقیم پر ہادی اور تمام خلایق کی طرف مبعوث کیے گئے انبیاءے مرسلین کے خاتم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ آپ پر اور آپ کی تمام آل و اولاد پر قائم قیامت درود و سلام ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ان کا نام دونوں جہانوں میں باقی رکھا اور روزِ میزان (پیم) حشر) تک قائم و دائم رہے گا۔ بے شک اللہ کے صاحبِ رائے بندوں پر کچھ راز ہستی مخفی نہیں اور لاریب یہ خوبیاں جس ذات میں رکھی گئی ہیں وہ قابلِ تعریف ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام انہی میں سے ایک ہستی ہیں جو فہیۃ الامام، وجود العلماءِ اعلام اور فقہائے مدظلہ الکرام ہیں۔

حقیقت یہ ذات نہ ہوتی تو نظامِ ہستی اُبڑ جاتا، احکامِ اسلام ماند پڑ جاتے۔ اسی کے ہاتھ میں (ہماری اصلاح کے تمام امور کی باگ ڈور ہے۔ اسی کے ہاتھ میں سب کی جانیں ہیں، وہی ذات ہر شے آسان کرتی ہے۔ اسی کی طرف تمام احکام لوٹ کر جاتے ہیں اسی کے قول سے حلال میں تمیز ملتی ہے اور کھتی ہی کتب اس (ہستی نام دار) کے لیے تصنیف ہوئیں، ہائیں جمع ہوئیں اور پھر تالیف ہوئیں، حق کو

حق بنانے کے لیے اور باطل کو باطل ثابت کرنے کے لیے، دین کی ترویج کے لیے، دوزخ کے اندھیاروں سے بچنے کے لیے، اشتیاقِ نفوس کے لیے اور ان میں تحصیلِ علم کا نور بھرنے کے لیے خواہ انھیں خوش ہو یا تنگی برداشت کرنی پڑے۔ افسوس کہ ان ہستیوں کو بُرا بھلا کہا گیا، وطنوں سے دُور کیا گیا اور یہ لوگ تحصیلِ علم کے لیے اپنے اوطان سے دُور چلے گئے، کوشش میں لگے رہے اور اجتہاد کیا۔ یہ علم کی طلب اور اکتساب میں علم کے سمندر سے موتی چنتے رہے، حتیٰ کہ دین کے فہم تک پہنچ گئے اور اپنی فقہانیت نیز یقین کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کیا۔

پس شکر ہے اس سہی جلیل کا جو اس کتاب میں کی گئی اور اس کا بے حساب اجر حطا ہوا۔ کیوں کہ جس نے کوشش کی اُس نے پالیا اور جس نے تحصیلِ مطلب نیز تکمیلِ طلب میں پریشانی اٹھائی وہ کامیاب ہو گیا، یہاں تک کہ موصوف کا علم سب سے بڑھ گیا اور درجاتِ اعمال بلند تر ہوتے گئے اور وہ پاک ہو گئے۔ پس ہمیں علم کے یہ موتی شیخ محمد ابراہیم سلمۃ اللہ تعالیٰ سے حاصل ہوئے جو عالمِ جلیل آقائے مرزا عبدالرحیم دام ظلہ العالی کے فرزندِ جلیل ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان کے فضل (و علم) کو زیادہ کیا، ان کے علم و اجتہاد کی مراد برآئی اور منازلِ بلند ہوتی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی قدرت سے اجتہاد کی قوت، استنباط کی طاقت اور استفادۂ احکام نیز مستبر اخبار و روایات سے کما حقہ فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائی، جس کے سبب انھوں نے تالیف و تصنیف کی بیش قدر خدمات انجام دیں۔ پس ہم پر اللہ رب العزت کا شکر بھی واجب ہے۔ یہ عطا محض اس کی توفیق ہی ہے۔ شکر ہے اُس ذاتِ پاک کا جس نے ان سب (علما) کی کاوشوں اور لائن کی عمروں کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اللہ انھیں ہمیشہ کی عزت دے اور بیشک دوام کے سایہ میں جبکہ عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق و اعانت ہی سے

اس کتاب کی تدوین و اشاعت ہوئی۔ یہ اللہ کا ایک بہت بڑا احسان ہے۔ پس اللہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے۔

پھر اللہ جل شانہ نے میرے علم و فضل میں (بھی) بے بہا اضافہ فرمایا، جس کی میں اُس ذات سے خوش گمانی رکھتا تھا۔ نتیجتاً اُس نے مجھے جزائے خیر عطا کی کہ میں ان روایات و اُطلام کے انتظام، احکامات کے بیان اور روایات کو اُن کی صحت کے شایان پہنچانے کا اہل ہوں۔ میں نے کتبہ اخبار سے احادیث مبارکہ کی درایت اور اخذ کرنے میں زمان و مکان سے بے نیاز ہو کر عظیم مشائخ کرام سے تہذیب ثقافت اور اصحاب کا حصول کیا اور منفرد اساتذہ عظام رضوان اللہ سے استفادہ کیا جن میں: شیخ جلیل، حاصلِ کامل، محقق و مدقق، فقیہ و حید، شیخ العلماء و الفقہاء، مرجع کون و مکان کی اجازت اور تصدیقات میرے لیے کافی و وافی ہیں، جو خاص اصحاب اکسا (امام حسینؑ) کے ہجرت نور میں بحرِ نظام، علم الاطلام، علو ناسک، شیخ العلماء و الفضلین ہیں۔ میری مراد ہیں مولانا شیخ العابدین مازندران حائری، جنہوں نے حصولِ علم کیا۔ شیخ اجل ”جواہر الکلام“ کے معنیف شیخ محمد حسن سے جنہوں نے استفادہِ علوم کیا، استاذ العلماء السید الجواد سے جو شاگردِ رشید تھے، بحرِ علوم کے جو شاگرد تھے استاد ذی فضل آقائے محمد باقر کے جنہوں نے استفادہِ علمی کیا اپنے والد محترم اکمل افضل محمد اکمل سے جنہوں نے زائوائے تلمذ طے کیے علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کے سامنے، جنہوں نے فیضِ علم حاصل کیا اپنے والدِ گرامی تقی التقی مولانا محمد تقی علیہ الرحمہ سے نیز بہت سے دیگر بزرگان سے بحوالہ مربوطہ فی اربعین مجھے نصیحت کی گئی کہ میں تقویٰ کا دامن تھامے رکھوں، اپنے نفس کو خواہشات سے بچاؤں، عمل و فتویٰ میں احتیاطِ کامل سے کام لوں اور حلال و حرام کو بیان کروں تاکہ شبہات دور ہوں، عمل کرنے والے دُنیا کے مہلکات سے نجات پائیں اور یہ کہ



نیکوکاروں کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھوں اور موت و حیات کے مصائب میں ثابت
قدم رہوں۔ (یوں) اللہ عزوجل کے فضل و احسان کے ساتھ اور استمدادِ کامل کے
ساتھ ان اوراق کو پایہ تکمیل کو پہنچایا۔

العبد الاحقر محمد حسین بن محمد جعفر نقاشی

غفر اللہ لہ و لابائہ و لائمہاتہ

۱۱ ربیع الثانی ۱۳۳۵ ہجری قمری

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina



ظاہر و علی الفی کے اثر ہیں اب تک
قربانِ حق جن و بشر ہیں اب تک
ہوتے ہیں علمِ آگے جو اُمتی ہے ضریح
عباس علی سینہ سپر ہیں اب تک
(میراثیں)

تعارف و تمہید

سب تعریفیں اُس ذات کے لیے جس نے ہمیں اپنے برگزیدہ اور منتخب بندوں سے متمسک کیا اور اولیا کی معرفت سے ہمارا شرح صدر فرمایا اور ہمارے نفوس کا شرم و حیا اور اُمید و رجا سے تزکیہ کیا، نیز خون و بکا سے ہماری تہذیب فرمائی۔ صلوٰۃ و سلام ہو حضرت محمد مصطفیٰ اشرف الانبیاء پر اور اُن کی نجیب آل پر، جو پانچ ہستیاں اصحاب کساء کہلاتی ہیں اور اُن کے مجاہد و نبیل ساتھیوں پر جو راہِ خدا میں اپنے خون اور ارواح قربان کیے بغیر راضی نہ ہوئے۔ بالخصوص ہمارے سردار حضرت ابوالفضل العباسؑ پر جو اپنے ایثار و وفا کے سبب معروف ہوئے اور روزِ عاشورا امام حسینؑ کے علم دار تھے، جو شجاعت و غیرت اور جود و سخا کے پیکر تھے۔ اللہ اُن کے دشمنوں پر ارض و سما کے دوام تک لعنت فرمائے۔

خصائص عباسیہ کیا ہے؟

بجز محاسنی میں فرق محمد ابراہیم کلہاسی بیان کرتا ہے کہ میں بڑھاپے کے آثار دیکھ رہا ہوں اور ضعف و نقاہت کی علامات کا آغاز ہو چکا ہے۔ جسمانی قوتی انحطاط پذیر ہیں اور عمر کا سورج غروب ہونے کو ہے اور اپنے نامہ اعمال میں صالح و مقبول اعمال بھی نہیں پاتا نیز جو عمر گزر گئی اُس میں کوئی اجرِ خالص نہیں پاتا البتہ میں رحمتِ خداوندی سے مایوس ہرگز نہیں، لہذا اس مقام پر رسولِ خدا کی متواتر روایت کا ذکر کرتا ہوں:

مَثَلُ أَهْلِ بَيْتِي كَمَثَلِ نُوحٍ مَنِ رَاكَ بِهَا نَجَا.....
 ”میرے اہل بیت کی مثال نوحؑ کی سی ہے جو اس میں
 سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا۔“

لیکن میں بغیر لیاقت و دجاہت کے اُن کے سفینے میں سوار ہونے کے قابل
 کیسے ہو سکتا ہوں اور اُن کے ہم رکاب کیسے جاؤں جن پر تمام جہانوں کی رحمت نازل
 ہوئی جب کہ میرے پاس نہ کوئی وسیلہ ہے اور نہ توسط۔ اُن کے ہم رکاب کہ جو زمین
 پر اللہ جل شلہ کا نور اور مخلوق کے لیے رحمت ہیں، نیز اصحاب مطہ و قبض ہیں، رسول
 خدا کی وصیت ہیں اور اُن کے بعد ہمارے لیے خلا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ
 رب العزت کا یہ قول میرے پیش نظر ہے کہ فاتوا البیوت من ابوابہا، گھروں
 میں اُن کے دروازوں سے داخل ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ حضرت ابوالفضل العباسؑ
 امام حسین علیہ السلام کے دروازے ہیں (یعنی اُن تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں) اور جو کوئی
 اُن تک پہنچ جائے وہ خاص آلِ عباس اور رحمانہ رسولِ امام حسین علیہ السلام تک پہنچ
 جاتا ہے، اس طرح وہ اہل بیت کی کشتی نجات میں داخل ہو جاتا ہے، جیسا کہ
 حضرت امام علی علیہ السلام رسولِ خدا کے علم کے شہر کا دروازہ ہیں۔ پس اسی طرح
 حضرت ابوالفضل العباسؑ اپنے بھائی حضرت امام حسینؑ کا دروازہ ہیں چنانچہ قلب
 سامانی و ضعف یمانی کے باوجود میں نے در حسینؑ کو قیام لیا۔ میں ٹھیک تھا اور میری
 کوشش ضعیف تھی، پھر بھی میں نے حضرت ابوالفضلؑ کے مناقب تحریر کیے۔ مختلف
 کتب میں موجود ذخیرہ علمی میرے کام آیا اور میں نے انھیں نص الکبریٰ سے استفادہ
 کیا۔ میں اپنی علمی کم مائیگی کا معترف ہوں کہ ساحلِ سمندر پر ہونے کے باوجود بہت
 کم موتی چُن سکا اور آپ کے فضل و مکارم میں سے چھ ایک تک رسائی حاصل کی۔
 اگرچہ میں تمام فضائل کا احاطہ نہ کر سکا لیکن ہر کسی سے محسوس ضرور کیا اور کسی کو

پس پشت نہ ڈالا۔ نہ آسان کو نظر انداز کیا نہ مشکل کو۔ میں نے کتاب ہذا کو مقدمہ،
 خاصہ اور اختتامیہ پر مرتب کیا اور کتاب کا نام خاصہ عہاسیہ رکھا اور بہت بڑی
 ہستیوں کے حضور پیش کیا، اس اُمید کے ساتھ کہ وہ اسے شرف قبولیت بخشیں گی اور
 کئی کوتاہی سے درگزر فرمائیں گی۔ اس طرح میں امام حسین علیہ السلام کے عظیم
 بھائی حضرت ابو الفضل العباس علیہ السلام کے وسیلے سے کشتی اہل بیت پر سوار ہو گیا
 اور کامیاب و کامران ہوا۔ بے شک سفیر حسین بہت وسیع و کشادہ ہے اور باعث
 نجات ہے۔ نیز اُن کے بغیر کوئی نجات کا وسیلہ نہیں اور اُن کے طریقے کے بغیر کوئی
 اخلاص کا طریقہ نہیں اور اُن کے اخلاقِ کاملہ کی پیروی کیے بغیر کوئی سعادت نہیں۔
 اُن کا راستہ ہی منزلِ منجی ہے اور اُن کی تعلیمات ہی منزلِ مقصود ہیں۔ میں اُن کے
 وسیلہ و توسط سے اُمید رکھتا ہوں کہ میری یہ کاوش بارگاہِ حسنیٰ میں قبول ہوگی، کیوں
 کہ یہی خیر ہے، یہی وسیلہ ہے، یہی شفاعت ہے۔

.....●.....

مقدمہ

حُبِ اہل بیت اور مودت آلِ اطہار

اہل بیت رسولؐ کی محبت اور مودت اللہ رب العزت نے اپنی کتاب مبین میں آیاتِ محکم اپنے بندوں پر فرض کی ہے اور اس کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اجرِ نبوت قرار دیا ہے اور اس میں تمام آئمہ معصومینؑ کو بھی شامل فرمایا۔ اس اجر میں حضورؐ کی ذریت اور وہ تمام لوگ بھی شامل ہیں جنہوں نے اُن کی اطاعت کی۔ ان اہل اطاعت کی خاص مثال حضرت عباس علم دارؓ ہیں جنہوں نے ایام کی اطاعت اور اپنی جان کو اپنی شہادت سے منور کیا اور اپنے خون کو اپنے رفا کے خون پر مقدم کیا۔ جیسا کہ مجمع البیان میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی: قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ تو پوچھا گیا: یا رسول اللہ! قربی سے آپؐ کی مراد کیا ہے جن کی اطاعت کا اللہ رب العزت نے حکم دیا ہے۔

پس آپؐ نے جواب میں فرمایا: علیؓ و فاطمہؓ اور اُن کے دونوں بچے۔ اور ”خصائل“ (نامی کتاب) میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ (حضرتؓ نے) کہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص میری اولاد سے محبت نہیں کرتا وہ یا تو منافق ہے یا ولد الزانیہ ہے یا اُس کی ماں نے اُس کو غیر طہر میں (بطور حمل) ناجائز (اُٹھایا)۔“

امام فخر الدین رازی جو کہ معروف صاحب تفسیر ہیں، اس آیہ مبارکہ کی تفسیر کے ذیل میں فرماتے ہیں: قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ”کہہ دو کہ میں تم سے کوئی اجر رسالت نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ میرے اقربا سے محبت کرنا۔“

میں کہتا ہوں کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ ہیں جنہیں حضورؐ نے اپنے حکم میں متعین فرمایا ہے۔ پس ہر وہ شخص جو کہ اُن کے حکم میں ہے وہ اُن کی اولاد میں کامل و اکمل ہوگا اور لاریب حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ اور حسین شریفینؑ کا تعلق حضور نبی کریمؐ سے احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔

حدیث حب و بخش

یہاں اُس حدیث کو بطور تحرک نقل کیا جاتا ہے، جسے صاحب تفسیر کشاف اور امام فخر الدین رازی کے علاوہ دیگر نے نقل کیا کہ آپؐ نے فرمایا: آگاہ ہو جاؤ جو شخص حب آل محمدؐ میں مرادہ شہید ہوا اور یاد رکھو جو شخص اہل بیتؑ کی محبت میں مرا وہ مغفور ہوا اور ذہن میں رکھو کہ جو شخص آل محمدؐ کے عشق میں مرادہ گناہوں سے تائب مرا۔ نیز جو شخص حب آل محمدؐ میں فوت ہوا وہ کامل مومن ہو کر فوت ہوا یعنی اُس کا ایمان مکمل تھا۔

جو شخص محبت آل محمدؐ میں مرا اُسے ملک الموت اور مگر و کبیر نے جنت کی خوش خبری سنائی۔ آگاہ ہو جاؤ کہ جو شخص آل محمدؐ کی محبت میں مرا اُس کے لیے جنت سے مسہری لائی گئی جیسا کہ دلہن کے لیے اُس کے شوہر کے گھر میں مسہری سہائی جاتی ہے اور مطلع ہو کر جو شخص حب آل محمدؐ میں مرا اُس کے لیے اُس کی قبر میں جنت کے دو دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جو شخص حب آل محمدؐ میں مرا فرشتگان رحمت اُس کی قبر کو ڈھانپ لیتے ہیں اور آگاہ رہو کہ جو شخص آل محمدؐ کی حب میں مرادہ سنت

اور جماعت پر ہے۔ اور جو شخص بخش آل محمدؐ پر مراد وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان (پیشانی پر) رقم ہوگا: یہ شخص اللہ کی رحمت سے مایوس ہے اور جو شخص بخش آل محمدؐ میں مرادہ کافر مرا اور جو شخص بخش آل محمدؐ میں مرادہ جنت کی خوشبو تک بھی نہیں پائے گا۔

صاحب تفسیر بیضاوی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ جس شخص نے اہل بیتؑ پر ظلم کیا اس پر جنت حرام ہے اور جس نے میری محترمت کو رنجیدہ کیا اور اولاد عہد المطلب میں سے کسی فرد کے ساتھ بہت زیادہ بھلائی کی تو اگر اُسے کوئی انعام نہ ملا تو میں اُسے انعام دوں گا۔

تحقیق میں نے اپنی کتاب تذکرہ عظیمہ میں ساتھ احادیث ذکر کی ہیں جو فضائل ذریت کے بارے میں ہیں اور حضور نبی کریمؐ یا آپؐ کی آل سے وارد ہوئی ہیں۔ یہ احادیث سادات کے مناقب میں زہراؑ اور علیؑ علیہ السلام سے محبت کی فریضت اور ولایت کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ یہ کتاب ۱۳۳۶ ہجری قمری میں طبع ہو کر مظر عام پر آئی، اس میں سے کچھ احادیث یہاں حمر کا جتنا احسانا اور معجزا ذکر کی جاتی ہیں:

حصہ ہفتم نمبر 1

اس حدیث میں بلند پایہ عالم شہاب الدین نے حضور نبی اکرمؐ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اللہ سے محبت کرو کہ وہ تم پر اپنی نعمتیں نچھاور کرتا ہے اور مجھ سے محبت کرو اللہ سے محبت کے سبب اور میرے اہل بیتؑ سے محبت کرو میری محبت کے سبب۔

حصہ ہفتم نمبر 2

(مطبوعاً) میں انسانوں میں سے سب سے افضل ہوں، پھر علیؑ افضل ہیں پھر

۱ میری اولاد، پھر وہ جو ہم سے محبت رکھتے ہیں۔ یہ سب بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ اس معرفت و محبت کے بعد ان سے ان کے گناہوں کے بارے میں ہرگز سوال نہیں کیا جائے گا۔

تحدیث نمبر 3

ابن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: آل محمدؐ کی ایک دن کی محبت ایک سال کی عبادت سے افضل ہے اور جو شخص ان کی محبت میں مراوہ جنت میں داخل ہو گیا۔

تحدیث نمبر 4

ابو محمد تمیمی جزیل الہی اپنی کتاب ”السلسلات“ میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ”شعرہ“ کو اذیت دی، اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت پہنچائی اور جس نے اللہ کو اذیت پہنچائی اُس پر زمین و آسمان کی تمام مخلوق کی لعنت ہو۔

شعرہ سے آپؐ کی مراد آپ کے قربت دار ہیں جنہیں حضورؐ نے قربت دی ہو، چاہے یہ قربت جسم میں موجود ایک بال ہی کی طرح کیوں نہ ہو۔

تحدیث نمبر 5

جو کہ کتاب الصواعق المحرقة سے ذکر کی گئی ہے علامہ طبرانی نقل فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی حرمت تین ہیں جس نے ان کی حفاظت کی اللہ رب العزت نے اُس کے دین و دنیا کی حفاظت کی، یاد رکھو وہ یہ ہیں: حرمت اسلام، میری حرمت اور میرے رحما و اقربا کی حرمت۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں اور جو احادیث مذکور نہیں اکثر و بیش تر سبھی محترمت رسولؐ کی محبت کو قائدہ معیار اور واجب قرار دیتی ہیں اور

ان کی ڈڑیت سے بے حد محبت کا درس دیتی ہیں اور اسی میں سب کی نجات ہے اور ان کی سیرت اپنانے میں ہی بھلائی ہے اور ان کی خاصیت یہ ہے کہ یہ سب قربت دار اللہ کے رسولؐ کی پہچان ہیں۔ حضرت علیؑ کے جی ہیں، قاطعہ زہراؑ کے پیارے ہیں یا پھر آمنہ طاہرینؑ میں کسی کے ساتھ تعلق اور محبت رکھتے ہیں، جیسے حضرت ابوالفضل العباسؑ (ان ہستیوں سے گہرا تعلق اور محبت رکھتے تھے)۔

حضرت ابوالفضل العباسؑ کے والد گرامی حضرت امیر المومنین علیؑ علیہ السلام ہیں اور جن کی گود میں حضرت ابوالفضل العباسؑ نے پرورش پائی اور جنہوں نے ابوالفضلؑ کے رخساروں اور ہونٹوں پر بوسے دیے، ہاتھوں کو چوما اور محبت و رحمت کی گرمائش پہنچائی نیز رنج و غم میں اُن کی دل داری کی۔

حضرت علیؑ علیہ السلام نے روتے ہوئے فرمایا تھا: عن قریب میری اولاد پر نصرت اور امامت کا بوجھ آئے گا اور وہ بنو امیہ کے ظالموں کے ہاتھوں راہِ خدا میں مصائب برداشت کریں گے۔ اگر اللہ کا ارادہ اُن کی (بھٹکا) نہ ہوتا اور اہل بیتؑ کو ابدیت نہ ملتی تو توحید و نبوت ختم ہو جاتی۔

اسلام کے دامن میں بس اس کے سوا کیا ہے

اک ضربِ یَدِ اللہی اک سجدہٴ شبیرتی

یہ حضرت ابوالفضل العباسؑ ہی ہیں جن کے بارے میں حضرت قاطعہ زہراؑ نے فرمایا تھا: جو کوئی حضرت عباسؑ پر سب و شتم کرے گا اُس کے دونوں ہاتھ کٹ جائیں گے اور جو اُن کی نصرت و اعانت کرے گا وہ قیامت کے روز میرے باپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے فیض یاب ہوگا۔

حضرت عباسؑ امام حسینؑ علیہ السلام کے وہ بھائی ہیں جنہیں ایک روز امامؑ نے فرمایا: اے میرے بھائی! میری جان تم ہی ہو۔ یہ بات حضرت ابوالفضل العباسؑ

کے عظیم مقام پر دلالت کرتی ہے جو کہ حضرت امام حسینؑ کی دلی کیفیت تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو الفضل العباسؑ کی محبت مصومین کے دل میں بہت زیادہ تھی اور ان کے لیے موردِ اُلفت تھے۔

لہذا میں بھی حب رسولؐ، حب علیؑ اور حبیبہ رسولؐ کا طمہ الزہراؑ کی محبت نیز ان کی بیوی و دختر سیدہ نعتبہؑ کی محبت، امام حسن مجتبیٰؑ کی محبت، امام حسینؑ شہید کربلا کی محبت اور باقی آئمہ اطہارؑ کی محبت میں سرشار ہوں۔ پس میں اس مقامِ محبویت پر کیوں کر نہ پہنچ جاؤں جب کہ انھوں نے تمام لوگوں کو اپنی محبت کی طرف پکارا ہے۔ پس ہم اپنے اکسار، مجروح، کم مانگی کے باوجود اخلاصِ دل کے ساتھ حضرت ابو الفضل العباسؑ کی مؤقت و اُلفت اور ولایت کے لیے فضائل و مناقب بیان کرتے ہیں اور ان مناقب کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ وہ ہمارے لیے غفور و درگزر فرماتے ہوئے احسان کے ساتھ انھیں قبول کریں گے۔ بے شک کوئی بھی شخص اہل بیتؑ کے اعمال تک نہیں پہنچ سکتا اور ان سے اُمید رکھ کر کوئی عروم بھی نہیں رہتا، ان شاء اللہ۔

اے ابو الفضل العباسؑ! آپ ہی کے لیے یہ خصائص مذکور ہیں (قبول فرمائیے)



خالص نسب

اس میں کوئی شک نہیں کہ نسب کے اہبار سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب ہونا بڑے مرتبے کی بات ہے، اس میں انسانوں کے لیے فخر و عزت ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو؟ حضور نبی کریم انسانیت اور بشریت کے لیے باعث فخر و شرف ہیں۔ پس جس شخص نے خود کو قرابت داری کے لیے ان کے ساتھ منسوب کیا یا ان کے اقربا کے ساتھ منسوب کیا تو وہ بھلا کس طرح نامراد رہ سکتا ہے۔ وہ تو عباس ابن علیؓ کے مثل ہوگا جو کہ بلا واسطہ اور بلا فصل نفس رسولؐ امیر المومنین حضرت علیؓ علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور وہ یہ ہیں جن کے حق میں قرآن مجید میں فرمایا گیا: **وَانْفُسَنَا وَانْفُسَكُمْ** اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی شان میں فرمایا تھا:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَا فِهَذَا عَلِيٌّ مَوْلَا

”جس کا میں مولا ہوں اُس کا علیؓ مولا ہے۔“

نفس قرآن سے ثابت ہے کہ علیؓ علیہ السلام حضور نبی کریمؐ کے بعد سید و سردار ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا تھا: جسے میں نے منتخب کر لیا اُسے اللہ نے بھی منتخب کر لیا۔

وہ ہستی جسے کوئی بھی نہیں پہچان سکتا

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، فریقین نے روایت کی ہے کہ

آپؐ نے فرمایا: میرے بھائی علی ابن ابی طالبؑ کے فضائل اس قدر کثیر ہیں کہ کوئی ان کو شمار نہیں کر سکتا۔ بے شک جن وائس میں سے کوئی بھی ان کی کتبی پر قدرت نہیں رکھتا۔

ایک اور روایت کتاب مشارق الانوار میں ہے کہ ایک دن حضرت ابوذرؓ رسولؐ خدا کے ساتھ باہر نکلے تو حضرت عمر بن خطابؓ بھی راستے میں جا رہے تھے۔ حضرت عمر قریب آئے اور ابوذرؓ سے سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کون شخص چل رہا ہے؟

حضرت ابوذرؓ نے فرمایا: وہ ایسا آدمی ہے کہ جسے میں نہیں جانتا۔
حضرت عمر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو دیکھا کہ آپؐ کے پاس حضرت علیؓ علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ حضرت عمر کے دل میں کھٹک پیدا ہوئی اور حضرت ابوذرؓ کو ملامت کرنے لگے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہو کر ابوذرؓ کی شکایت کی: یا رسول اللہ! کیا ابوذرؓ کے حق میں یہ نہیں کہا گیا کہ ابوذرؓ سے بچے کسی شخص پر آسمان نے سایہ نہیں کیا اور زمین نے کسی ایسے شخص کو اپنے اوپر نہیں اٹھایا۔

حضورؐ نے فرمایا: تم نے اس کے حق میں بالکل صحیح کہا (بوسنہ) ہاں یہ واقعی ایسا

ہے۔

اس پر حضرت عمرؓ نے کہا: آج کے دن میں نے ان سے ایسی بات سنی ہے جو ان کے شایان شان نہ تھی، وہ یہ کہ میں ان سے ملا اور ان سے سوال کیا کہ تمہارے علاوہ کوئی شخص حضورؐ کے ساتھ ہے؟ تو مجھے جواب ملا کہ حضورؐ کے ساتھ وہ شخص ہے جسے میں نہیں جانتا، حالانکہ (خوب) جانتے تھے کہ وہ علیؓ ابن ابی طالبؑ ہیں۔ پس یہ کیوں کہا کہ میں نہیں جانتا؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! ابو ذرؓ نے سچ کہا ہے، بے شک علیؓ کو میرے اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا (تحقیق اس روایت کو اہل سنت نے بھی بیان کیا ہے)۔

لیلة القربہ

کتاب ینائج المودت میں شیخ سلیمان بنی حنفی سعید ابن جبیرؓ سے روایت کرتے ہیں: سعید بن جبیرؓ نے کہا کہ میں نے ابن عباسؓ سے حضرت علیؓ علیہ السلام کے بارے میں لوگوں کے اختلاف کے متعلق سوال کیا تو ابن عباسؓ نے فرمایا: اے ابن جبیر! تم مجھ سے اُس شخص کے بارے میں پوچھ رہے ہو کہ جس کے مناقب ایک ہی رات میں تین ہزار سے زیادہ ہیں اور وہ رات قلیب بدر میں لیلة القربہ ہے، جس میں اس پر تین ہزار سے زیادہ فرشتے سلامتی لے کر آئے۔

پھر مزید کہا: تم مجھ سے وہی رسول اللہ، صاحب حوض کوثر، اور روزِ محشر کے صاحبِ لواء کے بارے میں پوچھ رہے ہو۔ قسم ہے اُس ذاتِ پاک کی جس کے قبضے میں عبد اللہ بن عباس کی جان ہے اگر پوری دنیا کے سمندر رویشائی بن جائیں اور اشجار قلم بن جائیں اور تمام اہل دنیا لکھنا شروع کر دیں تو علیؓ ابن ابی طالبؓ کے مناقب کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

نیز حضرت ابو ذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے اصحابِ شوریٰ سے احتجاج کرتے ہوئے فرمایا تھا: تم میں سے میرے سوا کون ہے جس پر قلیب بدر کی رات ایک ساعت میں تین ہزار فرشتے مع جبرئیلؑ، میکائیلؑ اور اسرافیلؑ کے سلامتی لے کر آئے، یہ فرشتے رسول اللہؐ پر اللہ کی رحمت کی بارش کے ساتھ اترے تھے، تو سب اصحاب نے کہا: نہیں ہم پر نہیں اترے آپؐ ہی کی حفاظت کے لیے آئے تھے۔

سقاے بدر

محدث جلیل، محدث نبیل، تالیفات قیمہ کے مؤلف اور تصانیف مفیدہ کے مصنف حضرت شیخ عباس قمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ثنیں مفاہج الجنان میں یہ واقعہ بیان کیا ہے اور دیگر مختلف روایات میں بھی آیا ہے کہ حقیق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب کو جنگ بدر میں فرمایا: تم میں سے کون ہے جو اس رات کنویں پر جائے اور ہمارے لیے پانی لے کر آئے؟ سبھی خاموش رہے اور کوئی بھی آگے نہ بڑھا۔ جب علی ابن ابی طالبؑ ٹھک لے کر آئے اور پانی لینے کے لیے وہاں گئے حالانکہ یہ ایک اندھیری اور خشک رات تھی اور حیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ جب آپ کنویں پر پہنچے تو اس میں بہت اندھیرا تھا۔ آپ نے کنویں پر ڈول کو نہ پایا تو کنویں میں اتر گئے اور پانی سے ٹھک بھر کر باہر لائے اور واپس مڑے تو اونٹنی بھی ہوا کی حیزی سے چلنے لگی۔ لیکن اچانک اونٹنی ہوا کی شدت سے زمین پر بیٹھ گئی اور اپنا چہرہ زمین پر لگا دیا۔ دوبارہ اونٹنی چلی تو پھر حیز ہوا کی شدت سے بیٹھ گئی۔ جب ہوا کچھ کم ہوئی تو اونٹنی پھر چلنے لگی مگر سہ بارہ پھر اونٹنی زمین پر بیٹھ گئی۔ جب ہوا کی حیزی ختم ہوئی تو اونٹنی کھڑی ہو گئی اور راستے پر چلنے لگی یہاں تک کہ بارگاہ نبوت میں (پہنچی) حضور نبی کریمؐ نے پوچھا: اے ابوالحسن! آپ کو اتنی دیر کیوں کر ہوئی؟ حضرتؑ نے جواب دیا: یا رسول اللہ! مجھ پر تین مرتبہ حیز ہوائیں چلیں اور اس قدر شدید تھیں کہ میں ٹھہر گیا اور ان کے ختم ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ حیز ہوائیں کیسی تھیں؟

حضرت علیؑ نے عرض کیا: حضور! آپ ہی بہتر جانتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پہلی حیز ہوا تب چلی جب حضرت جبرائیلؑ اور ایک ہزار فرشتے اترے۔ دوسری حیز ہوا میں حضرت میکائیلؑ ایک ہزار

فرشتے لے کر اترے اور تیسری مرتبہ حضرت اسرائیلؑ ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ اترے۔ یہ سب ہماری سلامتی اور مدد کے لیے اترے۔

سید قمیری نے اپنے قصیدے میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے:

اقسم بالله وآلہ
والمرء عتاً قال مسئول
إن علی بن ابی طالب
علی التقی والبر مجبول
”مجھے قسم ہے اللہ تعالیٰ اور اس کی نعمات کی اور اُس ہستی کی
کہ جس نے سوال کیا یعنی علیؑ ابن ابی طالبؑ کی، جو تقویٰ
اور نیکی میں سب سے بڑھ کر ہیں۔“

وہ مزید کہتا ہے:

ذات الّٰدی سنم فی لیلة
میکائیل فی الف وجبریل فی الف ویقولہم اسرافیل
لیلة ہدای مدداً أنزلوا کائنہم طیراً اہابیل
”اس رات میکائیلؑ اور جبریلؑ اترے۔ میکائیلؑ ایک ہزار
فرشتے لے کر، جبریلؑ بھی ایک ہزار فرشتے لے کر اور
اسرائیلؑ بھی ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ۔ بہت زیادہ امداد
لے کر اہابیلوں کی صورت میں۔“

سقائے کربلا

شہر خدا، حیدر کزار امیر المومنین امام علیؑ علیہ السلام نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جگہ بدر میں سقایت کا فریضہ انجام دیا اور آپؐ نے پوری دلچسپی اور قوت و شدت سے رسالت کی محافظت کی۔ اسی طرح آپؐ کے فرزند ارجمند عباسؑ بن علیؑ نے پوری شہامت و شجاعت کے ساتھ کربلا کے میدان میں

امام حسینؑ بن علیؑ کی سقایت کا منصب شرعی ادا کیا۔ لیکن دونوں سقایت میں بڑا فرق ہے۔ جب علیؑ شہر خدا نے سقایت کی تو اس وقت جبرائیلؑ، میکائیلؑ، اسرافیلؑ اور ہزاروں دوسرے ملائکہ مقررین کی معیت میں جو اللہ رب العزت کی طرف سے درود و سلام اور ہدیہ تہنیت پیش کر رہے تھے۔ لیکن آپؑ کے تختِ جگر عباسؑ بن علیؑ نے جب سقایت کا فریضہ ادا کیا تو اس وقت آپؑ کا ہزاروں تیروں، نکواریوں اور فیروں نے استقبال کیا۔

سپاہِ یزیدی کی پوری کوشش تھی کہ علمِ دارِ کربلا پانی کے گھاٹ پر نہ پہنچے پائے۔ اس کے لیے انھوں نے ہزار ہا رکاوٹیں کھڑی کیں، جن کو عبور کرنا ایک عادی انسان کے لیے مشکل تھا، اور جب علیؑ کے شیر دل بیٹے نے پوری توانائی کے ساتھ ان رکاوٹوں کو عبور کر لیا اور آپؑ فرات کے کنارے پہنچ گئے، اور آپؑ نے منہ کو پانی سے بھر لیا تو پھر یزیدی لشکر کی کوشش تھی کہ پانی کی منہ کی خیمِ حسینیؑ تک نہ پہنچے پائے، جبکہ اُس وقت علمِ دارِ کربلا کے کانوں میں پیاسے بچوں اور مخدراتِ عصمت و طہارت کی آوازیں آرہی تھیں۔ گرمی بھی قیامت کی تھی۔ سورج بھی اپنی پوری آب و تاب سے صحرائے کربلا پر روشنی بکھیر رہا تھا۔ جھلسا دینے والی گرم ہوا شدتِ پیاس میں اضافہ کر رہی تھی اور پھر یزیدیوں کے دلوں میں ذرا بھر اہل بیتؑ رسولؑ کے لیے رحم نہ تھا۔ وہ خیمِ حسینیؑ تک پانی نہ پہنچے دینا چاہتے تھے۔ کجگوروں کے جھرمٹ میں چھپے عازی پر وار کیا جس سے آپؑ کے منگیڑہ کا پانی بہہ گیا، اور آپؑ کی اُمیدوں پر پانی بھر گیا۔ خدا ان یزیدیوں پر لعنت کرے اور سقائے کربلا پر ہزاروں سلام ہوں۔

پاکیزہ و طاہر رحم

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے، نیک عورت سے شادی کرو کیوں کہ اولاد پر ہاں باپ کے اثرات ہوتے ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ عطاقت اختیار کرو۔ ابا عبد اللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: عورت ایک ہار ہے، پس دیکھو (تم نے) کیسا ہار پہنا ہوا ہے۔

ایک مرتبہ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے بھائی عقیل سے، جو کہ انساب العرب کے ماہر تھے، کہا: (اے بھائی) میرے لیے ایسی لڑکی تلاش کریں جو مضبوط (اور قوی) ہو۔ میں عربوں میں سے ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں کہ جو پاک طینت اور حسین لڑکا جنے۔ یہ بھی مذکور ہے کہ فرمایا: تاکہ میں اُس سے ایسا لڑکا پاؤں جو شجاع اور مضبوط ہو، جو کر بلا کے اندھیروں میں میری اور حسین کی مدد کرے۔

جناب عقیل نے کہا: اے امیر المومنین! آپ اُم البنینؓ وحیدہ کلابیہ سے شادی کر لیں کیوں کہ کوئی ان جیسا بہادر نہیں ہے اور نہ ان کے آباؤ اجداد جیسا ہے۔ چنانچہ علیؓ ابن ابی طالبؓ نے ان سے شادی کر لی۔ ان کا نام (اُم البنینؓ) فاطمہ وحیدہ کلابیہ تھا اور اُن کی والدہ ثمامہ بنت سہیل بن عامر تھیں اور یہ ثمامہ بہت مشہور ادیبہ تھیں نیز کاملہ عاتقہ تھیں پس انھوں نے اپنی بیٹی کو آدابِ عرب سکھائے اور اخلاقِ حمیدہ سے مزین کیا۔ اُن کے والد ابو محمل تھے، جن کا (اصل) نام حزام تھا اور بعض کتب میں ان کا نسب یہ ہے: حزام بن خالد بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن۔ یہ سب عرب کے شجاع اور معروف لوگ تھے۔ یوں اُم



المثنیٰ وحیدہ کلابہ کی وجہ تسمیہ ولید بن کعب اور کلاب بن ربیعہ سے نسبت ہے، جو عرب کے اشراف، سادات، زعماء اور مشہور اہل حال ہیں۔

حضرت عقیلؑ سے مشورہ

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ جو کہ بذات خود علم رسول اللہ کے باب اور عارف اہل زمانہ ہیں اور کون ہے جو ان کے نام نامی اسم گرامی سے واقف نہ ہو۔ چنانچہ انھوں نے اپنے بھائی عقیلؑ سے امر ازواج کا مشورہ کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لاریب اور بلاشبہ امیر المومنینؑ رسول خدا کے بعد لوگوں میں تمام امور کے سب سے زیادہ عالم تھے اور لوگوں کو ان کے نسب کے حوالے سے خوب جانتے تھے لیکن آپؐ نے اس امر میں حکمت دکھائی کہ مشورہ ایسے کیا جاتا ہے (یعنی مشورہ کو اہمیت دی)۔

آپؐ نے ارادہ فرمایا: لوگوں کو یہ سکھائیں کہ نبی کریمؐ کیسے مشورہ کرتے اور چھوٹے بڑوں کو انفرادی و اجتماعی اور اقتصادی و سیاسی طور پر حکمت سکھاتے تھے۔ یوں علم و معرفت کا ایک سلسلہ شروع فرمایا: لوگوں کو کس طرح عقل و تجربہ سکھایا جائے اور کیسے غرور و تکبر کی سی برائیوں سے بچایا جائے، نیز کیسے ظلم سے روکا جائے اور مساوات کا درس دیا جائے۔ پس اس واقعہ میں بھی امر تھا کہ ان کی اولاد اسرار و تکنیکی کو پہچانیں اور اولاد میں نجیب و پاک اور نیک بیٹوں کا اجتماع ہو۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ شاید امیر المومنینؑ کا ارادہ یہ ہو کہ اس مشورہ سے ازواج کی سبب مبارکہ کا اعلان کریں۔

تیسرے یہ کہ شادی کے لیے مشورہ کرنا اس وقت کی روایت ہو اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو یہ بات شوہر کی فضیلت پر (حق طوری) اثر انداز ہو۔ چوتھے یہ کہ امیر المومنینؑ کا یہ ارادہ ہو کہ خلف امور کے بارے میں اہل خبر

اور اہل فن سے رجوع کرنے کی تعلیم دیں اور مجتمع اسلامی میں خاص افراد کی اہمیت کو اجاگر کریں۔ یعنی امیر المومنینؑ نے اُمت کو آگاہ فرمایا: ازدواج کے معاملہ میں علم الانساب کے جاننے والوں سے رجوع کرے جیسے تجارت کے بارے میں تجار سے، دینی معاملات میں دینی لوگوں سے، حکومت و قیادت کے بارے میں اللہ کے خاص بندوں سے مشورہ کرے اور آئمہ طاہرینؑ کی صحبت اختیار کی جائے۔ امام حسینؑ کا اپنے دور میں فقہا سے مشورہ بھی اس امر کی دلیل ہے۔

پانچویں یہ کہ شاید اس بات سے حضرت امیر المومنینؑ کا ارادہ یہ تھا حضرت عقیلؑ کی شخصیت کو اجاگر کیا جائے اور علم الانساب میں ان کے درجہ کا اعتراف کروایا جائے تاکہ جناب عقیلؑ کے نقطہ نظر سے حرام اور اُم البنینؑ کے نسب کی تعریف اور محاذیہ و ہند کے نسب کی مذمت کی ترویج کی جائے۔

چھٹے یہ کہ ان کا ارادہ شاید یہ ہو کہ واقعہ کربلا کی خبر دی جائے اور روز عاشور کے حالات بیان کیے جائیں نیز شہادت حسینؑ اور مظلومیت عباسؑ کی خبر دی جائے۔ یوں بنو اُمیہ کی غلطی کو واضح کیا جائے اور اہل بیتؑ کی شہادت کی پیشین گوئی کی جائے، یہاں تک کہ یہ بھی بتایا جائے کہ اہل بیتؑ کی شہادت کے بعد کسی طرح بنو اُمیہ یہ نہ کہیں کہ ہمیں تو اس واقعہ کا علم ہی نہ ہوسکا۔ گویا اُن کی مکاری کا توڑ کیا جائے اور اس بات کا سد باب کیا جائے کہ وہ امام حسینؑ پر کہیں سلطنت اور حکومت کے لیے جنگ کا الزام نہ لگائیں (العیاذ باللہ)

بلاشبہ حضرت امام حسینؑ اللہ کے حکم کی گواہی کے لیے لکے اور اُن کا مطح نظر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ادائیگی اور اسلام کی سر بلندی تھا۔

الام المبارکہ (اُم مبارکہ)

بلاشبہ اُم البنینؑ ویسی ہی ثابت ہوئیں جیسا کہ امیر المومنینؑ چاہتے تھے اور

جیسی گواہی دی عقیل ابن ابی طالبؑ نے، کہ وہ باپ کی طرف سے کریم اور ماں کی طرف سے قوی ہیں۔ وہ عالم فاضل خواتین میں سے تھیں، اہل بیتؑ کی معتقد تھیں، ان کی ولایت کے بارے میں مخلص تھیں اور ان کی اُلفت و محبت سے سرشار تھیں۔ پس وہ امیر المومنینؑ کے نکاح میں اُونچے مقام اور بلند مرتبے کے ساتھ آئیں۔

تحقیق اُمّ البنینؑ نے سیدہ زینبؑ کی کربلا سے مدینہ واپسی پر زیارت کی تو سیدہ زینبؑ نے آپ سے آپ کے چار بیٹوں کی شہادت پر تعزیت کی، جو کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوئے۔ نیز ایامِ عیدین میں بھی زیارت و ملاقات کی اور یہ بات آپ کے بلند مرتبہ اور اہل بیتؑ کے نزدیک مقام و منزلت کی دلیل ہے اور یہ بات مجموعہ شہیدِ اول سے منقول ہے۔

مزید فرمایا: اگر زمین کا سارا سونا چاندی عورت اپنے شوہر کے گھر میں رکھ دے۔ پھر ایک دن وہ اپنے شوہر کے سر پر مارے اور کہے کہ تو کون ہے؟ یہ تو میرا مال ہے، تو اس کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے اگرچہ وہ کتنی ہی زیادہ عبادت کرنے والی ہو، مگر یہ کہ وہ معذرت کے ساتھ اپنے شوہر سے رجوع کرے۔

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ جو عورت اپنے شوہر کو چھوڑ دے وہ خالہ ہے، اس کا حشر قیامت کے دن فرعون، ہامان اور قارون کے ساتھ جہنم کے نچلے درجے میں ہوگا مگر یہ کہ وہ توبہ کرے اور رجوع کرے۔

حضرت سلیمانؑ فرماتے ہیں: میں نے رسول خدا کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو عورت اپنے خاوند پر اپنے مال کی وجہ سے احسان بتائے اور یہ کہے کہ تم تو میرے مال سے کھاتے ہو، اگر وہ عورت اس مال کو صدقہ کرے تو وہ قبول نہیں ہوگا مگر یہ کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو جائے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ فرمایا: جس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کی یہ نیت نہیں تھی کہ وہ اس کا مہر ادا کرے گا تو پس وہ اللہ کے نزدیک زانی ہے۔

اللہ کے نزدیک اُم البنین کا مقام

بی بی اُم البنینؓ کا وہ خلوص و محبت جو انھیں رسول اللہ اور اُن کی پاک اولاد سے تھی اور جس طرح انھوں نے سیدہ فاطمہ زہراؓ کی اولاد کی خدمت کی اور اُن کے حقوق کو پہچانا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیتؑ کے حقوق اپنے تمام بندوں پر فرض کیے ہیں خصوصاً سماعت و اطاعت، تعظیم و تکریم وغیرہ کو۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اُم البنینؓ کے نام کو خاص کر دیا اور انھیں ابواب الحوائج میں سے ایک باب بنا دیا جیسا کہ اُن کے فرزند ارجمند کو خاص کیا گیا اور باب الحوائج بنایا گیا نیز آفات و مصائب میں بجا و ماوا بنایا گیا۔ نیز حاجت کو رفع کرنے کے لیے مددگار بنایا گیا اور ہم و غم کا دور کرنے والا بنایا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہدایت و صدقات اور اُن کے اوصاف میں اضافہ کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ اُن کی ہر حاجت پوری کرے گا۔ اللہ جل شانہ کا اکرام و سلامتی ہے سیدہ اُم البنینؓ پر اُن کے اخلاص و محبت کے ساتھ۔

سیدہ اُم البنینؓ کا عہد ولادت

مرقوم ہے کہ آپ کے والد گرامی حزام بن خالد بن ربیعہ اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ سفر میں تھے اور انھوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک منور قطعہ ارض پر بیٹھے ہوئے ہیں تو ایک انتہائی روشن ذرہ اُن کے ہاتھ میں آ گیا اور وہ متحیر ہو کر اُسے دیکھنے لگے اور اس کو دیکھ دیکھ کر حیران ہونے لگے۔ اچانک ایک قوی الجبہ گھڑسوار اُن کے سامنے آ گیا اور دعا و سلامتی کے بعد اُن سے کہا: یہ کیسا شان دار

دُڑہ آپ کے ہاتھ میں ہے؟ یہ آپ نے کتنے کا خریدا ہے؟
جناب حزام نے جواب دیا: میں اس کی قیمت نہیں جانتا لیکن آپ اسے

کیوں کر خریدنا چاہتے ہو؟

گمڑسوار نے کہا: اس کی قیمت تو میں بھی نہیں جانتا لیکن مجھ پر یہ راز فاش ہوا ہے کہ جس کے ہاتھ میں یہ دُڑہ ہوگا ہدایت اُس کا مقدر ہے اور یہ حقیقت سب پر جلد عیاں ہو جائے گی۔ میں اس کی ضمانت دیتا ہوں کہ یہ درہم و دینار کے بدل سے بیش بہا قیمتی ہے۔

جناب حزام نے حیران ہو کر پوچھا: یہ کیا شے ہے جو درہم و دینار سے بھی قیمتی ہے؟

گمڑسوار نے کہا: میں ضمانت دیتا ہوں کہ اس کی موجودگی ہر غم سے دُور کر دے گی اور دل بھانے کا ذریعہ بنے گی اور تا ابد آباد باصِ شرف و سعادت ہوگی۔
گمڑسوار نے نہایت دُوق سے کہا: ہاں میں اس کی ضمانت دیتا ہوں۔

جناب حزام نے دریافت کیا: تو کیا تم بھی اسے واسطہ اور ذریعہ کفالت بناؤ گے۔

گمڑسوار نے نہایت زور سے کہا: ہاں یہ میرے لیے بھی واسطہ کفیل ہوگا اور اس سے ہر خوشی اور شرف کا حصول ہوگا۔

پس حزام نے اُسے یہ دُڑہ دے دیا۔ پھر جب حزام نیند سے بیدار ہوئے تو اپنی قوم کو یہ خواب سنایا تو ان میں سے ہر کسی نے کہا: اگر تمہارا خواب سچا ہے تو تجھے ایک بیٹی عطا ہوگی جو عظمت کی بلندیوں پر فائز ہوگی اور تمہارے لیے موجب شرف و سعادت ہوگی۔ پھر جب حزام سفر سے واپس آئے تو اُن کی بیوی ثمامہ حاملہ تھیں جب اُن کا وضع حمل ہوا تو فاطمہ اُم المنین پیدا ہوئیں جنہیں دیکھ کر جناب حزام کا چہرہ

کھل اٹھا اور اُن کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور اُنھوں نے خود سے کہا: بے شک میرا خواب سچ ثابت ہوا۔

جب اُن سے پوچھا گیا کہ اس بچی کا نام کیا رکھا جائے تو اُنھوں نے کہا: اس کا نام فاطمہ ہوگا اور کنیت اُم المومنین۔

فاطمہؑ نے اپنی والدہ اُم ثمامہ کی گود اور اپنے شفیق باپ کے ہاتھوں میں پرورش پائی۔ اُنھوں نے آدابِ عرب نیز صالحین ائمہ کے اخلاق اپنے والدین سے سیکھے۔ یہاں تک کہ وہ بالغ اور شادی کے قابل ہو گئیں، اُنھوں نے امورِ خانہ داری سیکھے اور ادب و کمال میں بلند تر ہوتی گئیں۔ حتیٰ کہ شرف و اخلاق میں رسولِ خدا اور آپؐ کے اہل بیتؑ کے بعد اُن کا مقام آتا ہے۔

جنابِ عقیلؑ کا نکاح امیر المومنینؑ کے لیے پیغام

جس وقت امیر المومنین علی علیہ السلام نے اپنے بھائی عقیلؑ پر اپنی شادی کا معاملہ واضح کیا اور ان سے اس سلسلے میں مشورہ طلب کیا تو جنابِ عقیلؑ نے ان کے سامنے یہ رائے پیش کی کہ آپ فاطمہ وحیدہ کلابیہ کے ساتھ نکاح فرمائیں، جو کہ بلند ذات والی، بلند درجے والی اور اصالت و نجابت نیز شجاعت و شہامت میں مشہور ہیں۔ امیر المومنینؑ نے عقیلؑ سے موافقت فرمائی۔ پس اُنھوں نے فاطمہ کلابیہ کے والدِ محترم حرام کو پیغامِ نکاح بھیجا۔

حزام اُس وقت مدینہ سے باہر مقیم تھے۔ عقیلؑ نکاحِ امیر المومنینؑ کے ارادے اور اُمید کے ساتھ اُن کے ہاں تشریف لے گئے اور حزام نے اپنے مہمان کو خوش آمدید کہا، اُن کے لیے بکری ذبح کی، بھرپور ضیافت کی اور احترام و اکرام کا حق ادا کیا۔ حزام کی عادت تھی کہ وہ تین دن تک مہمان سے اُس کے آنے کی وجہ دریافت نہیں کرتے تھے۔ جب تین دن گزر گئے تو حزام نے جنابِ عقیلؑ سے

نشست کی اور اُن سے پوچھا کہ آپ کس سلسلے میں تشریف لائے ہیں۔ کوئی مسئلہ ہے تو بتائیں تاکہ میں حل کروں۔ مال یا کسی شخص کے بارے میں اشارہ فرمائیں تو تعاون کروں۔

جناب عقل نے بڑی تھکن سے جواب دیا کہ ہم آپ کے پاس ایک عظیم کام کے لیے آئے ہیں۔

حزام نے دریافت کیا: عم زاد رسولؐ وہ کیا کام ہے؟

عقل نے کہا: ہم پیغام نکاح لائے ہیں۔

حزام نے پوچھا: کس کا اور کس کے لیے؟

عقل نے نہایت کامل صداقت و صراحت سے جواب دیا: ہم آپ کی عقیقہ دختر فاطمہ ام البنین کے لیے یعسوب الدین، قائد غر الجبلین، امام المجتہدین، سید المومنین، امام امیر المومنین علی ابن ابی طالب بن عبدالمطلب بن عبدمناف، اللہ کی کروڑہا نعمتیں ہوں اُن پر، کا پیغام نکاح لائے ہیں۔

حزام یہ سنتے ہی پھول کی طرح کھل گئے اور اُن کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ بولے: کتنی مبارک گھڑی ہے یہ! آپ کی آمد بہت سعید ہے اور آپ کے آنے سے ہمارا اقبال بلند ہوا۔ آپ ہمارے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی لے کر آئے ہیں اور ہماری عزت افزائی کی ہے۔ ہم اس تعلق پر فخر و عزت محسوس کرتے ہیں۔ لیکن آپ ہی بتائیں کہ کہاں علی ابن ابی طالب حجۃ اللہ علی لخلق اجہیں، جن و انس کے امام، حیم النار والجنہ، رسول خدا کے عم زاد اور کہاں ہم؟ میری بیٹی اُن کے قابل کہاں؟ ہم تو عام سے لوگ ہیں، میری بیٹی بیابان کی پٹی بڑھی ہے، اُس کا امام مکی مدنی سے کیا جوڑ؟

جب کلام حزام مکمل ہوا تو عقل نے فوراً جواب دیا: اے ابوالکھل! (یہ حزام

کی کنیت تھی) بے شک میرے بھائی امیر المومنینؑ ہر بات کو جانتے ہیں اور اُن سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے جو تم نے مجھے بتائی ہے۔ اس کے باوجود وہ رغبت رکھتے ہیں کہ تم سے رشتہ قائم کریں اور اس بات پر راضی ہیں کہ تمہاری بیٹی ان کی زوجہ بنے اور اُن کے گھر کو سنبھالنے والی ہو اور اُن کی اولاد کے لیے شفیق ثابت ہو۔

یہ سن کر حزام نے کہا: اے عم زاد رسول! مجھے مہلت دیں تاکہ میں اس کی ماں (اپنی بیوی) کے ساتھ اس بارے میں مشورہ کر لوں۔ یقیناً امیر المومنینؑ شرافت کے بلند درجہ پر فائز ہیں اور ہم اس بات پر فخر محسوس کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ منسوب ہو جائیں۔ پس کتنا اچھا کیا آپ نے! اور خیر ہی خیر ہے جو آپ نے کہا۔

حزام کا وہ مشورہ جو انھوں نے بی بی ثمامہ کے ساتھ کیا

جناب عقیلؑ نے ان سے کہا کہ میں اس بات کی اجازت دیتا ہوں (اور راضی ہوں) جب جناب عقیلؑ نے حزام کو مشورہ کرنے کی اجازت دے دی تو حزام کھڑے ہوئے اور گھر تشریف لے گئے۔ جب گھر میں داخل ہوئے تو انھوں نے اپنی بیٹی فاطمہ کو دیکھا کہ وہ اپنی ماں کے آگے بیٹھی ہوئی تھیں، ان سے اپنے بال بنوانے کے لیے، اور ماں فاطمہ کے بالوں میں کنگھی کر رہی تھیں، نیز بال سنوار رہی تھیں۔ اس اثنا میں بیٹی اپنی ماں سے کہنے لگی: مجھے اجازت ہے کہ اپنا خواب سناؤں، کیوں کہ میں نے عجیب و غریب خواب دیکھا ہے اور آپ کو بتانا پسند کرتی ہوں۔

ماں نے بڑی بے چینی سے کہا: تم نے جو دیکھا ہے مجھے بتاؤ، خدا خیر کرے! اس دوران میں حزام ایک ایسی جگہ پر ٹھہر گئے جہاں انھیں کوئی دیکھ نہیں رہا تھا۔ یوں وہ بھی اپنی بیٹی کے خواب کو سننے لگے۔ انھوں نے سنا کہ بیٹی کہہ رہی تھیں: امی جان! میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک نہایت خوب صورت باغ میں بیٹھی

ہوں، جہاں پھل دار درخت اُگے ہوئے ہیں اور نہریں جاری ہیں۔ یہ رات کا سماں تھا لیکن رات چاندنی تھی، آسمان صاف تھا اور چاند جھلکا رہا تھا جس کی چاندی باغ پر پڑ رہی تھی۔ یہ بڑا دل کش منظر تھا، خوشبو کے پتے آرہے تھے۔ میں یہ منظر دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کا سوچنے لگی جو ارض و سما کا خالق اور شمس و قمر کا مالک ہے۔ چاند آسمان کے ساتھ ملا ہوا تھا اور زمین کے مثل تھا۔ اس کے اندر پہاڑ تھے لیکن وہ ایسی روشنی نچھاور کر رہا تھا کہ آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔ شیریں چشمے بہہ رہے تھے۔ میں نے اس منظر پر بہت تعجب کیا لیکن میرے تعجب میں اس وقت مزید اضافہ ہوا جب میں نے تین ستاروں کو دیکھا کہ وہ مثل زمین کے آسمان سے ٹوٹے اور میری گود میں گر گئے۔ وہ بہت نورانی تھے اور اُن سے روشنی نکل رہی تھی۔ پھر غیب سے آواز آئی کہ کوئی کہہ رہا تھا:

بشراك فاطمة بالسادة الغرر

ثلاثة انجم والواهر القمر

أبوهم سيد في الخلق قاطبة

بعد الرسول كذا قد جاء في الخبر

”اے فاطمہ! خبر آئی ہے اور بشارت ہے کہ دائمی سعادت

تمہارا مقدر بنے والی ہے، تین ستارے تمہارا مقدر بننے

والے ہیں اور چمکتا چاند تمہارا نصیب ہے اور ان کا باپ سید

ہے جو رسول اللہ کے بعد تمام مخلوق میں معتبر ہے۔“

پھر مزید کہا: جب میں نے اس آواز کو سنا اور نیند سے بیدار ہوئی تو میں گھبرا گئی۔

پھر کہا: اے مادرِ گرامی! یہ میرا خواب تھا جو میں نے سوتے میں دیکھا ہے،

اس کی تاویل و تفسیر کیا ہے؟

ماں نے کہا: وہی تعمیر ہے جو کچھ تم نے دیکھا ہے۔

ایسا کیسے نہ ہوتا کہ وہ سیدہ زینبؓ اور اُن کی بہن اُم کلثومؓ کی ہم مرتبہ تھیں اور امام حسنؓ اور امام حسینؓ پر شفقت کرنے والی تھیں۔ جب وہ امیر المومنینؓ کے گھر زوجہ بن کر آئیں تو انھوں نے سیدہ فاطمہؓ کی اولاد کے ساتھ مادرِ مشفق کا سا سلوک کیا بلکہ اکثر و بیش تر وہ اُن کے لیے حقیقی ماں سے بھی زیادہ مہربان ثابت ہوئیں۔ وہ ان ہستیوں کی خدمت کرنے میں فخر محسوس کرتی تھیں اور انھیں اپنی اولاد سے زیادہ مقدم رکھتی تھیں۔ وہ اُن کا اپنے بیٹوں سے بھی بڑھ کر خیال رکھتی تھیں نیز اُن کے احترام میں کھڑا ہوتا خود پر واجب سمجھتی ہیں اور یہ فریضہ اللہ رب العزت نے اُن کے نصیب میں لکھ دیا تھا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کے اقربا سے محبت و مودت اور اُن کی تعظیم و تکریم مسلمانوں پر واجب قرار دی ہے۔

روایت میں ملتا ہے کہ جب بی بی اُم المہینؓ کی رخصتی ہوئی اور وہ امیر المومنین علیؓ علیہ السلام کے گھر میں تشریف لائیں تو اس دوران میں حسین شریفینؓ بیمار پڑ گئے۔ اُم المہینؓ نے خود کو بھلا کر اُن کی خوب تیمارداری کی، اپنی گفتگو سے اُن کا دل بھلایا حتیٰ کہ وہ دونوں صحت یاب ہو گئے۔

یہ بھی مرقوم ہے کہ بی بی اُم المہینؓ نے اہل بیتؓ سے فرمایش کی کہ آج کے بعد مجھے فاطمہؓ کے نام سے نہ پکارا جائے کیوں کہ میں ڈرتی ہوں کہ مجھے اس نام سے پکارنے سے سیدہ فاطمہؓ زہراؓ کے بچوں کو اُن کی یاد آئے گی اور اُن کا غم نازہ ہوگا۔ اس پر علیؓ علیہ السلام نے فرمایا: ایسا ہی ہوگا۔ چنانچہ آپ کو آپ کی کنیت سے پکارا جانے لگا۔

کاخ کا اعلان

پھر حزام نکلے اور اپنے قبیلہ اور اپنی قوم کو پکارا، بنی کلاب و بنی عامر کو، تاکہ

وہ اس مجلس نکاح میں حاضر ہوں۔ جب وہ سب آگئے تو عقل کھڑے ہو گئے اور خطبہ دینے لگے۔ پہلے اللہ کی تعریف بیان کی پھر ثنائی۔ اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل پر درود بھیجا، پھر فرمایا: اے بنی کلاب اور بنی عامر بن صعصعہ، تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ احسان کیا رسول اللہ کو رسول بنا کر بھیجا اور ان کے ذریعے ہمیں تقویت دی اور ہم اس پر راضی و مفتخر ہیں کہ جب اللہ رب العزت نے فرمایا: **إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ** ”بے شک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔“

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو شخص دین اسلام کے علاوہ کوئی دین اختیار کرے گا، اسے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں خسارے میں ہوگا (الآیہ)۔ اور ہمیں حکم دیا کہ ہم شخص و عداوت کو ختم کریں اور ہم پر صلہ رحم کرنا واجب ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے:

”اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تمہاری پہچان کے واسطے شعوب و قبائل بنائے ہیں۔ بے شک اللہ کے نزدیک عزت والا وہ ہے جو متقی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ خبر رکھنے والا اور جاننے والا ہے (الآیہ)۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہم پر بدکاری اور بے حیائی کو حرام کیا ہے اور ہم پر نکاح کو حلال کیا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”اور اس کی نشانیں میں سے ہے کہ اُس نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا تاکہ تم آپس میں مانوس رہو اور تمہارے درمیان اُلفت و رحمت کو پیدا کیا، بے شک یہ اللہ کی نشانیاں ہیں، اس قوم کے لیے جو غور و فکر کرنے والی ہو (الآیہ)۔“

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نکاح کرو اور ہم بستر ی کرو (تاکہ میں تمہاری کثرت پر) دوسری اُمتوں کے مقابلے میں فخر کر سکوں اور یہ وصیٰ

رسولؐ اور نبی اکرمؐ کے چچا کے بیٹے امیر المومنین علی بن ابی طالبؓ بن عبدالمطلبؓ بن ہاشمؓ پسند کرتے ہیں کہ تمہارے ساتھ رشتہ داری قائم کریں اور انھوں نے پیغام نکاح بھیجا ہے، فاطمہ اُمّ البنینؓ بعد حزام بن خالد بن ربیعہ کے لیے، قرآن و سنت کے (صین) مطابق:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اللہ ہی آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس سے جوڑے بنائے ہیں اور جانوروں میں بھی جوڑے بنائے ہیں، اس طرح وہ تمہاری نسل پھیلاتا ہے، اُس کی مثل کوئی شے نہیں ہے، وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے (الآیہ)۔ والسلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور پھر بیٹھ گئے۔

اس کے بعد حزام کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا اور آپ کی آلؑ پر حمد و صلوة کے بعد فرمایا: اے میری قوم تم نے سُن لیا جو کچھ عقیل بن ابی طالبؓ نے کہا: دین اسلام اور نبی اکرمؐ کے بارے میں۔ اب میں تمہیں گواہ بناتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کو گواہ ٹھہراتا ہوں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین اختیار کیا ہے اور میں ان کی نواہی وادامر میں اتباع کرتا ہوں اور یہ کہ میں اپنی بیٹی کے لیے علیؓ امین ابی طالبؓ کو قبول کرتا ہوں۔ تم میرے خاندان والے اور میرے اہل قوم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟

اُن سب نے اس بات کے جواب میں کہا کہ وہی رسولؐ اور رسولؐ کے چچا کے بیٹے کے بارے میں کچھ کہنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ بے شک وہ حسب نسب کے لحاظ سے لوگوں میں سب سے زیادہ کریم ہیں۔ پھر حزام نے کہا کہ میں اپنی بیٹی کی صلاحیت اور امور خانہ داری کے بارے میں پوچھ لوں، بے شک ماں اپنی بیٹی کو باپ سے زیادہ جانتی ہے، تاکہ میں اپنی بیٹی کے اخلاق اور آداب کو جان سکوں۔ نیز

یہ کہ وہ مجھے رضامندی کا اشارہ دے دے۔ میں اپنی بیٹی فاطمہؓ پر اس ذمہ داری کو پیش کرتا ہوں تاکہ اُس کی رضامندی کو پہچان سکوں۔

اُم المومنینؓ امیر المومنینؓ کے گھر میں

پھر عقد نکاح پایہ تکمیل کو پہنچا اور یہ معاملہ پورا ہو گیا۔ حق مہر اور ہدیے ارسال کر دیے گئے۔ سامان اور دیگر لوازمات جہز بھی بھیج دیے گئے اور فاطمہؓ اُم المومنینؓ کی رخصتی ہو گئی۔ یوں وہ اپنے شوہر کے گھر پہنچ گئیں۔ آپؐ طبیعت کے اعتبار سے سیدہ فاطمہؓ زہراؓ کے مانند تھیں۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ آپؐ سیدہ فاطمہؓ کے بعد حضرت امیر المومنینؓ کی دوسری بیوی تھیں اور پہلی اُمّہ بنت زینب تھیں اور بعض کے مطابق سیدہ فاطمہؓ کے بعد آپؐ ہی پہلی بیوی تھیں۔

یہ کیسے ممکن تھا کہ جب اُم المومنینؓ امیر المومنینؓ کے گھر آئی ہوں تو اُن کی اولادِ طاہرہ کے لیے شفیق نہ ثابت ہوئی ہوں جیسا کہ اُن کے والدِ حرام ان کی والدہ ثمامہؓ نے اُمید رکھی ہوئی تھی اور جیسا کہ عقیلؓ بن ابی طالبؓ نے اس بی بی کے وصف بیان کیے تھے!! اُم المومنینؓ امیر المومنینؓ کی زوجہٴ وفیہ کریمہ، قرینہ اور مدبرہ بن کر رہیں اور حضرتؐ کی اولاد اور ذریعہٴ رسولؐ کے صدقے واری لگیں۔

اس مندرجہ نے امیر المومنینؓ کے لیے چار بیٹے جنے، جن میں سے پہلے قرآنِ مجید ابو الفضل العباسؓ تھے۔ دوسرے عبداللہ، تیسرے جعفر اور چوتھے عثمان تھے۔ ان چاروں بیٹوں سے ہی ان کی کنیت ”اُم المومنینؓ“ ثابت ہے۔ جہاں تک حضرت ابو الفضل العباسؓ کا تعلق ہے تو وہ خاص اوصاف کے حامل ہیں۔ اُن کو شجاعت امیر المومنینؓ ورثہ میں ملی جیسا کہ ان کی ماں فاطمہؓ وحیدہ کلاہیہ کو (بھی) شجاعت ورثہ میں اُن کے اسلافِ فرسانِ فوجان سے ملی ہے۔ اسی طرح ان کے محاسن اور مکارم و فضائل، نیز مناقبِ صدق و صفا اور محبت و ولا بھی ان کے بھائیوں حسینؓ

شریفین کی طرح، جو موالیوں کے لیے مرکب اطاعت ہیں، درش میں ملے۔ جو لوگ اُن ہستیوں سے محبت کرتے ہیں وہ مخلص اور صادق تھے وہ حسین شریفین کی امامت کے معترف اور قائل تھے اور اپنی جانیں ان کی راہ میں نذرانہ کیے بغیر راضی (اور مطمئن) نہ ہوئے۔

حضرت ابو الفضل العباسؑ نے اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ وہ بنو امیہ کے سخت ترین مخالف ہیں۔ انھوں نے بنو امیہ کی لغویات کو ٹھکرایا اور ان کے لشکر کو (بھرپور) نقصان پہنچایا۔ اپنے بھائی امام حسینؑ کو (کسی صورت میں) نہ چھوڑا اور جان و دل سے اُن کی مدد کی۔ یہاں تک کہ اپنا خون اُن کے خونِ اقدس سے پہلے بہا دیا۔ یہ وفا اور محبت انھیں اپنی والدہ اُمّ العنینہؑ سے ملی تھی اور رسولؐ اور اولادِ رسولؐ سے اخلاص و وفا کے آداب اور خصوصاً امام حسینؑ سے روح کی گہرائیوں سے، سعادتیں انھیں بچپن ہی میں سکھلا دی گئی تھیں جو اُن کی ماں کی تربیت کا نتیجہ تھیں۔

زواج کے لیے نمونہ و مثال

حضرت امیر المومنینؑ نے جو طریقہ تزویج میں اختیار کیا اور بالخصوص حضرت اُمّ العنینہؑ سے ازدواج میں اپنایا اس میں مسلمانوں کے لیے درس و ہدایت کا سامان تھا تا کہ وہ اس امر میں بصیرت و حکمت حاصل کریں اور تحقیق و مشورہ کو مقدم رکھیں۔ یوں مرد کی اہمیتِ زواج کو اُجاگر کیا جائے کیوں کہ بیویاں دین میں پیشگی میں مددگار ہیں، جیسا کہ حضرت امیر المومنینؑ کے معاملے میں حضرت اُمّ العنینہؑ۔

نیک بیوی

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں خبر نہ دوں تمہاری

بہترین عورتوں کی؟

صحابہ کرام نے عرض کیا: ہاں (ضرور) بتا دیجیے۔

آپؐ نے فرمایا: تمہاری بہترین عورتیں وہ ہیں جو زیادہ بچے جننے والی ہوں اور زیادہ محبت کرنے والی ہوں، پاک دامن ہوں، گھر والوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والی ہوں، خاوند کے سامنے عاجز ہوں اور (خاوند کے لیے) بناؤ سنگھار کرنے والی ہوں نیز اس کے کلام کو سننے اور اس کی اطاعت کرنے والی ہوں، اس کی اجازت کے بغیر کسی جگہ نہ جائیں اور خاوند کے لیے غیر سنجیدہ نہ ہوں جب کہ ہر غیر کے لیے غیر سنجیدہ ہوں (یعنی اپنے شوہر ہی کے لیے وفادار ہوں)۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرید فرمایا: رزق کے لیے نکاح کرو، بے شک عورتوں میں برکت ہے اور پھر فرمایا: میں تمہیں بدترین عورتوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ عرض کیا گیا: ضرور بتائیں تو آپؐ نے فرمایا: تمہاری بدترین عورتیں وہ ہیں جو اپنے گھر والوں کے لیے ذلالت (کا باعث) ہوں، اپنے شوہر کو عزیز نہ رکھتی ہوں اور بانجھ ہوں، نیز بھٹس دیکھنے والی ہوں اور فصیح چیزوں سے بچنے والی نہ ہوں۔ جب ان کا شوہر موجود نہ ہو تو بناؤ سنگھار کریں اور جب شوہر موجود ہو تو پاک دامن بن بیٹھیں اور اس کی بات نہ سنیں اور اس کی اطاعت نہ کریں۔ جب انہیں کسی جگہ جانے سے منع کیا جائے تو مشکل ہو اور جب منع کیا جائے تو کوئی عذر قبول نہ کریں، ان کے گناہ معاف نہیں ہوں گے۔

امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص نکاح کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ ایسی عورت سے نکاح کرے جو زمین (قاصد) کے لحاظ سے قریب ہو اور منکبین کے درمیان ہو، نیز سانولے رنگ والی ہو۔ اگر اس کے برعکس ہو تو بے شک وہ خوش نصیب نہ ہوگا لیکن اس پر بھی مہر ہے۔

اور مزید فرمایا: عورتوں کی عقلیں اُن کے جمال میں ہیں اور مردوں کا جمال ان کی عقلوں میں ہے۔

رسول اکرمؐ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: قرب قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ آخری زمانہ جو بدترین زمانہ ہوگا، جس میں عورتیں زیب و زینت اختیار کریں گی اور کھلی ہوئی (یعنی بے پردہ) ہوں گی۔ دین سے بالکل عاری ہوں گی اور لذتوں کی جانب جلدی کرنے والی ہوں گی، عمرات کو حلال جانیں گی، وہ ہمیشہ جہنم میں رہنے والی ہوں گی۔

علیؑ بن الحسینؑ سے روایت ہے کہ جب تم میں سے کوئی نکاح کا ارادہ رکھتا ہو تو اُسے چاہیے کہ وہ عورتوں کے بالوں کے بارے میں پوچھ لے جیسا کہ آدمی چہرے سے پچھانا جاتا ہے۔ بے شک بال بھی (عورت کا) جزو جمال ہیں اور مزید فرمایا: بہترین عورتیں اچھی خوشبو والی اور اچھے کھانے والی ہیں، وہ اگر خرچ کریں تو نیکی کے کاموں میں کرتی ہیں اور اگر (ہاتھ) روکیں تو اچھائی کے لیے روکتی ہیں۔ پس یہ عورتیں عمال اللہ ہیں اور عامل اللہ کبھی نامراد اور نادام نہیں ہوتا۔

ابا عبد اللہ الصادق (امام جعفرؑ) فرماتے ہیں کہ بہترین عورت وہ ہے کہ اگر وہ خستے میں ہو یا شوہر اُس سے ناراض ہو تو وہ اپنے زوج سے کہے کہ میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں ہے، مجھے مارو یہاں تک کہ نشان پڑ جائے اور آپ مجھ سے راضی ہو جائیں۔

مزید فرمایا: جس عورت میں برکت ہوتی ہے اس کی مشقت کم ہو جاتی ہے اور (اولاد کی) ولادت آسان ہوتی ہے جب کہ عورت بد بخت ہو تو اس کی مشقت بڑھ جاتی ہے اور ولادت میں ٹنگی ہوتی ہے۔

آپؐ سے یہ بھی روایت ہے کہ حیا دس اجزا کا نام ہے جن میں سے نو اجزا

عورتوں میں پائے جاتے ہیں اور ایک مردوں میں۔ پس جب عورت نظریں جھکا لیتی ہے (یعنی کسی کی ہو جاتی ہے) تو ایک بچہ چلا جاتا ہے اور جب نکاح کرتی ہے تو ایک بچہ (حرید) چلا جاتا ہے اور جب وہ ہم بستری کرتی ہے تو ایک جز (اور) زائل ہو جاتا ہے اور جب وہ بچہ بنتی ہے تو ایک بچہ اور بھی ختم ہو جاتا ہے۔ یوں بقیہ پانچ بچہ رہ جاتے ہیں۔ اب اگر وہ گناہ کرتی ہے تو حیا کے یہ پانچوں اجزا زائل ہو جاتے ہیں اور اگر پاک دامن رہتی ہے تو یہ پانچوں اجزا قائم رہتے ہیں۔

داؤد کرخی فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابابعد اللہ سے کہا: میری زوجہ انتقال کر گئی ہیں۔ وہ مجھ سے بہت موافقت رکھتی تھیں۔ اب میں فکرمند ہوں کہ شادی کروں تو شاید کیسی عورت ملے۔ تو حضرت نے فرمایا: تم جہاں بھی شادی کرو، یہ دیکھ لینا کہ وہ تمہارے مال میں شریک ہو اور تمہارے دین پر مطلع ہو، نیز تجھے چھپائے (یعنی تمہارے بھیدوں کو چھپائے) اور تمہاری امانت کی حفاظت کرے اور ضروری ہے کہ تم بھی ایسا ہی کرو، اور منسوب ہوں خیر کے ساتھ اور مائل ہوں اچھے اخلاق کی طرف۔

اور جب حارث کی بیٹی کی اپنے شوہر کے گھر رخصتی ہونے لگی تو میں نے اس کو وصیت کی اے دختر! میں نے تجھے تیرے شوہر کے گھر کی طرف بھیجنے کے لیے اٹھایا ہے تو یہ دس عادات تجھے یاد بھی ہوں اور تیرے لیے ذخیرہ بھی ہوں۔

❶ صحبت قناعت کے ساتھ کرنا۔

❷ زندقہ سن (سمجھ) اور مان کر اچھے طریقے سے گزارنا۔

❸ دیکھنے اور سننے میں ذمہ دار ثابت ہونا، تیری آنکھ بُری کو نہ دیکھے اور تیری ناک کچھ نہ سونکھے سوائے اچھی خوشبو کے۔

❹ شوہر کے گھر اور مال کی حفاظت کرنا، اپنے نفس کی حفاظت کرنا حصہ سے

اور اس کے اعمال کے بارے میں

❖ اس کا راز قاش نہ کرنا۔

❖ کھانے کے وقت ذمہ دار ثابت ہونا۔

❖ سونے کے وقت خاص اہتمام کرنا۔

❖ شوہر کے حکم کی نافرمانی نہ کرنا۔

❖ جب وہ غمگین ہو تو اُس کے سامنے خوش ہونے سے اجتناب کرنا اور جب

وہ خوش ہو تو تم بھی خوش ہونا اور حوصلہ افزائی کرنا۔

❖ اپنے شوہر کے لیے عظمت اور کرامت والی بننا تاکہ اُس کی تیرے ساتھ

موافقت زیادہ ہو جائے اور اس قدر بڑھ جائے کہ اس سے نقل ایسی

موافقت (کبھی) نہ ہو۔

نیک شوہر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک کامل ترین مومن وہ ہے

جس کے اخلاق اچھے ہوں اور تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو عورتوں کے لیے

اچھا ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: بیویوں کے ساتھ محبت انبیاء

کے اخلاق میں سے ہے اور فرمایا: جو آدمی گمان کرے کہ وہ اہل بیت کے طریقہ کی

اتباع کرے تو وہ بیویوں کے ساتھ زیادہ محبت کرے۔

اور فرمایا: آدمی کی جب بھی بیوی سے محبت زیادہ ہوتی ہے تو یہ اس کے

ایمان میں فضیلت کی دلیل ہے۔

آپؐ نے فرمایا: ”جس شخص نے شراب پی کہ اللہ نے اس کو حرام کیا ہے وہ

لکاح کا اہل نہیں ہے، جبکہ اس نے لکاح کا پیغام بھیجا ہو۔

حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ شراب پینے والے سے نکاح کرنے سے بچو، بے شک اس کی زوجہ ایسی ہے گویا کہ تحقیق اس کی طرف زنا ہے اور ابو عبد اللہ فرماتے ہیں کہ نہ نکاح کرے زانی عورت سے، جو کہ ظاہر ہو اور نہ نکاح کرے عورت زانی مرد سے جو کہ ظاہر ہو۔ مگر یہ کہ تم جان لو کہ وہ توبہ کر چکا ہے۔

اور حسین بن بشار سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ابو جعفر کی طرف خط لکھا گیا، جس میں نکاح کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ جو شخص نکاح کا پیغام بھیجے تو تم پر فرض ہے کہ تم اس کا دین اور امانت دیکھو۔ اگر یہ چیزیں پاؤ تو اس کے ساتھ نکاح کرو ورنہ زمین پر بہت بڑا فساد برپا ہو جائے گا۔

اور علی ابن ابی اسباط نے ابو جعفر کی طرف اپنی بیٹیوں کے بارے میں خط لکھا کہ انھوں نے ان کی مثل کسی کو نہیں پایا تو ان کی طرف سے ابو جعفر نے جواب میں لکھا کہ پس تو گمان کرتا ہے کہ جو تو نے ذکر کیا اپنی بیٹیوں کے بارے میں کہ تو نے ان کی مثل کسی کو نہیں پایا۔ پس تیری نظر اس چیز پر نہیں گئی، تجھ پر اللہ رحم کرے۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پس جب تمہارے پاس نکاح کا پیغام آئے اور تم اس کے اخلاق کے بارے میں راضی ہو تو ان کا نکاح کر دو ورنہ زمین پر بہت بڑا فساد برپا ہو جائے گا۔

روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص امام حسن علیہ السلام سے اپنی بیٹی کے نکاح کے بارے میں مشورہ کرنے کے لیے آیا تو آپؑ نے فرمایا: متقی آدمی سے اس کا نکاح کر دو بے شک وہ اس سے محبت کرے گا اور اس کا اکرام کرے گا۔ اگر اس پر غصہ کرے گا تو اس پر ظلم نہیں کرے گا۔ مومن مومن کا کفو ہوتا ہے (برابر)۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے جیسا بشر ہوں۔

میں تمہارے میں سے اور تمہاری عورتوں سے نکاح کرتا ہوں (حالانکہ آپؐ نبی آخر الزماں ہیں) مگر قاطعہ کا نکاح آسمان سے نازل ہوا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولاد علیؑ اور جعفرؑ کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا: میری بیٹیاں میرے بیٹوں کے لیے اور میرے بیٹے میری بیٹیوں کے لیے ہیں اور ابو عبد اللہ الصادقؑ نے فرمایا: مومنین ان کے بعض، بعض کے کفو (برابر) ہیں (یعنی نکاح میں کفو کا لحاظ شریعت میں ایک خاص حیثیت رکھتا ہے)۔

مزید ارشاد فرمایا: کفو، یہ پاک دائمی اور اس کے بائیں جانب ہوتا ہے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے زید بن حارثہؓ کا نکاح زہب بنت جحش کے ساتھ کیا اور میں نے مقداد ضباصہ بنت زہیر بن عبد المطلب کا نکاح کیا تاکہ تم جان لو کہ بہترین شرف صرف اسلام ہے۔

اور ابو عبد اللہ صادقؑ سے روایت ہے کہ فرمایا: جب آدمی عورت سے مال کے لیے اور اس کے جمال کے لیے نکاح کرتا ہے تو اس کو رزق (اور جمال) نہیں دیا جاتا، لیکن جب وہ عورت سے اس کی دین کی وجہ سے نکاح کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو رزق عطا کرتے ہیں اور اس کو مال اور جمال عطا کرتے ہیں اور حضرت علیؑ بن حسینؑ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اللہ کے لیے نکاح کیا اور اس کے لیے صلہ رحم کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو ملک کا تاج پہنائیں گے۔ ابو عبد اللہ صادقؑ سے روایت ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا: افضل شفاعتوں میں سے وہ شفاعت ہے جو دو نکاح کرنے والوں میں کی جائے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جمع فرمادیں۔

ابو الحسنؑ نے فرمایا: ایک آدمی ابو جعفرؑ کے پاس آیا اور آپؑ کہنے لگے اس آدمی کو کہ حیری بیوی ہے۔ اس شخص نے کہا: نہیں۔ ابو جعفرؑ نے فرمایا: میں جو کچھ دنیا

اور اس میں اپنے لیے پسند نہیں کرتا کہ اس کے بدلے میں کہ میری ایک رات گزرے اور میرے ساتھ میری بیوی نہ ہو۔

اور فرمایا: شادی شدہ کا دو رکعتیں پڑھنا زیادہ افضل ہے اس سے کہ غیر شادی شدہ آدمی اس کی رات قیام میں گزرے اور اس کا دن روزہ سے گزرے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ ایک عورت نے ابو جعفرؑ سے سوال کیا اور کہا: میں غیر شادی شدہ ہوں۔ انھوں نے اس عورت سے کہا: کیا تو شادی سے بے رغبت ہے؟ اس عورت نے جواباً کہا کہ میں کبھی بھی شادی کا ارادہ نہیں رکھتی۔ آپؑ نے فرمایا: کس وجہ سے؟ اُس نے کہا: میں اس کے ذریعے فضیلت حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ آپؑ نے فرمایا: مجھے پھر دو کہ اگر اس میں فضیلت ہوتی تو فاطمہؑ تجھ سے زیادہ حق دار تھیں۔ اس میں تو کوئی سبقت نہیں لے جاسکتا ان سے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنے بھائی کا مؤمن عورت سے نکاح کیا اور اس کے ساتھ تعلق رکھا اور اس کی مدد کی اور ان کی فکر کی تو اللہ تعالیٰ اس کا حور عین کے ساتھ نکاح فرمائیں گے۔

اور فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ سے چاہتا ہے کہ اس حال میں ملاقات کرے کہ وہ پاک صاف ہو تو چاہیے کہ نیک بیوی سے شادی کرے۔ اور فرمایا: عورتوں سے نکاح کرو بے شک یہ مال کے ساتھ آتی ہیں۔

اور فرمایا: جو شخص نکاح کی طاقت رکھنے کے باوجود نکاح نہیں کرتا تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اور فرمایا: رزق کو نکاح کے ذریعے حاصل کرو اور فرمایا: تمھارے بدترین مرد غیر شادی شدہ مرد ہیں۔

ابو عبد اللہ الصادقؑ نے فرمایا: عورتوں کی اچھائی کی وجہ سے کثرت کرو اور آپؑ ہی سے روایت ہے، فرمایا: نکاح کرو اور طلاق نہ دو بے شک طلاق عرش کو بھی ہلا

دیتی ہے۔

زوجان کفوان

کتاب الوافی میں ابو حمزہ ثمالی سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے پاس تھا کہ جب ایک شخص آپ کے پاس آیا تو امام نے ان کو خوش آمدید کہا اور ان کا حال پوچھا تو اس شخص نے آپ سے فرمایا: اے رسول کے بیٹے! میں نے نکاح کا پیغام بھیجا، فلاں آدمی کو جو کہ ایک امیر ہے تو اس نے مجھے انکار کر دیا ہے اور مجھ سے اعراض کیا ہے اور میری غربت اور فقر کو دیکھ کر میری حقیر بھی کی ہے۔ اس کے بعد جو اس نے میرے ساتھ سلوک کیا ہے میں تو اس وجہ سے موت کی تمنا کرنے لگا ہوں۔

امام علیہ السلام نے ان سے فرمایا: تو اس بات سے مت پریشان ہو تو میرا قاصد ہے اور تم منج بن رماح کی طرف جاؤ اور اس سے کہو کہ محمد بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب نے تمہارے لیے کہا ہے کہ اپنی بیٹی کا نکاح تمہارے ساتھ کر دے اور مجھے ٹھکرانا نہیں ہے۔ اور پھر وہ شخص جلدی سے کھڑا ہوا اور منج بن رماح کے گھر کی طرف متوجہ ہوا تا کہ امام محمد باقر علیہ السلام کا پیغام (اس کی شادی کا) سے پہنچا دے۔

ابو حمزہ کہتے ہیں: امام محمد باقر علیہ السلام ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ یہ آدمی یمامہ سے آیا ہے اور اس کا نام جوہیر ہے اور یہ اسلام قبول کرنے کے ارادے سے آپ کے پاس آیا اور اسلام قبول کیا اور اچھا اسلام قبول کیا اور یہ آدمی بہت جموٹا آدمی تھا اور قابلِ خدمت تھا، محتاجی کی حالت پر تھا اور کالا اور بد صورت تھا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی کفالت کی اور اس کی رعایت میں کھڑے ہو گئے اور وہ مسجد کا ملازم رہا۔ یہاں تک مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی اور

ملازمین مسجد کے بارے میں وحی نازل ہوئی کہ یہ مسجد کو خالی کر دیں اور اس کو چھوڑ دیں۔ مسجد کے کھلے دروازوں کو بند کر دیا گیا مگر علیؑ اور قاطمہؓ کے دروازے کو چھوڑ دیا گیا۔ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی کیا جو کہ ان کو وحی کیا گیا تھا اور دروازے بند ہو گئے اور جو مسجد کے ملازم تھے ان کو نکل جانے کا حکم دے دیا گیا۔ مگر یہ کہ ان کو اس میں سونے کی اجازت دے دی گئی۔ حضورؐ نے مسجد سے باہر ان کے لیے چبوترہ بنوایا اس کا نام مقلہ رکھا۔ حضورؐ ان کی رعایت میں کھڑے ہو جاتے تھے اور ان کے احوال معلوم کرتے تھے اور ان کی کفالت بھی فرماتے تھے اور اپنے احوال بیان معلوم کرنے کے لیے صبح و شام ملتے رہتے۔ اور مسلمان اس طرح کا معاملہ اچھا محسوس کرتے تھے۔

اور ایک مرتبہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ہیر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا تو اس چیز کو پسند کرتا ہے کہ تیری شادی ایسی عورت سے ہو جو تیری شرم گاہ کی حفاظت کرے اور دنیا و آخرت میں تیری مددگار ہو؟

جوہیر نے حسرت، خوشی اور نا اُمیدی سے جواب دیا کہ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، کون میرے ساتھ رغبت رکھے گا نہ میرا حسب نسب اُونچا ہے اور نہ میرے پاس مال ہے نہ ہی جمال۔ پس کون سی عورت میرے ساتھ نکاح میں رغبت رکھے گی تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے جوہیر! بے شک اللہ تعالیٰ نے فوقیت دی ہے اسلام کے ساتھ جو کہ زمانہ جاہلیت میں شریف تھا اور بلند کیا ہے اسلام نے جو کہ زمانہ جاہلیت میں فوقیت پر تھا اور اسلام نے آباؤ اجداد اور قبائل کے تفاخر کو ختم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے:

إِنْ أَكْرَمَكُمْ جِنَّدَ اللّٰهُ أَتَقَكُم

”تم میں سے عزت والا (اللہ کے نزدیک) وہ ہے جو زیادہ تقویٰ والا ہے۔“

پھر فرمایا: بے شک لوگ آج کے دن تمام کے تمام، گورے، کالے، قرشی، بھٹی، عربی اور عجمی آدم کی اولاد ہیں۔ اور آدم کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اللہ کے نزدیک پسندیدہ ترین آدمی وہ ہوگا جو اس کا فرماں بردار اور متقی ہوگا اور جو میر میں مسلمانوں میں سے تم سے زیادہ افضل کسی کو نہیں دیکھتا مگر یہ کہ وہ تیرے سے زیادہ تقویٰ اور اطاعت میں آگے بڑھا ہوا ہو۔

پھر فرمایا: اے جوہر زیاد بن لبید کے پاس جاؤ وہ بنو پیاضہ میں بہت زیادہ حسب والے تھے ان سے کہو: میں رسول کی طرف سے بھیجا گیا ہوں تاکہ میں تجھے ان کا قول پہنچا دوں کہ اپنی بیٹی دلفاء کا نکاح میرے ساتھ کر دے۔

جوہر وہاں سے جلدی سے چل دیے، زیاد کے پاس پہنچے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ اس وقت ان کی قوم کے لوگ ان کے پاس بیٹھے تھے تو آپ اندر آئے اور سلام دعا کے بعد کہا کہ میں ایک ضرورت کے لیے رسول پاک کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔ کیا میں تجھے علانیہ تلاؤں یا خفیہ طور پر تلاؤں؟ زیاد نے کہا: علانیہ تلاؤ۔ یہ میرے لیے شرف و فخر کی بات ہوگی۔ تو جوہر نے کہا: مجھے رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ میں تجھ سے کہوں کہ اپنی بیٹی دلفاء کا نکاح میرے ساتھ کر دو۔

یہ بات زیاد پر ناگوار گزری کیوں کہ جاہلیت کے برخلاف تھی اور خلافت عادت تھی۔ زیاد نے تعجب کے ساتھ کہا: کیا یہ سچ ہے کہ رسول اللہ نے تمہیں اس پیغام کے ساتھ بھیجا ہے۔ تو جوہر نے بلا تردد اور بلا تامل جواب دیا: ہاں، میں نے رسول اللہ کی طرف جھوٹ (ہرگز) نہیں بولا۔

زیاد نے کہا: ہم اپنی بیٹیوں کا نکاح انصار کے درمیان برابری کے بغیر نہیں

کرتے۔ پس تم لوٹ جاؤ میں رسول پاکؐ کی خدمت میں (خود) حاضر ہو جاؤں گا۔ یہ کہتے ہوئے جوہر لوٹ گئے کہ اللہ کی قسم یہ حکم قرآن اور سیرتِ مصطفیٰؐ نہیں ہے۔ ان کے اس کلام کو دلفاء نے سُن لیا۔ وہ ادھر موجود تھیں۔ انھوں نے پیغام بھجوا کر اپنے باپ کو بلوایا اور جب وہ آگئے تو پوچھا: ابا جان! جوہر کا کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے سارا قصہ سنایا اور کہا کہ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ ان کی بیٹی نے کہا: جوہر جھوٹ نہیں بول رہے تھے، ان کو بلوایئے۔

جب جوہر آگئے تو فرمایا: مرحبا! میں تمہارے پیغام سے مطمئن ہوں۔ پھر زیاد رسولؐ پاک کے پاس آئے اور سلام کے بعد عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، جوہر میرے پاس آئے اور مجھے پیغام دیا لیکن میں دلی طور پر مطمئن نہیں ہوں اور میں نے مہلت مانگی یہاں تک کہ میں آپؐ کی جناب میں حاضر ہوا ہوں۔ میرا یہ کہنا ہے کہ ہم لوگ انصار کے درمیان بغیر کفو کے شادی نہیں کرتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے زیاد! بے شک جوہر مومن ہے اور مومن مومن کا کفو ہوتا ہے اور مسلم مسلم کا کفو ہوتا ہے۔ اے زیاد اس کے ساتھ نکاح کرو اور اعراض مت کرو۔

پھر زیاد واپس لوٹے اور دلفاء کو سارا قصہ سنایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیر بحث آیا۔ دلفاء نے اپنے باپ سے کہا: تم رسول پاکؐ کی مخالفت سے بچو، نہیں تو تم کافر ہو جاؤ گے۔

جب زیاد نے اپنی بیٹی کے موقف کو سنا تو باہر نکلے اور جوہر کا ہاتھ لیا اور اپنی قوم کے پاس گئے اور رسول اللہ کے دین اور ان کی سنت کے مطابق اپنی بیٹی کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا اور مہر بھی مقرر کر دیا گیا۔ پھر اس کے لیے شادی کا سامان

و غیرہ تیار کیا اور جو بیر رہنے کے لیے ایک مکان ہبہ کر دیا اور اچھا لباس پہنایا اور رخصتی کر دی۔ جب جو بیر نے اللہ کے اس انعام کو بیوی اور گھر کو دیکھا تو انھوں نے تین دن تین رات تک اللہ کی عبادت کی اور اپنی بیوی تک کو نہ چھوا۔

پس جب عورتوں کو اس کے کنارہ کش ہونے کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے دلقاء کے باپ کو بتایا اور باپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی۔ جو بیر نے کہا: میں اس انعام پر ارادہ رکھتا ہوں جو اللہ نے مجھ پر کیا، بغیر اس کے کہ اپنی بیوی کو راضی کروں، اور آج رات ان شاء اللہ اس کو بھی راضی کر دوں گا۔ پھر اسی طرح کیا مگر جو بیر (جلد ہی) غزوات میں سے ایک غزوہ میں شہید ہو گئے۔

زوجین کا حق

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہے اور میں تم میں سے اپنے گھر والوں کے لیے زیادہ بہترین ہوں۔

آپؐ نے فرمایا: اپنے عیال پر محنت کرنے والا ایسا ہے گویا مجاہد اللہ کی راہ میں ہو۔ اور تفسیر ابوالفتح میں میمونہؓ سے نقل کیا گیا ہے، جو اُم المؤمنینؓ ہیں، وہ روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

میری اُمت کے بہترین مرد وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لیے بہتر ہیں اور میری اُمت کی بہترین عورتیں وہ ہیں جو اپنے شوہروں کے لیے بہتر ہیں۔ روایت میں آتا ہے کہ ایک آدمی رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے کہا کہ میری بیوی جب میرے پاس آتی ہے تو مجھ سے ملاقات کرتی ہے اور جب جاتی ہے تو رخصت چاہتی ہے اور جب مجھے فکر مند دیکھتی ہے تو کہتی ہے تم فکر مند کیوں ہو؟ اگر تو فکر مند ہے رزق کے لیے وہ تو کھسا جا چکا ہے۔ اور اگر تم

فکر مند ہو آخرت کی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ تیری آخرت کی فکر کو اور زیادہ بڑھا دے تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تجھے جنت کی خوش خبری ہے اور تو اس کو بیوی کہہ دے تو عاملہ ہے اللہ کے اعمال میں سے ہے اور تیرے لیے ہر دن کا اجر ستر شہیدوں جتنا ہے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب عورت پانچ نمازیں پڑھتی ہے اور ایک مہینہ یعنی رمضان کے روزے رکھتی ہے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرتی ہے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرتی ہے پس وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو عورت اپنے مرد کی حج میں مدد کرتی ہے اور جہاد میں یا طلب علم میں مدد کرتی ہے تو اللہ رب العزت اس کو وہ ثواب عطا فرماتے ہیں جو اللہ نے حضرت ایوبؑ کی بیوی کو عطا کیا تھا اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو عورت اپنے مرد سے نفقہ اور کلفت طلب کرتی ہے، جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا، تو اللہ تعالیٰ اس کا خرچ کرنا اور اس کا عدل کرنا قبول نہیں کرتا مگر یہ کہ وہ توجہ کرے اور رجوع کرے اور اس کی طاقت کے مطابق طلب کرے۔

خاندانی تعلیم

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنی بیوی کے بدترین اخلاق پر صبر کیا، اللہ تعالیٰ اُسے وہ اجر عطا کرے گا جو اُس نے حضرت ایوب علیہ السلام کی مصیبت پر انھیں عطا کیا تھا اور جس بیوی نے اپنے شوہر کے بدترین اخلاق پر صبر کیا اللہ تعالیٰ اُسے آسیدہ بنت حزام کا سا ثواب عطا فرمائے گا۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو عورت اپنے خاندان کو اپنی

زبان کے ساتھ اذیت پہنچائے تو اللہ تعالیٰ اُس کے (اپنی راہ میں) خرچ کرنے، عدل کرنے اور اعمال صالح کو قبول نہیں فرماتا۔ اگرچہ وہ عورت دن کو روزہ رکھے اور رات کو قیام کرے اور غلاموں کو آزاد کرے، نیز اللہ کی راہ میں گھوڑوں کی لگا میں اٹھائے، یہاں تک کہ شوہر اس سے راضی ہو جائے۔ پس خاوند کو اذیت دینے کے باعث وہ سب سے پہلے آگ میں جائے گی۔ اسی طرح اُس آدمی کا معاملہ ہے جو عورت پر ظلم کرے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو عورت اپنے خاوند کو نفع نہ پہنچائے اور جس پر وہ قادر نہیں اسے اٹھائے (کہ جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا) تو اس کی کوئی نیکی قبول نہیں ہوگی اور وہ اللہ سے اس حال میں ملے گی کہ اس پر دو ٹمٹے ہوں گے۔

رسول پاکؐ نے فرمایا: آدمی کا حق عورت پر یہ ہے کہ اس کے لیے چراغ روشن کرے اور اچھا کھانا تیار کرے اور دروازے کے پاس (آکر) اس کا استقبال کرے اور خوش آمدید کہے اور اس کے سامنے طشت و درمال (تولیا) پیش کرے اور اگر وہ وضو کرے تو اُسے بلاوجہ منع نہ کرے نیز رسولِ معظمؐ نے روایت ہے کہ عورت اللہ عزوجل کا حق ادا نہیں کر پاتی جب تک کہ وہ اپنے زوج کا حق ادا نہ کرے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے (اس سلسلے میں) فرمایا: اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے ساتھ رہے اور اس کا شوہر اس سے اپنے کسی حق کی وجہ سے ناراض ہو تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی، یہاں تک کہ اس کا خاوند اس سے راضی ہو جائے۔

آپؐ ہی سے روایت ہے کہ جس عورت نے اپنے خاوند سے کہا: میں نے تمہارے ساتھ رہ کر کوئی بھلائی نہیں دیکھی تو اس کے اعمال ضائع ہو گئے اور امام

جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جس نے اپنی عورت سے احتفال کیا۔ اگرچہ ایک کلمہ ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اسے آگ سے نجات دے گا اور اُس پر جنت واجب کر دے گا اور اس کے لیے دو صد ہزار (دو لاکھ) نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور اسے ہی گناہ مٹا دیے جاتے ہیں اور اللہ رب العزت اس کے ہر ہال کے بدلے ایک سال کی عبادت لکھ دیتے ہیں۔

نیز رسول اللہ نے فرمایا: جو بھی حلال رزق کمائے اور پھر اپنے گھر والوں پر خرچ کرے اللہ رب العزت اس کے ہر درہم کے بدلے، جو اس نے اپنے گھر والوں پر خرچ کیا ہے، سات سو کا دو گنا (چودہ سو گنا) عطا فرماتا ہے۔

رسول پاک نے فرمایا: میری امت سے بہترین مرد وہ ہے جو اپنے گھر والوں پر زیادتی نہ کرے اور اُن پر ظلم نہ کرے اور ان پر مہربان ہو۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

الزَّيَالُ قَوْمُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضُهُمْ عَلَى
بَعْضٍ (سورۃ النساء، آیہ ۳۴)

”مردوں کو عورتوں پر سردار بنایا گیا ہے اس وجہ سے بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔“

حقوق زوجیت میں تقابل

بہت سے علمائے اخلاق نے حقوق زوجین کے بارے میں اپنی کتب میں یہ بیان کیا ہے کہ زوج پر اپنی بیوی کے سترہ حقوق ہیں اور بیوی کے اپنے خاوند پر تیس حقوق ہیں اور یہ مصومین سے مروی مستند روایات سے ثابت ہیں کہ جو اجتماعیت الاسلام اور حقوق الاجتماعیہ متقابلہ میں مذکور ہیں۔

آپ نے فرمایا: آدمی کا عیال اُس کا خاوندان ہے اور اللہ کے نزدیک

بندوں میں سے پسندیدہ وہ ہے جو اپنے خاندان کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ آپؐ نے فرمایا: عورت ایک کھیل ہے جو شخص اس کو پکڑ لے اُسے چاہیے کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

نیز فرمایا: اس عورت کے لیے ہلاکت ہے کہ جو اپنے شوہر پر حصہ کرے اور اس عورت کے لیے خوش خبری ہے کہ جس کا خاوند اس سے راضی ہو۔ آپؐ نے مزید فرمایا: آدمی کا یہ قول اپنی بیوی کے لیے کہ میں حیرے ساتھ محبت کرتا ہوں اس عورت کے دل سے کبھی نہیں نکلتا۔

حضورؐ نے فرمایا: خبردار! اللہ اور اس کا رسولؐ اس شخص سے بُری ہیں جو اپنی عورت پر سوکن ڈالے اور عورت اس شوہر سے خلع لے لے۔ آپؐ نے فرمایا: میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں جو اپنی بیوی کو مارتا ہے، حالانکہ وہ اس مار کا زیادہ حق دار ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: اپنے عیال کی خدمت نہیں کرتا مگر صدیق یا شہید یا وہ آدمی جو اللہ سے دُنيا و آخرت میں بھلائی چاہتا ہے نیز فرمایا: آدمی کا اپنے عیال کے بیٹھنا اللہ کے نزدیک اتنا پسندیدہ ہے کہ جیسے کوئی شخص مسجد میں احکاف کرے۔ اور آپؐ نے فرمایا: بے شک آدمی ضرور اجر پاتا ہے اپنی بیوی کے منہ کی طرف اٹھائے ہوئے لقمہ کا۔

مزید فرمایا: جو شخص بازار میں داخل ہوا اور اس نے تحفہ خریدا اور اپنے عیال کی طرف لے گیا تو وہ ایسے ہے جیسے صدقہ بردار جو قوم کی طرف صدقہ لے جا رہا ہو۔ اسے چاہیے کہ عورتوں کو مردوں سے پہلے دے۔

حضورؐ نے فرمایا: اے علیؓ! عیال کی خدمت کبیرہ گناہوں کا کفارہ ہے اور اللہ کے غضب کو (یہ عمل) شُخْطاً کرتا ہے اور حورِ عین کا مہر ہے اور نیکیوں اور درجات کو بڑھانے والی چیز ہے۔

عورتوں کے لیے اجر کی خوش خبری

حضورؐ نے فرمایا جیسا کہ ابوالفتح الرازی کی تفسیر میں بھی ہے کہ جب عورت حاملہ ہوتی ہے، اس کے لیے ہر دن اور ہر رات ہزار شہیدوں کا اجر ہے کہ جو راہِ خدا میں حق پر قتل کر دیے گئے ہوں، صابر و محسب، اور اللہ تعالیٰ جنت میں اُن کو عورتوں پر ایسی فضیلت دے گا جیسی میں تم پر میں فضیلت رکھتا ہوں اور اولیٰ ہوں۔

فرمایا: میری اُمت میں سے خیر النساء (بہترین عورت) وہ ہے جس نے اپنے شوہر کو راضی کرنے کی کوشش کی اور اس کے ارادے کو قبول کیا اور یہ کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے شرک ہو اور بہترین مرد میری اُمت میں سے وہ ہیں جو اپنی ازواج کے ساتھ رفتی و مہربان ہوں اور ان کے ساتھ نہایت محبت و شفقت کے ساتھ زندگی گزاریں۔ جیسا کہ ماں اپنے بچوں پر مہربان ہوتی ہے اور مہر و محبت کا معاملہ کرتی ہے اور ہر مرد کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے جو راہِ خدا میں حق پر اور صبر کرتے ہوئے شہید ہوئے ہوں۔

عمر بن خطابؓ نے کہا کہ کیسے آدی کے لیے سو شہیدوں اور کیسی عورت کے لیے ہزار شہیدوں کا ثواب ہے؟

آپؐ نے فرمایا: عورتوں کا اجر مردوں کے اجر سے کئی گنا زیادہ ہے۔ نیز عورتوں کا ثواب اللہ کے نزدیک عظیم اور مکمل ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ عورت کی رضا کے ساتھ اس کے زوج کو بلند کرتے ہیں اور اس کے حق میں عورت کی دُعا قبول ہوتی ہے نیز درجات بلند ہوتے ہیں۔

رسول اللہؐ نے پھر فرمایا: تم جانتے ہو کہ شرک کے بعد انسان پر وبال اور بڑا

گناہ یہ ہے کہ عورت حسیاں پر ہو اور اس کا زوج اس کی مخالفت کرے؟

مزید فرمایا: ضعیف لوگوں نیز عورتوں اور یتیموں کے بارے میں اللہ سے

ڈرو۔ بے شک تمہیں ان کے بارے میں سوال نہیں کیا جاسکتا۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جو ان کے ساتھ اچھا رہا اُس نے رحمت خداوندی اور رضائے ایزدی کو پالیا۔ لیکن اگر ان کے ساتھ بدائی کی تو اللہ کا غصہ اس پر واجب ہوگا۔ آگاہ ہو جاؤ مرد پر اُس کی عورت کا حق ایسا ہے جیسا کہ میرا تم پر اور جس نے میرے حق کو ضائع کیا گو یا وہ اس طرح ہے کہ اس نے اللہ کے حق کو ضائع کیا اور جس نے اللہ کے حق کو ضائع کیا تو اللہ تعالیٰ کا غصہ اس کے ساتھ خاص ہوگا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ نہایت ہی بُری جگہ ہے۔

عورت کا زینت اختیار کرنا اور معطر ہونا

آپؐ نے فرمایا: جب عورت اپنے گھر کے دروازے سے اس حال میں نکلے کہ وہ زینت اختیار کیے ہوئے ہو اور خوش بو لگائے ہوئے ہو تو اس کے خاوند کے لیے اس کے ہر قدم کے بدلے جنت میں گم تیار کیا جاتا ہے۔

اور آپؐ سے ایسی روایت بھی ہے کہ جس میں خاوند کے علاوہ زینت اختیار کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، اگر ایسا کر دگی تو اللہ اس بات کا حق رکھتا ہے کہ تم کو آگ میں ڈال دے۔

اور آپؐ نے فرمایا: جو عورت حرم ہو کر گھر سے نکلے تو اس پر لعنت کی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ گمراہیں نہ پہنچ جائے اور آپؐ نے فرمایا: اللہ رب العزت اس عورت پر سخت ناراض ہوتا ہے۔ جو شادی شدہ ہو اور اس کی آنکھیں غیر مرد کی طرف بائل ہوں یا ذی محرم کی طرف (اُنھیں)۔ اگر اس نے ایسا کیا تو اللہ عز و جل اس کے سارے اعمال جہاں کر دیں گے۔

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو عورت غیر مرد کے لیے تیار ہو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ غسل کرے۔

عورت اللہ کی طرف سے نعمت ہے

حضرت امام علی بن حسینؑ سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: عورت کا حق ہے کہ شوہر جانے کہ اللہ نے اُسے اس کے لیے سکونت و انس کے لیے بنایا ہے۔ پس وہ جانے کہ اللہ کی طرف سے یہ نعمت ہے، لہذا زوجہ کی تعظیم و تکریم کرے، تمھارا حق اس پر ہے اور یہ تمھارے لیے ہے کہ تم اس پر رحم کرو۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے، آپؑ فرماتے ہیں کہ اللہ کا رحم ہے اس بندے پر جو اپنی بیوی کے ساتھ احسان کرے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جس نے اپنے اہل کے ساتھ اچھائی کی اللہ اس کی عمر کو بڑھا دے گا۔

اور آپؑ نے فرمایا: ملعون ہے وہ عورت جو اپنے شوہر کو اذیت دے اور غم زدہ کرے اور خوش بخت ہے وہ عورت جو اپنے شوہر کا اکرام کرے اور اسے ایذا نہ پہنچائے اور تمام اموال میں اس کی اطاعت کرے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہی سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اُم سلمہؓ نے حضورؐ سے ایسی عورتوں کی فضیلت کے بارے میں سوال کیا کہ جو اپنے شوہروں کی خدمت کرتی ہیں، یعنی اُن کی فضیلت کس قدر ہے؟

حضورؐ نے فرمایا: جو عورت بھی اپنے شوہر کے گھر میں کسی شے کو ٹھیک کرنے کے لیے اُٹھاتی ہے، اللہ تعالیٰ اُس پر خوش ہوتے ہیں اور جس سے اللہ خوش ہو جائے اُسے عذاب نہیں دیتا۔

آپؑ سے روایت ہے کہ جو عورت سات دن تک اپنے شوہر کی خدمت کرے تو اللہ اس کے لیے جہنم کے سات دروازے بند کر دیتا ہے اور اس کے لیے جنت کے آٹھ دروازے کھول دیتا ہے کہ جس دروازے سے چاہے وہ داخل جنت ہو جائے۔

اور آپ ہی سے روایت ہے کہ جو عورت اپنے شوہر کو پانی پلائے تو یہ اس کے لیے ایک سال کی عبادت سے افضل ہے اور مزید روایت ہے کہ زوج (شوہر) تین چیزوں سے بے پروا نہیں ہوتا، جو اس کے اور اس کی زوجہ کے درمیان ہیں اور وہ یہ ہیں کہ عورت کے ساتھ موافقت، محبت اور خواہش رکھے، اس کے ساتھ اچھے اخلاق کو اپنائے اور اس کے لیے وسعت و کشائش (کا اہتمام) کرے اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: عورت کا جہاد حسن جبل (اخلاق) ہے۔

آدابِ زواج

اسلام میں شوہروں کے لیے بہت سے آداب ہیں اور اس بارے میں معصومینؑ سے بہت سی روایات منقول ہیں۔ ان میں حیاتِ انسانی کے آداب و سنن موجود ہیں۔ میں نے اس موضوع مفید پر کتاب مرتب کی ہے۔ اس کے اندر یہ آداب جمع کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب ۱۳۳۸ ہجری قمری میں طبع ہوئی اور آداب و سنن پر بحث سے معمور ہے۔

راوندی سے ان کے نوادرات میں سے روایت ہے کہ امام امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: جو کوئی تم میں سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ وہ دو رکعت نماز پڑھے، جس میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ یس پڑھے۔ پھر جب نماز سے فارغ ہو جائے تو اللہ کی حمد و ثناء کرے اور یہ کہے کہ اے اللہ! مجھے صالحہ زوجہ عطا فرما، جو محبت کرنے والی ہو، زیادہ بچے جننے والی ہو۔ شکر کرنے والی ہو، قناعت کرنے والی ہو، غیرت والی ہو۔ اگر خوش حالی ہو تو شکر کرے اور اگر تنگ دستی ہو تو مغفرت کرے اور اللہ کو یاد کرے اور اگر میں اللہ کو یاد کروں تو میری مدد کرے اور اگر بھول جاؤں تو یاد دلائے۔ اگر میں باہر جاؤں تو (میرے بعد) حفاظت کرے

اور اگر میں (گھر) آ جاؤں تو (اپنے خُسنِ سلوک) سے خوش کر دے۔ اگر میں حکم کروں تو قہیل کرے، اگر میں قسم دوں تو میری قسم سے بری ہو جائے۔ اگر میں غصہ کروں تو مجھ سے راضی ہو جائے۔ اے ذوالجلال والا کرام! میں نے اپنا معاملہ تیرے سپرد کر دیا ہے۔ پھر فرمایا: جس شخص نے یہ کیا اللہ نے اسے وہ کچھ عطا کیا جو اُس نے طلب کیا۔

حضرت ابو جعفرؑ سے روایت ہے کہ آپؑ نے ابو بصیرؓ سے سوال کیا کہ جب کوئی نکاح کا ارادہ رکھے تو کیا کرے۔ ابو بصیرؓ نے کہا: میں نہیں جانتا۔ آپؑ نے فرمایا: جب کوئی نکاح کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیے کہ دو رکعت نماز پڑھے اور اللہ کی حمد کرے اور یہ کہے کہ اے اللہ! میں نے نکاح کا ارادہ کیا ہے۔ اے اللہ! (میری مطلوبہ) عورت کو میرے لیے اچھے اخلاق والا بنا دے اور اس کی فرج کو پاکیزہ بنا اور اس کی حفاظت فرما۔ میرے جان و مال اور رزق میں وسعت عطا فرما اور برکت کو زیادہ فرما اور میرے لیے اچھی اولاد کا فیصلہ فرما اور ان کو میری زندگی میں اور موت کے بعد صالح بنا دے۔

ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: رسول اللہؐ نے علی بن ابی طالبؓ کو وصیت فرمائی اور فرمایا: اے علی! جب تم تجلہ عروسی میں داخل ہو تو اپنے جوتوں کو اتار دو اور بیٹھنے سے پہلے پاؤں دھو لو اور اپنے گھر کے دروازے کے آخری حصہ تک پانی پہنچا لو۔ پس جب تم یہ کر لو تو اللہ تعالیٰ تمہارے گھر سے ستر ہزار ”لون“ فخر کے لکال دیتا ہے اور ستر لون برکت کے آ جاتے ہیں اور دلھن سے ملنے پر تم پر ستر رحمتیں نازل ہوں گی یہاں تک کہ تم اپنے گھر کو ہر زاویہ سے بابرکت پاؤ گے اور دلھن جنوں و جذام و برص سے محفوظ رہتی ہے (جو اسے اس گھر میں لائق ہو سکتے تھے) اس کے بعد بھی روایت موجود ہے.....

اس حدیث کے مضامین کو زبردست مطالعہ اور باریک بینی کے بعد ذکر کیا گیا ہے اور ان کی آپس میں تطبیق کی صورت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

آداب زفاف

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ اپنی دلہن کی رخصتی رات کے وقت کرو اور کھانا صبح کھاؤ۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: اے علیؓ! پانچ چیزوں کے علاوہ دعوتِ ولیمہ نہیں ہے۔ عرس میں ہے یا خرس میں ہے، اعذار میں ہے یا دکار میں ہے یا پھر رکاز میں۔

① عرس: شادی میں

② عرس: بچے کی پیدائش کے بعد نفاس میں

③ اعذار: ختنے کے بعد

④ دکار: گھر کے خریدنے پر اور

⑤ رکاز: جب کسی شخص کو مکہ کی زیارت (حج و عمرہ) کا شرف حاصل ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہی سے روایت ہے کہ آپؐ نے بعض دوستوں سے فرمایا: جب تم اپنے اہل (بیوی) کے پاس داخل ہو تو اپنی زوجہ کی پیشانی کے بالوں پر ہاتھ رکھ کر اسے قبلہ رُو کرو۔ اے اللہ! میں نے تیری کتاب (کے احکام) پر شادی کی اور اسے تیری امانت سمجھ کر لیا اور تیرے کلمات کے ساتھ اس کی فرج مجھ پر حلال ہوئی۔ اگر تیرا فیصلہ مجھے اولاد دینے کا ہے تو اسے میرے لیے مبارک بنا دے اور شیطان کے ختنے اور شراکت سے محفوظ فرما۔

کتاب الحجۃ میں آئمہ کرامؑ سے مروی ہے کہ جب رخصتی قریب ہو تو مستحب ہے کہ تم دو رکعت نماز پڑھو اور جب بیوی کے پاس جاؤ تو با وضو ہو کر جاؤ اور

بھروہ بھی تمھاری طرح دو رکعت (مستحب) نماز پڑھے۔ اللہ کی حمد و ثنا کرے اور رسول اکرمؐ اور آپ کی آلؑ پر درود بھیجے اور پھر کہے: اے اللہ! مجھے محبت و اُلفت عطا فرما۔ میری رضا اس کے لیے ہو اور اس کی رضا میرے لیے ہو۔ اے اللہ! ہم کو احسن طریقے سے جمع کر دے اور زندگی آسان کر دے اور بے شک تو حلال کو پسند کرتا ہے اور حرام کو ناپسند کرتا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب تم مباشرت کا ارادہ کرو تو کہو: اے اللہ! مجھے لڑکا عطا کر، اس کو پاک صاف بنا اور اس کی خلقت میں کمی نہ کرنا، نہ زیادتی کرنا اور ان کی عاقبت اچھی بنانا نیز جب جماع کرو تو اللہ کا نام لے لینا۔

یہاں موجود جگہ پر مباشرت کے آداب ہیں اور وقت اور مکان اور حالتِ نفس کا بیان ہے۔ بچے کی سعادت و خوش بختی اور بد بختی پر اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس پر بہت ساری احادیث مبارکہ پائی جاتی ہیں۔

نیز نرۂ باتوں سے اجتناب ضروری ہے جیسا کہ وارد ہے، مثلاً: اگر نطفہ سورج کی روشنی میں گر جائے یا روشنی میں مباشرت کر لی جائے تو اس سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ فقیری کی زندگی گزارتا ہے اور اس طرح جو عورت کے ساتھ بلا وضع مباشرت کرتا ہے تو اس سے پیدا ہونے والا بچہ بخیل ہوتا ہے اور دل کے اعتبار سے اندھا ہوتا ہے اور اس طرح انسان اہل ہو جاتا ہے ایسی چیزوں کے مطالعہ کا اور اس کی ازدواجی زندگی مکمل طور پر ٹھیک ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی ازدواجی زندگی میں کامیاب ہو جاتا ہے اور اس کی نسل بھی پاک ہو جاتی ہے اور نیک و صالح اولاد بنتی ہے اور اچھی اولاد انسان کے لیے اچھا ذخیرہ ہے اور اس کے لیے باعثِ ثواب ہوتی ہے جیسا کہ امام امیر المومنینؑ کی اولاد اور یہودیاں ان کے لیے سعادت کا باعث بنیں بالخصوص ابو الفضل العباسؑ (اور ان کی والدہ ماجدہ)۔

مبارک خاندان

حضرت ابو الفضل العباسؑ کا امتیاز یہ بھی ہے کہ دوسرے نبیوں کے مقابلے میں اُن کا خاندان زیادہ کریم ہے اور گھر مبارک وسیع ہے۔ چونکہ بچے خاندان میں پیدا ہوتے ہیں (اور خاندان کا اثر لیتے ہیں) چنانچہ حضرت عباسؑ کا خانہ ولادت مرکز شرافت تھا اور اہل خانہ نمونہ شرافت و نجابت تھے۔

حتیٰ کہ تاریخ بھی معترف ہے کہ آپؑ کا خاندان پاک باز اور شریف و نجیب تھا اور آپؑ کے جد امجد (حضرت ابوطالبؑ) بلند پایہ ہستی تھے۔ اس خاندان کی مثل کوئی دوسرا خاندان کیسے ہو سکتا ہے کہ جس کی جڑیں زمین میں ہوں اور شاخیں آسمان پر۔ ان کے گھر کی مثال اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بھی دیتا ہے:

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۖ رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۖ (سورہ نور، آیہ ۳۵-۳۶)

”اور ان گھروں میں جن کا ادب و احترام (واجب) ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام وہاں لینے کا حکم ہے اور وہاں صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی۔“

جی ہاں ابو الفضل العباسؑ ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا گھر مضبوط بنیادوں پر استوار ہے اور جن کے پہلے چالیس یا پچاس افراد (جو اس

دنیا میں) گزرے تمام کے تمام صالح لوگ تھے اور اخلاق حمیدہ کے پیکر تھے۔ سب سے بڑھ کر اس ارضی مقدس میں نبی اکرمؐ کی ہمسائیگی کا شرف حاصل تھا اور خانہ عباس ابن علیؑ خانہ رسولؐ سے متصل تھا اور یہ کہ اس گھر کے باسیوں خصوصاً حضرت علی ابن ابی طالبؑ عم زاد رسولؐ، رسولؐ خدا ہی کے اخلاق کا عملی نمونہ تھے۔ یہ بھی مرقوم ہے کہ جنت کے جوانوں کے سردار اور امام زمانہ حسن و حسینؑ بھی اسی گھر کے باسی تھے گویا اس خاندان سے شریف خاندان روئے ارضی پر موجود نہ تھا۔

اس خاندان کے سرپرست علی ابن ابی طالبؑ ہیں جو ہمیشہ کے لیے زندہ جاوید شخصیت ہیں اور یہ حضرت عباسؑ کے والد ماجد ہیں۔ اس گھر کی ملکہ سیدہ فاطمہ زہراؑ ہیں کہ جو جنت کی عورتوں کی سردار ہیں، جنہوں نے نہایت شان کے ساتھ اپنے والد کے گھر زندگی بسر کی اور اسی شان کے ساتھ اپنے شوہر کے گھر رہیں اور رضائے شوہر کے لیے کوشاں رہیں، وہ بی بی ایسی کیوں نہ ہوتیں؟! آخر رحمت للعالمینؐ کی نور چشم اور دختر نیک اختر تھیں۔ ان کے بعد امیر المومنینؑ کے خاندان کے فرد حسنؑ ابن علیؑ ہیں جو بچپنی میں ہی ان کے بعد امام حسینؑ ہیں (جو شہید کر بلا ہیں) اور پھر عباس ابن علیؑ کا عہدہ و اعلیٰ کردار نمایاں ہے۔ نیز ان کی بھنٹیں اور بھائی بھی قابل ذکر ہیں مثلاً سیدہ زینبؑ بنت علیؑ اور دیگر خدوات جو طاہرات بھی ہیں لائق ذکر (و غر و مہابات بھی) ہیں۔

اولاد امیر المومنینؑ

جی ہاں! بعض مؤرخین نے امیر المومنین علیؑ علیہ السلام کی اولاد (مبارکہ) ذکر کی ہے، جو متحد بیویوں میں سے تھی۔ اگر ان کو شمار کیا جائے تو تعداد ستائیس سے لے کر چھتیس تک بنتی ہے۔ اس میں بیٹے اور بیٹیاں دونوں شامل ہیں۔ لڑکوں میں نور دیدہ امامین، رسولؐ خدا کے محبوب اور نوجوانان جنت کے سردار امام حسنؑ اور

امام حسینؑ حمید کر بلا کے بعد قرعہ مشیرہ اور بطلی علی ابو الفضل العباسؑ قابل ذکر ہیں۔ جب کہ بیٹیوں میں سے عقیلہ بنتی ہاشم جو دوسرا، شرافت و عزت، فصاحت و بلاغت میں ان کے برابر تھیں، جو اُمّ المصائب تھیں۔ میری مراد سیدہ نعنہؑ کبریٰ ہیں، جن کی ولادت کے وقت جبریلؑ نازل ہوئے اور اللہ کی طرف سے رسول خدا کے پاس اس بی بی کا نام لائے اور ایسی خبریں بھی ہم راہ تھیں جو آئندہ پیش آنے والی تھیں جو مصائب اور خوش خبریوں پر مشتمل تھیں۔ سیدہ نعنہؑ بچپن ہی سے اپنے بھائی حسین علیہ السلام کے ساتھ رہتی تھیں اور کبھی جدا نہ ہوتی تھیں۔ اس محبت اور ہم راہی کے سبب آپ حسین علیہ السلام کی ملاجیتوں میں بھی شریک ہو گئی تھیں، لہذا اپنی جان و اولاد کے ساتھ (ہمیشہ) شریکہ حسینؑ رہیں۔ (مذکور ہے مؤرخین کی زبانی حضرت ابو الفضل العباسؑ کا) بعض مؤرخین کے مطابق آپ کی اولاد کی تعداد چھ تھی جن میں سے بعض میدان کر بلا میں آپ کے ساتھ شہید ہو گئے اور کچھ باقی بچ گئے۔

حضرتؑ نے یہ بشارت سنانے پر میرا شکریہ ادا کیا اور فرمایا:
اے قعمر! اس بچے کا اللہ کے ہاں بڑا درجہ ہے اور اس کی بہت اونچی شان ہے۔ اس کے نام، کنیت اور القاب بہت زیادہ ہیں۔ پھر فرمایا: میں گھر جاتا ہوں اور سید رسولؐ کے مطابق اور احکام اسلام کے مطابق وہ کام کرتا ہوں جن کا حکم دیا گیا ہے اور اے قعمر! تم بھی میرے ساتھ چلو۔

اسلام میں فضیلت اولاد

یہ بات (ذرا بھی) عقلی اور پوشیدہ نہیں کہ اسلام بچوں کی نسل اور ان کی افزائش کے احسن طریقے کا خیر مقدم کرتا ہے۔ نیز کثرت اولاد کی دعوت دیتا ہے اور اس کا خیر پر اُبھارتا ہے، یہاں تک کہ رسول معظمؐ نے فرمایا: نیک اولاد جنت کی

خوش خبریوں میں سے خوش خبری ہے۔ نیز فرمایا: اچھی بیٹیاں وہ ہیں جو پردہ نشین ہوتی ہیں اور فرمایا: بہترین اولاد بیٹیاں ہیں۔ مزید فرمایا: بے شک اللہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں پر بہت مہربان ہے۔

آپؐ نے فرمایا: بیٹیاں نیکیاں (رحمت) ہیں اور بیٹے نعت ہیں۔ پس نیکیاں ان کو سچائیں گی اور نعت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

آپؐ نے فرمایا: اچھی اولاد پردہ نشین لڑکیاں ہیں، جس کے پاس ایک بیٹی ہو تو اللہ اُسے اس شخص کے لیے آگ کا ستر بنا دیتا ہے (یعنی وہ آگ سے محفوظ ہو جاتا ہے)۔ جس کے پاس دو بیٹیاں ہوں، وہ اُسے جنت میں داخل کرادیں گی اور اگر کسی کے پاس تین بیٹیاں ہوں یا مثل اس کے بیٹنیں ہوں تو اللہ انھیں (حسن سلوک کے سبب) جہاد و صدقہ میں شار فرماتا ہے۔ مزید فرمایا: آدمی کی سعادت میں سے ہے کہ اس کی اولاد نیک ہو، نیز آدمی کی سعادت میں سے ہے کہ اس کی اولاد اس کی مددگار ہو۔

آپؐ نے فرمایا: اولاد کی کثرت کرو کہ میں کل کو تمھاری کثرت پر فخر کروں گا۔ نیز فرمایا: اولاد کی طلب کرو کہ اللہ عز و جل ان کو رزق دیتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے: بے شک اللہ تعالیٰ آدمی پر اس کی اپنی اولاد سے محبت کی شدت کے سبب رحم فرمائے گا۔ امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب اپنے بندوں سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کی برائیاں نہیں کرتا حتیٰ کہ وہ اس کی وراعت کو دیکھتا ہے۔

روایت میں ہے کہ جو شخص بغیر وراعت کے مر گیا تو وہ ایسا ہو گیا کہ گویا لوگوں میں (موجود ہی) نہیں تھا جب کہ جو شخص وراعت چھوڑ کر مرا، وہ ایسا ہے کہ جیسے مر ہی نہیں۔

نیز روایت میں مذکور ہے کہ تم اپنی اولاد کا بوسہ لو اور ایک دوسرے نچے میں موجود ہے کہ تم اپنی اولاد کا کثرت سے بوسہ لیا کرو۔ بے شک تمہارے ہر بوسے کے بدلے میں جنت میں درجہ ہے اور ہر ایک درجے کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔

اور آپؐ نے فرمایا: والدین کی اپنی اولاد کے ساتھ نیکی ان کی اپنے والدین کے ساتھ نیکی ہے۔

آپؐ نے مزید فرمایا: اپنے بیٹے کو چھوڑ دو کہ وہ سات سال تک کھیل کود کرنے اور اسے سات سال تک ادب سکھاؤ اور مزید سات سال تک اپنے نفس کو لازم پکڑ لو (یعنی اسے قابو میں رکھو) کہ وہ فلاح پا جائے ورنہ ان میں کوئی خیر نہیں۔

مزید ارشاد فرمایا: اولاد کا اکرام کرو اور ان کو اچھے آداب سکھاؤ تاکہ تمہاری مغفرت کر دی جائے۔

چوتھا خصیصہ

امتیازِ ولادت

تحقیق ابو الفضل العباسؑ اپنی ولادت میں تمام لوگوں پر مقامِ فضیلت کے حامل ہیں۔ جیسا کہ بعض اولیاء کی ولادت عام لوگوں پر فضیلت رکھتی ہے۔ آپؑ کی ولادت باسعادت ایسے بلند مقام پر ہوئی کہ بعض قرآن و مقدمات سے آپؑ کی عند اللہ فضیلت کا پتا چلتا ہے اور آپؑ کے مقام بزرگی کا اظہار ہوتا ہے۔ حضرت عباسؑ کی ولادت کے بارے میں حضرت امیر المومنینؑ کو اُمّ العنین کے ساتھ شادی سے پہلے ہی بتا دیا گیا تھا اور آپؑ کی صفات کے بارے میں اطلاع دے دی گئی تھی اور یہ بات آپؑ کی عظمیٰ ولادت کے بارے میں اشارہ کرتی ہے۔ آپؑ قوتِ ایمان، پاکیزہ نفس، تن درست دل، کشادہ سینہ اور بہترین اخلاق کے حامل شخص تھے کیوں کہ آپؑ عن قریب امام حسینؑ کے مددگار بننے والے تھے اور امامؑ کے نفس کا فدیہ ثابت ہونے والے تھے۔

امیر المومنینؑ نے یہ سب باتیں اُس وقت اپنے بھائی قتیل بن ابی طالبؑ کو بتادی تھیں جب آپؑ اُن سے اپنی شادی کا مشورہ فرما رہے تھے۔ آپؑ نے سیدہ فاطمہ الزہراءؑ کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد اپنے بھائی سے کہا تھا کہ میرے لیے ایسی عورت تلاش کریں جو خاص عرب بچہ پیدا کرے اور وہ عورت غیر شادی شدہ ہو۔ پس وہ میرے لیے اور میرے بیٹے حسینؑ کے لیے باعہ شجاعت و استمداد بیٹا جئے۔ میدانِ کربلا اور واقعہ کربلا کے بارے میں اس خبر سے صاف ظاہر ہے کہ عن قریب یہ واقعہ پیش آنے والا ہے جیسا کہ مذکورہ عبارت سے ظاہر ہے

جس میں حضرت عباسؓ کی اپنے بھائی حسین علیہ السلام کے لیے وفا اور قربانی کا اعہار ہے نیز عورتوں اور خیموں کی حفاظت و نگہداری، بچوں کے لیے پانی لانا اور آگے لڑنے والوں کے لیے پانی پہنچانا، یہ سب کچھ حصول جنت کے شوق میں تھا جو اللہ نے عطا فرمادی۔ یہ سب باتیں جبریلؑ نے آکر قلب رسولؐ میں القا کر دیں اور رسولؐ پاک نے حضرت علیؓ اور اپنے باقی اہل بیتؑ کو بتا دیں، یہ سب کچھ حضرت عباسؓ کی ولادت سے پہلے ہوا۔

حضرت ابو الفضل العباسؓ کا امتیاز ولادت من جانب امیر المومنینؑ بیان ہو چکا۔ اب یہ امتیاز ولادت آپؓ کی والدہ ماجدہ، اُمّ المنین کی طرف سے بیان کیا جاتا ہے جس طرح کہ قبل ازیں بیان ہوا، اس کی طرف اشارہ ہے یعنی حضرت عباسؓ کی والدہ ماجدہ حضرت اُمّ المنین کی ولادت سے پہلے آپؓ کے نانا حضرت حزام نے ایک خواب دیکھا جس میں ولادت اُمّ المنین کی خوش خبری دی گئی تھی اور اسے پہچان لیا گیا اور جب وہ بلوغت کی عمر کو پہنچی اور مرحلہ ازدواج میں داخل ہو گئیں تو ایک خواب میں دیکھا کہ عظیم شوہر کی خوش خبری دی جا رہی ہے اور یہ سب نشانیاں شادی سے پہلے پیش آئی تھیں حتیٰ کہ پیغام نکاح سے پہلے عقل سے اُمّ المنینؑ کے باپ حزام نے نیز حضرت امیر المومنینؑ نے یہ سب باتیں کہہ دی تھیں اور یہ سب حضرت ابو الفضلؓ کے امتیاز ولادت کے ذمے میں آتا ہے۔ آپؓ کا وسیع و بلند مرتبہ اور قدر و منزلت جو اللہ کے نزدیک ہے، بیان کر دی گئی تھی جو ہر زاد یہ اور ہر حوالہ سے ایسی تھی جیسے اولیائے مقربین کے درجات ہوتے ہیں نیز شہداء و سدا اور اللہ کے نیک بندوں کے درجات ہوا کرتے ہیں۔

ولادت عباسؓ کی خوش خبری

حقیق اس مضمون کے بارے میں قمرؑ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ ایک

دن حضرت امیر المومنینؑ مدینہ کی مسجد نبویؐ میں ہمارے درمیان بیٹھے ہوئے تھے اور ہمیں وعظ و رہنمائی فرما رہے تھے نیز تارِ جہنم سے ڈرا رہے تھے اور جنت کی ترغیب دے رہے تھے تو اچانک ایک اعرابی آیا۔ وہ ہماری طرف بڑھا اور ہم تک پہنچ کر صرف امیر المومنینؑ کو سلام کیا۔ پھر اپنے ہاتھوں کو پھیلا دیا گویا کوئی حاجت طلب کر رہا ہو۔ امیر المومنینؑ نے اُس سے کہا: اے اعرابی بھائی! تم ہمارے پاس جس حاجت کے لیے آئے ہو، بیان کرو، ہم ان شاء اللہ وہ پوری کریں گے۔

اعرابی نے کہا: اے امیر المومنینؑ! آپ ہمارے بارے میں بہتر جانتے ہیں۔

قعرؑ کہتے ہیں: اُس وقت امیر المومنینؑ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے قعرؑ! میرے گھر جاؤ اور سیدہ زینبؓ بت قاطرہ بت رسول اللہؐ سے کہو کہ فلاں فلاں جگہ ایک ٹوکری پڑی ہے (وہ اٹھا دیں)۔

قعرؑ کہتے ہیں: میں نے حکم کی تعمیل کی اور جلدی سے کھڑا ہوا اور امیر المومنینؑ کے گھر کی طرف گیا۔ میں نے دو دفعہ دروازہ کھٹکھٹایا۔ تیسری مرتبہ سے پہلے نقشہؑ نے دروازہ کے عقب سے پوچھا: کون ہے؟

میں نے کہا: میں امیر المومنینؑ کا قلام اور اہل بیتؑ کا خادم قعرؑ ہوں۔ پھر وہ کچھ بتایا جو میرے آقا و مولاناؐ نے مجھ سے کہا تھا۔

نقشہؑ نے کہا: یہاں ٹھہرو میں واپس آتی ہوں۔ پس میں در اقدس پر کھڑا رہا اور نقشہؑ کا منتظر رہا۔ میں تعجب کرنے لگا اور انتظار بھی کر رہا تھا کہ نقشہؑ واپس آگئی۔ میں نے اس قدر انتظار کرانے کا سبب پوچھا تو نقشہؑ نے بتایا کہ امیر المومنینؑ کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے جو اس قدر حسین ہے جیسے چاند کا ٹکڑا ہو۔

میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی چنانچہ میں نے دریافت کیا کہ حضرتؑ کی کس

بیوی سے پیدا ہوا ہے؟

فِطْہ نے جواب دیا: فاطمہ اُمّ المؤمنین بنت حزام الوحید یہ الکلابیہ سے۔ پھر مزید کہا: مجھے وصیت کی ہے میری اور تمہاری سردار سیدہ نعب بنت فاطمہ بنت رسول اللہ نے کہ جب تم ہم دونوں کے سید و سردار امیر المؤمنین علیہ السلام کے پاس جاؤ تو انہیں اس بچے کی پیدائش کی خوش خبری سنا دینا۔ نیز اس کی کنیت، نام اور لقب کے بارے میں پوچھنا۔ پس میں خوشی خوشی وہاں سے نکلا اور جلدی سے اپنے سید و سردار آقا کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ ٹوکری پیش کی۔ پھر کچھ توقف کے بعد بچے کی ولادت کی خوش خبری سنانا چاہی کیوں کہ یہ خبر سنانے کے لیے فرصت کا وقت زیادہ مناسب تھا۔ جب امیر المؤمنین اس اعرابی کو وہ ٹوکری دے چکے اور اس کی طرف سے فارغ ہو چکے تو آپ نے میری طرف توجہ کرتے ہوئے فرمایا: اے قنبر! میں تمہارے چہرے پر خوشی کے آثار دیکھ رہا ہوں، کیا سبب ہے اس کا؟

میں نے فرصت کو غنیمت جانا اور عرض کیا: میرے سید و سردار و آقا! میں آپ کے لیے خوش خبری لایا ہوں۔

امیر المؤمنین نے فرمایا: قنبر! اللہ تجھے جنت کی بشارت دے کیا خوش خبری لائے

ہو؟

میں نے عرض کیا: میرے آقا اور سید و سردار! آپ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے آپ نے فرمایا: یہ نیا لڑکا کس (بی بی) سے پیدا ہوا ہے؟

میں نے عرض کیا: جب فِطْہ ٹوکری لے کر باہر آئی تو میں نے (اُس کے بتانے پر) یہ پوچھا تھا کہ یہ لڑکا کس بی بی سے پیدا ہوا ہے تو اُس نے جواب دیا:

اُمّ المؤمنین فاطمہ بنت حزام الوحید یہ الکلابیہ سے۔ اور اُس نے مجھے یہ بھی کہا تھا کہ سیدہ نعب نے مجھے وصیت کی ہے کہ میں تمہارے ذریعہ یہ خوش خبری

امیر المومنین تک پہنچاؤں۔ نیز اس بچے کی کنیت، نام اور لقب کے بارے میں بھی پوچھوں۔ جب امیر المومنین نے یہ بات سنی تو اللہ اکبر کہا اور اُن کا چہرہ خوشی کے ساتھ چمک اُٹھا۔

ولادت اور سنت

پھر امیر المومنین اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور مسجد رسول اللہ سے نکلے۔ آپ اپنے گھر کی طرف چل دیے، جب گھر پہنچے تو عادت کے مطابق سلام کیا۔ آپ کے اہل و عیال اور رشتہ دار آپ کی آمد کے منتظر تھے۔ سب نے آپ کے سلام کا جواب دیا اور پھر کہا: میرے بیٹے کو میرے پاس لاؤ۔ جب بچے کو لایا گیا تو بچہ خلخل کے کپڑے میں لپٹا ہوا تھا۔ آپ نے اسے لیا اور سینے سے لگایا۔ پیشانی اور چہرے پر بوسہ دیا اور دائیں کان میں اذان جب کہ بائیں کان میں اقامت کہی۔ اس کے بعد آپ بچے کو دیر تک دیکھتے رہے اور نہایت خوشی کا اظہار فرماتے رہے۔ آپ نے (دوبارہ) بچے کو اُم المنین سے لیا اور اس گل رو کو لے کر باہر نکل گئے۔ یہ سب تحفہ نصرت کے لیے تھا کہ جبرئیل نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس بچے کے بارے میں خوش خبری دی تھی۔ اور یہ خبر جبرئیل وحی کی صورت میں رسول خدا پر لائے تھے اور آپ نے اس بچے کی ولادت، کیفیت شہادت اور نصرت حسین کے بارے میں رونما ہونے والی ہر بات (حضرت علیؑ اور دیگر اہل بیت کرام کو) بتا دی تھی۔

پھر اچانک امیر المومنین علی علیہ السلام آبدیدہ ہو گئے حتیٰ کہ انک ہائے مبارک موتیوں کی طرح رخساروں سے پیچھے گرنے لگے۔ آپ کی ازدواج میں سے کسی نے دیکھا تو عرض کیا: اے امیر المومنین! آپ رو کیوں رہے ہیں حالانکہ یہ تو ہمارے لیے خوشی اور مسرت کا روز ہے۔ کیا آپ کو کوئی پریشانی یا غم لاحق ہے؟

اسم گرامی کے بارے میں

حقیق رسولؐ خدا کی سید مہارکہ، دربارۂ ولادت، ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ یہ بچے کے لیے رہنمائی، جسم و جاں کی پاکیزگی و برکت اور دنیا و آخرت کے لیے فائدہ و منفعت کا باعث ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث مہارکہ میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ”جس وقت بچہ پیدا ہو اس وقت سات چیزیں سنت ہیں:

پہلی: نام رکھنا، دوسری: بچے کا سر موٹنا، تیسری: بچے کے بالوں کے برابر چاندی یا سونا (حسب استطاعت و قدرت) صدقہ کرنا، چوتھی: بچے کا حقیقہ کرنا، پانچویں: اس کے سر کو زعفران سے دھونا، چھٹی: ختنہ کرنا، ساتویں: اپنے رشتہ داروں کو حقیقہ کا کھانا کھلانا۔ اور دوسری حدیث مہارکہ میں اس کی تاکید کی گئی ہے اور بعض دیگر سنت ہائے مہارکہ بیان کی گئی ہیں۔ جیسا کہ نام، حلق، ختنہ و حقیقہ اور دعوت وغیرہ اور کچھ روایات میں ہے کہ ولادت کے بعد بچے کا نام رکھا جائے جب کہ کچھ میں ہے حمل کے دوران ہی میں نام رکھ دیا جائے اور اسے پسند کیا گیا ہے، لہذا دورانِ حمل میں نام رکھنا مناسب ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ حمل جس وقت وضع ہونے والا ہو اس وقت بچے کی کنیت اور لقب کا اہتمام کیا جائے۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی بچے کا نام کنیت اور لقب نہ ہو۔ یہاں تک کہ اگر حمل گر بھی جائے تو بچے کا نام رکھا جائے تاکہ اسے میدانِ حشر میں اسی نام سے بلایا جائے، اسی طرح حمل مکمل اور تمام ہونے سے پہلے اس کا نام رکھنا چاہیے۔

اہل بیت عظام کی سنت رہی ہے کہ ایامِ حمل ہی میں اپنے بچوں کا نام، لقب اور کنیت رکھ لیتے تھے۔ رسولِ معظمؐ نے ایسا ہی کیا اور حضرت فاطمہ زہراؑ کے جس حمل کو غاصبانِ خلافت اور اس امر کے لیے کوشاں لوگوں نے ساقط کر دیا تھا، اس کا نام بھی رکھا یعنی (حضرت) محسن۔

لہذا یہ امر حقیقی نہیں ہے کہ احادیث سے واضح ہے کہ پیٹ میں موجود حمل کا نام رکھ لینا چاہیے نیز اس کی کنیت اور لقب مقرر کرنا بھی مسنون ہے۔ مگر جب بچہ پیدا ہو جائے تو تجدید کے طور پر اس کے نام، کنیت اور لقب کو پہلے ہی دن ظاہر کر دیا جائے یا پھر ولادت کے ساتویں دن ماں باپ کی خواہش کے مطابق بدل دیا جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، یعنی پہلے سے بھر نام، کنیت اور لقب کا اہتمام کیا جائے۔ واضح ہو کہ نام، لقب اور کنیت یہ سب ایامِ حمل میں رکھ لیا کرو۔ پھر اس کی تجدید بعد از ولادت کر لو یا اسے تبدیل کر لو، پہلے یا ساتویں دن، اور یہ بچے کے والدین کے ارادے پر منحصر ہے کہ نام وہی رکھنا ہے یا تبدیل کرنا ہے۔

مولودِ مسعود کا اسمِ گرامی

بہر حال جس طرح امام علی علیہ السلام رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لائے بلاشبہ اسی طرح سب سے پہلے اُن کی سیرت کو اپنایا اور اُن کے نقشِ قدم پر چلے۔ لہذا وہ ولادت کے سنن و مستحبات میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واضح طریقہ کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ جب وہ نومولود کے مستحباتِ ماثورہ کا اجرا فرما چکے تو ایک قول کے مطابق آپ کی عقلیہ بنی ہاشم، وحی و وصیت کی پروردہ بنی جنابِ نعلین نے آپ کی طرف رخ مبارک کر کے عرض کیا: بابا جان! کیا آپؐ نے اس مولود کے نام، کنیت اور لقب کا احباب فرمایا؟ تو آپؐ کے والد گرامی حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے کمالِ محبت

سے جواب دیتے ہوئے فرمایا: ہاں اے اپنے بابا کی جان بیٹی! ان سب چیزوں کا انتخاب کر لیا ہے۔ جناب نعناب نے انتہائی گرمجوشی اور چاہت کے ساتھ پوچھا: آپ نے کیا انتخاب فرمایا ہے؟

ارشاد فرمایا: ان کا نام عباس ہے، کنیت ابو الفضل اور لقب قرنی ہاشم، قرعشیرہ اور سقاء ہے۔

جناب نعناب کو ان چیزوں نے مسرت انگیز حیرت میں ڈال دیا اور نیک شگون لیتے ہوئے عرض کیا: بابا جان! اسم عباس تو شجاعت و بہادری کی علامت ہے، کنیت ابو الفضل شہامت و نجابت کی علامت ہے اور لقب قرنی ہاشم و قرعشیرہ جمال و کمال اور ہیبت و جلال کی علامت ہے لیکن بابا جان! سقاء کا کیا معنی ہے؟

حضرت امیر المومنین امام علی علیہ السلام اس نو مولود بچے پر مستقبل میں آنے والی سخت مشکلات اور صفاتِ رُخِ نور پر رقم شدہ تمام واقعات کا بغور جائزہ لینے کے بعد اپنی بیٹی کی طرف متوجہ ہوئے اور اُن صفات پر تحریر شدہ بعض خبروں، حوادث اور گھمسان کی جتنگوں کو بیان فرمانے لگے جو فوجوں کی کثرت اور کھڑے کھڑے کرنے والی ضربوں کے ذریعہ تھیں۔ وہ اس سے خوف زدہ ہو گئیں۔

امام نے فرمایا: اے میری بیٹی! یہ بچہ کربلا کے پیاسوں کا ساتھی ہے۔

جب سیدہ نعناب علیہا السلام نے اپنے والد گرامی سے یہ جواب سنا تو آپ نے ان کو دیکھا کہ ان کے آنسو جاری ہونے کی وجہ سے گلاب بند ہو رہا تھا۔ پس بی بی کارنگ اُڑ گیا، اُن کا دل پھٹ گیا اور آثارِ گریہ ظاہر ہو گئے۔ کیوں کہ آپ کے والد گرامی امیر المومنین امام علیہ السلام نے اُن کو کربلا کے وہ واقعات اور دردناک مصائب بیان کیے جن کو اُم ایمن نے سیدہ نعناب سلام اللہ علیہا کے جد امجد رسول خدا سے روایت کیا تھا۔ پس سیدہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکیں۔

آپ کے والد امیر المومنین علی علیہ السلام کا دل بھی آپ پر پہنچ گیا۔ انھوں نے آپ پر شفقت فرمائی، تسلیاں دیں۔ اس دردناک خبر، اس عظیم خبر، کربلا کی خبر اور پیاسوں کی سیرابی کے صدمہ کو یہ کہتے ہوئے ہلکا کرنا شروع کیا کہ اے میری بیٹی نہب! دل کو سہارا دو اور مبر کرو، اپنے آنسو صاف کرو اور بھائی کو اٹھا کر اس کی ماں کو دو۔ اس کا آپ کے ساتھ بلند مقام اور عظیم مرتبہ ہے۔

اب جناب نہب نے اپنا گریہ ختم کیا، اپنی حالت کو بحال کیا، اپنے آنسو صاف کیے اور اپنے باپ امام امیر المومنین کے ہاتھوں سے اپنے نومولود بھائی کو اٹھایا۔ اس کے چہرے پر اپنے گرم گرم بوسوں کو غار کرنا شروع کر دیا اور اس کی والدہ ام البنین کے پاس لے گئی جو اس کے انتظار میں تھی۔

بلاشبہ ام البنین بڑی بے چینی کے ساتھ جناب نہب کا انتظار کر رہی تھی تاکہ اپنے نومولود بچے کی نام گزاری، اس کی کنیت و لقب رکھنے پر اس کے گریہ کی وجہ معلوم کر سکے۔ چنانچہ جب ام البنین نے جناب نہب کو آتے دیکھا تو اس کا شفقت بھری نگاہوں سے استقبال کیا اور استفسار کرتے ہوئے پوچھیں: کیا میرے سید و سردار نے ہمارے بیٹے کا نام، کنیت اور لقب رکھ دیا؟

جناب نہب نے خوش روئی و ہمسرت انداز میں جواب دیا: ہاں مادر گرامی! انھوں نے اس کا بہترین نام رکھا اور خوب صورت ترین کنیت و لقب کا انتخاب فرمایا۔ تب جناب ام البنین نے انتہائی اضطراب و اشتیاق کے ساتھ کہا: اے میری سید و سردار! مہربانی کر کے ان کو بیان کریں۔

جناب نہب نے فرمایا: اس کا نام عباس ہے، اس کی کنیت ابو الفضل اور لقب قمر بنی ہاشم ہے۔

جب ام البنین نے اپنے نومولود کا لقب قمر بنی ہاشم سنا، جس کو اس کے والد

گرامی امیر المومنین امام علی علیہ السلام نے رکھا تو اس کو اچانک وہ خواب یاد آ گیا جو اُس نے اپنی شادی سے پہلے دیکھا تھا۔ چنانچہ اُس کا چہرہ چمک اٹھا، اُس کا دل باغ باغ ہو گیا اور اس کی زبان خدا سبحان کی حمد اور اُس کے شکر سے مغلط ہو گئی۔ بے ساختہ زبان پر جاری ہوا۔ اُس خدا کی حمد ہے جس نے میرے خواب کو سچ کر دکھایا اور میرے ساتھ اپنے وعدے کو حقیقت بنا دیا۔

اس وقت جناب نعتب نے اُن سے ان کے خواب کے بارے میں سوال کیا؟ چنانچہ اُم المومنین نے انہیں وہ خواب بیان کیا جو اُس نے امیر المومنین امام علی علیہ السلام سے شادی کرنے سے پہلے دیکھا تھا کہ کس طرح چاند وسط آسمان سے ٹوٹ کر اُس کی گود کی زینت بنا۔

جناب نعتب نے اپنے شیر خوار بھائی کو چمچے اور بوسے دیتے ہوئے کہا: بے شک آپ کا خواب بالکل سچا ہے، بلاشبہ آپ کا یہ مولود قمر بنی ہاشم ہے بلکہ قمر سے زیادہ شان اور زیادہ فضیلت والا ہے کیوں کہ وہ تو ابو الفضل العباس قمر مشیرہ ہے (دوسری روایت کے مطابق نام گزاری)۔

بعض معتبر کتابوں میں تحریر ہے کہ جس دن اُم المومنین نے اپنے شیر ممت میٹوں میں سے پہلے کو جاتا تو اُس کو سفید کپڑے میں لپیٹ کر اس کے والد گرامی امام امیر المومنین کی خدمت میں پیش کیا تاکہ وہ اس کی ولادت کے مستحبات و رسومات یعنی نام گزاری وغیرہ کو ادا کریں۔

جب امیر المومنین امام علی علیہ السلام نے اُس کو اٹھایا تو اُس کو اپنے منہ کے قریب لائے، اپنی زبان مبارک کے ذریعے اُس کی آنکھوں، کانوں اور منہ پر بوسہ دیا۔ اور شاید یہ اس لیے کیا ہو کہ یہ مولود حق دیکھے، حق سنے اور حق بولے۔

پھر آپ نے اُس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی۔

اس کے بعد اپنی وقاصحار بیوی ام العنین اور اس کے آس پاس لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: تم نے اس بچے کا کیا نام رکھا؟ جناب ام العنین نے کمال ادب و احترام کے ساتھ جواب دیتے ہوئے عرض کیا: اے امیر المومنین! ہم نے تو کبھی کسی چیز میں آپ پر سبقت نہیں لی۔ آپ نے یہ سن کر اُن کی پاکیزہ معرفت اور دلنشین وقار پر شکریہ ادا کیا۔

اس کے بعد فرمایا: میں نے اس بچے کا نام اپنے چچا عباس کے نام پر عباس رکھا۔ پھر اُسے اپنے سینہ کے ساتھ لگایا، اُس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کو پکڑ کر اپنے منہ کی طرف بلند کیا اور محبت بھرے یسوں سے چوما۔ روتے ہوئے آنسو بہا کر فرمانے لگے: گویا میں ان دونوں ہاتھوں کو یوم عاشورہ اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام کی نصرت میں فرات کے کنارے اپنی آنکھوں سے کٹتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ یہ سن کر جناب عباس کی والدہ اور ان کے پاس موجود تمام افراد نے گریہ کیا اور اس بچے کا نام اور اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔

استنباط اور اخذ نتیجہ

پوشیدہ نہ رہے کہ امیر المومنین امام علی علیہ السلام کے اپنے شیرخوار بیٹے ابو الفضل العباس علیہ السلام کے ہاتھوں کو چومنے کے واقعہ سے بچے کا مقام عظمت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی منزلت شرف معلوم ہونے کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا اپنی اولاد کے ساتھ اظہار محبت و شفقت کے لیے ان کے ہاتھوں کو چومنا (شرعاً) جائز ہے جب کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی فاطمہ زہراءؑ، سیدہ نساء العالمین کے ساتھ اظہار محبت، اُن کی تعظیم و عزت افزائی اور مقام و منزلت کو بیان کرنے کے لیے ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ آپ اپنی بیٹی کے ہاتھوں پر بوسہ دیتے، اُن کے لیے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوتے اور اُن کو اپنی مسند پہ بٹھاتے تھے۔

اسی طرح امیر المومنین امام علی علیہ السلام اپنے بیٹے عباسؓ کے ہاتھوں کو چومنے اور اُن کا نام اپنے چچا عباسؓ کے نام پر رکھنے سے اُن کی اپنے اس بیٹے کے ساتھ شدتِ محبت اور بہت بڑی حرمت اور آپؐ کا اپنے اس چچا کے ساتھ تعلق خاطر کا علم بھی ہو جاتا ہے، اور یہ کیسے نہ ہو؟ حالانکہ بلاشبہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا عباسؓ کے ساتھ بہترین سلوک کرنے کی سفارش فرمائی تھی اور جیسا کہ نقل کیا گیا۔

آپؐ نے فرمایا: مجھے میرے چچا عباسؓ کے حوالہ سے اذیت نہ دو۔

سوال و جواب

بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت ابوالفضل کی ولادت ہوئے چند دن گزر گئے تو ایک دن جنابِ نعتِ سلام اللہ علیہا اپنے بھائی عباسؓ کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگائے ہوئے، اپنے والدِ گرامی امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ عرض کرنے لگیں: بابا جان! اے امیر المومنین! میں اپنے دل میں اس بچے کے تعلق کیسا گہرا تعلق دیکھ رہی ہوں اور اپنی روح میں اس کی طرف کیسا شدید لگاؤ محسوس کر رہی ہوں؟

آپؐ کے والدِ امام امیر المومنینؓ نے انتہائی شفقت اور مہربانی سے جواب دیتے ہوئے فرمایا: اے بابا جان کی بیٹی! ایسا کیونکر نہ ہو، وہ تو آپؐ کا فیصل و حامی ہے۔ انھوں نے محبت و شفقت بھرے اعزاز میں کہا: ہاں میری بیٹی! لیکن عنقریب تو اس سے جدا ہو جائے گی اور وہ تجھے داغِ مفارقت دے جائے گا۔

جنابِ نعتؓ نے اس سے تعجب کرتے ہوئے کہا: بابا جان! کیا وہ مجھ سے دُور ہو جائے گا اور میں اُس سے دُور ہو جاؤں گی؟

امیر المومنین امام علی علیہ السلام نے غم میں ڈوبی ہوئی محبت کے اعزاز میں

فرمایا: میری بیٹی! بلکہ تو اُس کو چھوڑ کر چلی جائے گی۔ وہ کلائیوں سے دونوں ہاتھ کٹوا کر، لوہے کے گرز سے سر کاٹنے لگا کر، کربلا کی گرم ریت پر فرات کے کنارے پڑا ہوگا۔ جب نعت سلام اللہ علیہا نے یہ سنا تو اپنا گریہ نہ روک سکی اور بلند آواز سے رونا شروع کر دیا اور چیخ مارتے ہوئے کہا: ہائے میرے بھیا ہائے میرے عباس! اسی کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک شاعر نے اشارہ کرتے ہوئے کہا:

جاءت به الحوراء تحمله وقد	شغفت به ، وبه الفؤاد تعلقا
تحنو عليه وتنشئ لأبيهما	من كان كالأم الرؤوم وأشفقا
حلو الشماثل منذرآه وفيه من	معنى البسالة والجمال مع النقا
سناه عباساً وقال ملقباً	قمرأ فقل: أسي وأجمل هونقا

”اُس (عباس) کو ایک جیلہ بی بی اٹھا کر لائیں جو اُس کی محبت میں فریفتہ تھیں جبکہ اُس کے ساتھ دل محبت کرتے ہیں۔ دونوں کا باپ ایک ہونے کی وجہ سے وہ اس سے محبت کرتی اور دلی میلان رکھتی ہے۔ وہ باپ جو ہمیشہ ماں کی طرح محبت و شفقت کرتا ہے۔

اُس کے خصال و عادات شیریں ہیں۔ جب سے اُسے دیکھا اور اس میں شجاعت و جمال کا معنی اپنی پوری خوب صورتی و پاکیزگی کے ساتھ موجود ہے۔ اُس کا نام عباس رکھا اور لقب کے لحاظ سے قمر کہا۔ پس یوں کہو کہ وہ اپنی چمک دک اور حُسن و زیبائی میں سب سے بلند و بالا اور سب سے حسین و جمیل ہے۔“

آپ کے اسم مبارک کے بعض خصائص

وَاسْمُهُ الْعَبَّاسُ وَهُوَ اسْمُ الْأَسَدِ

بَلْ هُوَ الْأَشْجَعُ إِنَّ فِي الْحَرْبِ شَدًّا

”اور آپ کا نام عباس ہے اور عباس شیر کا نام ہے بلکہ جب

آپ میدانِ حرب میں دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں تو شیر سے

بھی زیادہ شجاع ہوتے ہیں۔“

لغت میں لفظ عباس کا مفہوم

”لسان العرب“ میں ہے کہ ”عباس اس شیر کو کہتے ہیں جس کو دیکھ کر

دوسرے شیر بھی ڈر کر بھاگ کھڑے ہوں، اس لیے انتہائی دلیر شخص کو عباس کہتے

ہیں۔“

ایک دوسری کتاب میں ہے کہ ”عباس اور عباس دونوں شیر کے نام ہیں،

جب اس کے تئیر بدلے ہوئے ہوں۔“

اور تفسیر الادب میں ہے کہ ”عباس مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس مرد پر بولا جاتا

ہے جو انتہائی شجاع، پیش قدمی کرنے والا، بہت رعب و دہد بے والا اور بہت جم کر

لڑنے والا ہو۔ نیز شیر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور اکثر میدانِ جنگ میں

پھرے ہوئے شیر کو عباس کہتے ہیں۔“

ایک قول یہ ہے کہ لفظ عباس جو صین کی زیر اور ہا کی تشدید کے ساتھ ہے،

بھتی شیر۔ حضورؐ کے چچا کا نام ہے اور حضرت امیر المومنینؑ کے فرزند کا نام بھی ہے جو ان کی وحید یہ کلابیہ زوجہ کے بطن سے تھے کہ جن سے جناب سیدہ فاطمہؑ کے بعد انھوں نے ترویج فرمائی اور چونکہ عباسؑ فیتہ و غضب میں آئے ہوئے شیر کے مانند میدان جنگ میں جرأت مند، پیش قدمی کرنے والے اور ہمیشہ جم کر لڑنے والے تھے۔ اسی لیے انھیں عباسؑ کہا جاتا ہے۔

غضب طربی میں یوں ہے: ”عباسؑ بن علیؑ علیہ السلام ایک عظیم پہاڑ کے مانند تھے اور ان کے قلب ایک اُدھے ٹیلے کی مانند تھے کیوں کہ آپؑ شیر دل مجاہد اور باطلی مرقام تھے اور میدان جنگ میں لگنے والے دشمنوں کی کثرت سہنے کی ہمت اور حوصلہ رکھتے تھے۔

ایک اور روایت ہے: ”حضرت امیر المومنینؑ نے اپنے فرزند کا نام عباسؑ اس لیے رکھا کہ آپؑ ان کی شجاعت و شہادت کے بارے میں علم رکھتے تھے۔ آپؑ جانتے تھے کہ میرا یہ سپوت اتنا بڑا مجاہد ہوگا کہ جب مبارزہ کرے گا تو اس کی نسبت سے دشمنان اسلام کے سینوں میں کچکی طاری ہو جائیگا کہ اس کی اور ان کے پھرے خوف کے مارے خشک ہو جائیگا کریں گے اور جب وہ حملہ کرے گا تو جنگ کے نامور سوراؤں کو بھوکے شیر کی طرح ہڑپ کر جائے گا۔

”مقاتل الطالبین“ میں لکھا ہے کہ حضرت عباسؑ ایک انتہائی حسین و جمیل جوان تھے، ایک دراز قد اور طاقت ور راہوار پر سوار ہوتے تھے اور ان کے دونوں پاؤں زمین پر محکم کھینچ رہے ہوتے تھے (عالمنا حضرتؑ کے دراز قد ہونے کو محاورہ بیان کیا گیا)۔

ایک اور روایت ہے کہ ”امام حسینؑ کے سب مجاہد شجاعت و شہادت کی اعلیٰ و ارفع منزل پر تھے لیکن حضرت عباسؑ بلاشبہ ان سب سے زیادہ بلند ہمت بلکہ ان کی

شہادت کا غلام تھے اور گلستانِ ملی میں ایک بہت بڑے عجر سایہ دار تھے جنہیں خاص طور پر جنابِ امیرؒ نے نصرتِ امام حسینؑ کی خاطر پروان چڑھایا تھا۔

اسم عباسؑ کے فیوض و برکات

کتاب ”منتخب التواریخ“ میں ہے کہ حسابِ ابجد کے مطابق ”اسم عباسؑ“ کے حروف کے اعداد کا مجموعہ ۱۳۳ ہے اور حضرتؑ کے مشہور لقب ”بابِ احسینؑ“ کے حروف (الف لام کے علاوہ) کے اعداد کا مجموعہ بھی ۱۳۳ ہے اور اسی لیے یہ عمل دعاؤں کی قبولیت اور حوائج کے برآنے کے حوالے سے بہت مجرب ہے۔ وظیفہ یہ ہے کہ حضرت عباسؑ کو ان کے اسم مبارک کے اعداد کے مطابق ۱۳۳ مرتبہ بطور توسل ان الفاظ سے پکارا جائے:

يَا كَاشِفَ الْكَرْبِ عَنْ وَجْهِ أَخِيهِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِكْشِفْ

كَرْبِي بِحَقِّي أَخِيكَ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

”اے بھائیِ احسینؑ کے چہرے سے کرب و رنج کو دور کرنے

والے میرے رنج و الم کو بھی اپنے بھائی حسینؑ کے صدقے

دور فرما۔“

کتاب کبریٰ احمر میں علامہ شیخ میر جندی اپنی ایک حاجت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی ایک حاجت کشائی کے لیے اللہ تعالیٰ سے حضرت عباسؑ کے توہل اور واسطے سے دعائیں مانگیں لیکن کوئی استجاب نہ ہوئی۔ پھر ایک رات میں نے ایک سچا خواب دیکھا کہ کوئی شخص مجھ سے یوں مخاطب ہے کہ جس کسی کو بھی اللہ سے کوئی حاجت ہو وہ اللہ سے ان لفظوں میں حضرت عباسؑ کا واسطہ دے کر سوال کرے، اللہ تعالیٰ بظہیلِ حضرتؑ ضرور اس کی قضاے حاجت فرماتا ہے:

عَبْدَ اللَّهِ أَبَا الْقَضِيلِ دَخَيْلَكَ

”یا ابا الفضل العباس! میں اپنے آپ کو آپ سے منسوب کرتا ہوں اور آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔“

شیخ ہر جہتی فرماتے ہیں کہ جب میں نے ان الفاظ کے ساتھ حضرت کے توسل سے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے میرا ہم و غم دور فرما دیا۔

اپنی دعاؤں میں حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنانا

قم المقدسہ میں قیام پذیر بعض علما نے نقل فرمایا ہے کہ ایک مرجع عالی قدر نے فرمایا: مجھے ایک مشکل درپیش تھی اور میں نے امام زمانؑ سے توسل کیا اور میں قم کی ایک معروف مسجد مسجد محکران میں اس مقصد کے لیے حاضری دیتا رہا لیکن ایک مدت تک اثر اجابت ظاہر نہ ہوا۔ پھر ایک رات میں مسجد محکران میں مستحی نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک میں امام زمانؑ سے یوں مخاطب ہو گیا:

”اے میرے آقا و مولا! میں اپنی قضاے حاجت کے لیے آپ سے توسل کر رہا ہوں لیکن کوئی اثر اجابت نہیں پاتا ہوں۔ آپ میرے امام ہیں، میری گردن پر آپ کا حق اطاعت ہے، کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں اپنے امام کو چھوڑ کر کسی اور کا توسل کروں۔“

میں اپنے لیے جائز نہیں سمجھتا کہ میں آپ کے علاوہ کسی بھی ہستی کا واسطہ دوں حتیٰ کہ حضرت ابوالفضل باب الحوائج جو کہ یقیناً وجہ عند اللہ بھی ہیں، کے توسل کو بھی آپ کے ہوتے ہوئے مناسب نہیں سمجھتا۔

آغا کہتے ہیں کہ اس کے بعد میرے اوپر حزن و بکا اور اکسار قلب غالب آ گیا۔ اسی اثنا میں میں نے سنا کہ کوئی فرما رہا ہے: ”ہمارے چچا ابوالفضلؓ کو وسیلہ بنانے میں قطعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ جب تمہیں کوئی حاجت ہو تو اللہ تعالیٰ کو ان الفاظ کے ساتھ ہمارے عم محترم کا واسطہ دیا کرو اور کہا کرو:

يَا أَبَا الْقَوْثِ الْأَسْطِنِي

صاحب ”معالی السطین“ علامہ مازعمرانی فرماتے ہیں کہ جس کسی کو بھی کوئی حاجت و مشکل درپیش ہو حضرت ابو الفضل العباسؑ کو وسیلہ بنائے اور اپنی حاجت کے پورے ہونے اور مشکل کے رفع ہونے تک اسی وسیلے سے دعا کی تکرار کرتا رہے اور طریقہ دعائے اپنائے کہ محمدؐ و آل محمدؐ پر ۱۳۳ مرتبہ صلوات پڑھے۔ پھر ۱۳۳ مرتبہ یا عباسؑ کہے، پھر ۱۳۳ مرتبہ صلوات پڑھے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی حاجت روائی فرمائے گا۔

کتاب معالی السطین میں یہ بھی تحریر ہے کہ جو شخص کسی صبرا میں یا دیرانے میں پھنس جائے اس پر یاس غلبہ کر جائے اور اسے ہلاکت کا خطرہ لاحق ہو جائے تو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت ابو الفضل العباسؑ کا صدقہ دے کر دعا مانگے، اور یہ لفظ کہے: يَا أَبَا الْقَوْثَةِ (اے صاحب ملک) تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے پیاسوں کے ساقی کر بلا کے تصدق میں اس کی پیاس دور فرمائے گا۔

ساتواں خصیصہ

آپؐ کی پرورش کے بارے میں

حضرت ابو الفضل العباسؑ نے ایک ایسی والدہ گرامی کا شیر پیا جو ایک انتہائی وقار اور کرمہ خاتون تھیں، جن کا تعلق ایسے خاندان سے تھا جو نجابت و اصالت، جود و سخا اور بزرگی و سرداری میں بہت معروف تھا۔ آپؐ نے حضرت فاطمہ بنت حزام وحیدہ کلابیہ ام المومنینؑ کے آغوش اقدس میں تربیت پائی اور اپنی عالمہ و فاضلہ مادر سے ایمان و ولایت اور علم و معرفت کی روشنی حاصل کی۔

آپؐ جس کریم پدر بزرگوار کی جہولی میں جوانی کی منزلوں کو پہنچے، ان کی توصیف کسی قلم (اور صاحب قلم) کے بس کی بات نہیں۔ جو سید عظیم، نفس رسولؐ، وصی و خلیفہ رسولؐ، وارث علم انبیاء، سید المومنین، قائد المہاجرین، امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ ہیں۔ حضرت عباسؑ علم دار اپنے بابا کے ساتھ ساتھ رہے جب تک وہ مدینہ میں قیام پذیر تھے۔

پھر آپؐ نے ان کے ساتھ ہی عراق کی طرف ہجرت کی اور کوفہ میں قیام فرمایا۔ اس سارے عرصہ میں آپؐ بابا کی شفقت و حمایت اور تربیت حکیمانہ کے زیر سایہ رہے۔ اس طرح آپؐ نے اپنے عظیم والدین کریمین سے ہر خوبی و فضیلت کسب کی اور اخلاقی حمیدہ، علم و فضل اور معارف النبیہ کو درافت میں پایا۔

آپؐ کے بچپن کی ایک خوب صورت داستان

تاریخ میں آیا ہے کہ ایک دن جناب امیر علیہ السلام نے آپؐ کو بلوایا۔ یہ

اس وقت کی بات ہے جب آپؐ سن ظلی سے کچھ باہر نکل آئے تھے اور بعض کلمات بولنا سکھ لیے تھے۔ جناب امیرؒ نے آپؐ کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا۔ پھر اپنی گود میں بٹھا لیا اور آپؐ سے مخاطب ہو کر فرمایا: بیٹا عباس! کہو: ایک۔ آپؐ نے فرمایا: ایک۔ جناب امیرؒ نے فرمایا: کہو دو۔ آپؐ نے جواب میں خاموشی اختیار کی۔ پھر اپنے بابا کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: بابا جان! جس زبان سے ایک کہا ہے مجھے حیا آتی ہے کہ اسی کے ساتھ اب دو کہوں۔ یعنی جو زبان اللہ کی وحدانیت کا اقرار کر چکی ہے اب انحراف نہیں کرے گی۔

یہ وہ جواب تھا جس کے جناب امیر المومنینؒ بخیر تھے۔

آپؐ نے فرمایا: أَحْسَنْتَ يَا وَلَدِي، بَارَكَ اللَّهُ فِيكَ

”میرے فرزند تو نے بہت خوب کہا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری معرفت توحید میں برکت عطا کرے۔“ پھر دوبارہ شہزادے کو سینے سے لگایا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔

جناب عباسؑ کا حضرات حسنین شریفینؑ سے تربیت پانے کا شرف

جناب امیر علیہ السلام کی شہادت کے بعد عباسؑ ہر وقت فرزند ان رسولؐ کے سایہ عاطفت میں رہے اور ان کی صحبت سے عروج و کمال سیرت کسب کیا جو سردارانِ جنت، امامان و ہمامان اور ربیعائمانِ رسولؐ تھے اور جن کی ساری دنیا مدحت سرا ہے، حتیٰ کہ حضرت عثمان بن عفان بھی ان کی مدح کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک سائل نے حضرت عثمان سے سوال کیا تو آپؑ نے اسے پانچ درہم عطا کیے۔ اسی سائل نے جب حضرات حسنینؑ اور عبد اللہ بن جعفر سے سوال کیا تو انھوں نے اسے مال مال کر دیا۔ اس پر حضرت عثمان نے فرمایا: اے سائل! تیرے ساتھ احسان و سخا کا برتاؤ ان جوانوں نے کیا ہے جنھوں نے علم کو اپنے نام کر لیا ہے

اور خیر و حکمت انہی کے دروازے پر ذخیرہ نظر آتی ہے۔

جناب امیر علیہ السلام کی شہادت کے بعد آپ شہزادوں کے ساتھ مدینہ منورہ لوٹ آئے اور مسلسل ان کی خدمت میں رہے اور ان سے معاملہ و اصول دین، احکام و فروع اسلام کی گہرائیاں اور محاسن و مکارم اخلاق کی پہنائیاں کسب کرتے رہے۔

پھر جب سید اکبر امام مجتبیٰ علیہ السلام معاویہ کے زہر جفا کے ساتھ شہید ہو گئے تو آپ امام حسینؑ کی معیت میں رہے۔ جتنا عرصہ امامؑ مدینہ میں قیام پذیر رہے، آپ ان کے علم نیز اخلاق و آداب جمیلہ سے فیض یاب ہوتے رہے۔ جب امامؑ نے مدینہ سے نکل کر عراق کا رخ کیا تو آپؑ ان کے ہم رکاب تھے اور ان کی نصرت میں انتہائی صبر و استقامت کے ساتھ منزل شہادت رفیعہ پر قائم ہوئے۔

اولاد جناب امیر علیہ السلام میں سے حضرت عباسؑ علم دار کی پرورش و تربیت سب سے ممتاز نظر آتی ہے کیوں کہ آپؑ نے حضرت امیر المومنینؑ، فرزندان رسولؐ امام حسنؑ و حسینؑ اور حضرت امام زین العابدینؑ کے علم و فضل کی برکات و فیوض پائیں، یعنی آپؑ کو چار معصومینؑ کا قرب اور صحبت خاص نصیب ہوئی۔ اسی لیے ایک شاعر نے آپؑ کے فضائل کو یوں بیان کیا ہے:

وَفِي الْعَبَّاسِ مِنْ تَكْوِينِ السَّجَايَا
كَفَيْتُ لَيْسَ يُخْصَرُ فِي مَقَالِ
وَقَاءِ نَجْدَةٍ نَهْضَ وَحِلْمِ
وَإِنْفَارِ وَصِدْقِ فِي الْمَقَالِ
حِفَافِ ظَاهِرِ حِلْمِ وَجُودِ
وَبَاسِ صَادِقِ حِلْمِ النَّزَالِ

”یعنی حضرت عباس علم دار میں کرامت و فضیلت کے خصال
اسے زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ وفا ہو یا
شہادت و مرداگی، زہد ہو یا علم، ایثار ہو یا راست گوئی، پاک
دامنی ہو یا خرد و باری، جود و وفا ہو یا میدان جنگ میں شہیت،
ہر صفت میں آپؓ درجہ کمال پر نظر آتے ہیں۔“



www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

آٹھواں خصیصہ

آپ کی کنیت کے بارے میں

لغت میں کنیت کا معنی ہے ”ایسا اسم جو لفظ ’أب‘ یا لفظ ’أُم‘ سے شروع ہو۔ مثال کے طور پر ابوالحسن، أم ایمن۔“

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کنیت ایسا اسم ہے جو لفظ ابن یا ابنت سے شروع ہو، جیسے ابن الرضا، لہذا قاطعہ اور کہا گیا ہے کہ کنیت میں شرط یہ ہے کہ وہ درج یا مذمت سے آگاہ کرنے والی ہو۔ اور ضروری نہیں کہ صاحب کنیت کے باپ، بیٹے، ماں یا بیٹی کے نام پر ہی کنیت قائم کی جائے بلکہ جس کی اصلاً کوئی اولاد ہی نہ ہو، اسے بھی ابوظان یا أم ظان کہہ سکتے ہیں۔

بلکہ ملائے لغت و ادب کے مطابق کنیت کی حکمت تعظیم یا تحقیر ہوتی ہے۔ ایک شخص کو اس کے نام کے بجائے اس کی تعظیم و تکریم کی خاطر اس کی کنیت سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح ایک شخص کو اس کی توہین اور سبکی کرنے کے لیے اس کے نام کے بجائے اس کی کنیت سے پکارا جاتا ہے۔

بہر حال حضرت ابوالفضلؓ کی متعدد کنیتیں مشہور ہیں اور وہ سب آپؐ کی ثناء و تعظیم اور درج و تجلیل کی حکایت کرنے والی ہیں۔ ان میں سے زیادہ مشہور کنیت ”ابوالفضل“ ہے، جسے ”ابوفاضل“ بھی پڑھا جاتا ہے۔ پھر ”ابوالقاسم“، ”ابن البردویہ“، ”ابوالقربہ“، ”ابوالنثارہ“، ”ابورأس الحار“ اور ”ابوفرجہ“ وغیرہ مشہور کنیتیں ہیں۔

ابوالفضل اور ابوقاضی

حضرت کی یہ کنیت مدح و ثنا کی حکایت کرتی ہے۔ اس سے ضروری نہیں کہ آپ کے بیٹے حضرت فضل کی طرف اشارہ ہو، آپ کی مدح میں ایک شاعر کا شعر ہے:

أَبَا الْفَضْلِ يَا مَنْ أَسَّسَ الْفَضْلَ وَالْإِبَاءَ
أَبَى الْفَضْلُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ لَهُ أَبَا
”اے شہزادہ ابوالفضل العباس! آپ نے فضل و فضیلت اور
خودداری و غیرت کی بنیاد رکھی بلکہ فضیلت کا تاج آپ کے
علاوہ کسی اور کے سر کی زینت بننے سے انکاری نظر آتا ہے۔“

ابوالقاسم

یہ وہ کنیت ہے جو ختمی مرتبت، سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ہی کے حوالے سے مشہور ہے اور حضرت عباسؓ کو شرف و اعزاز کی طرح اس کنیت سے یاد کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ زیارت اربعین، جو حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ سے منقول ہے، میں وارد ہے:

الْسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ، الْسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عَبَّاسَ ابْنَ

عَلِيٍّ.....

ایک اور قول یہ بھی ہے کہ حضرت کا ایک فرد عبد قاسم بن عباس نامی بھی تھا۔

ابن البدویہ

اس لفظ کو بدویہ یا بدویہ دونوں طرح سے پڑھا جاسکتا ہے۔ یہ لقب حضرت ابوالفضلؓ کی اس شہادت اور فریاد کی طرف اشارہ ہے جو آپ کو اپنی

والدہ محترمہ کی طرف سے وراثت میں ملی کیوں کہ حضرت اُم المُنین کا تعلق ایک ایسے بدوی قبیلہ سے تھا جو شہادت و گمراہی میں بہت شہرت کا حامل تھا۔ نیز یہ لقب اس حسن طبیعت، صحت مند رنگ و ریشہ اور ان پاک و صاف اخلاق و آداب کی عکاسی بھی کرتا ہے جن سے جناب اُم المُنین خود بھی آراستہ و پیراستہ تھیں اور حضرت عباسؓ کو بھی وراثت میں منتقل فرمائے۔ کیوں کہ ایک دیہاتی اور کشادہ ماحول میں پرورش روحانی خلوص و وفا، نفس کی عزت و خودداری اور ذہن و عقل کی وسعت و کشادگی کا باعث بنتی ہے۔

ابوالقربہ

اس لفظ کو کاف کی زیر اور را کی جزم کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ یہ لقب ابن ابی اسیر کی کتاب ”مزار السرائر“ ابوالفرج کی کتاب ”مقابل الطالبین“ نیز ”الانوار العثمانیہ“ اور ”تاریخ الخلفاء“ میں مذکور ہے۔

.....●.....

نواں خصیصہ

انفرادیت یا امتیازی خصوصیت

حضرت عباسؓ کے القاب کے بارے میں

لقب کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ کسی انسان کے ذاتی و اصلی نام کے بعد جو لفظ اس کے لیے بولا جائے، جو اس کی تعریف یا خدمت پر دلالت کرتا ہو اور چونکہ حضرت ابو الفضل العباسؓ تمام خصائل حمیدہ کے مالک اور جامع جمیع صفات حسنہ ہیں، لہذا آپ کے تمام القاب مدح و ثنا اور تعظیم و تکریم پر دلالت کرنے والے ہی ہیں اور تاریخ میں ان کے لیے کوئی ایسا لقب موجود نہیں ہے جو خدمت، جہاد یا کمزوری کا مفہوم رکھتا ہو۔ کیوں کہ آپ کی زندگی میں کوئی عیب یا آپ کی صفات میں کوئی تنقیص نہیں، حتیٰ کہ آپ کے بدترین دشمن بھی آپ کے کردار و خصائل پر کبھی انگلی نہیں اٹھا سکے اور کوئی انگلی اٹھائے بھی تو کیسے کہ آپ فرزند امیر المومنین علی ابن ابی طالبؓ ہیں۔ امامین، ہمامین، ربیعہ خاندین رسولؐ، سیدنا شباب اہل الجنة کے پیارے بھائی ہیں بلکہ آپ وحی و نبوت کے گھر کے پروردہ ہیں۔ آپ ان ہاتھوں میں پروان چڑھے جن کی تادیب و تربیت رسول اللہؐ کے ہاتھوں ہوئی اور حضور علیہ السلام وسیع پروردگار کے تربیت یافتہ ہیں جیسا کہ آنحضرتؐ کی مشہور حدیث ہے:

اَلْاٰدِیْنِی رَیْتِیْ فَاَحْسَنَ تَاوِیْدِیْنِیْ

”یعنی میرے رب نے میری احسن طریقے سے تربیت کی ہے۔“

اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت عباسؓ علم دار و فاضل تھے، فضائل و مکارم کی معدن سے وراثت میں ملی ہیں اور آپؓ نے آداب و محاسن کے بے عیب اور خدائی مرکز و سرچشمہ سے اپنے آپ کو ایسا سیراب و ماطر کیا کہ آپؓ جو دوسٹا، بخشش و عطا کا منبع قرار پائے۔ ہر دور کے شعرا نے آپؓ کی مدح و ثنا میں قصائد و قوافی نظم کیے ہیں۔
قول شاعر ہے:

هُوَ الْبَحْرُ مِنْ أَيْ النَّوَاحِي آتَيْنَتْهُ

فَلَجَّتْهُ الْمَعْرُوفُ وَالْجُودُ سَاحِلُهُ

”وہ ایک سمندر ہیں جس جہت سے بھی میں اس کے پاس آؤں، اس کی گہرائی مشہور ہے اور سخاوت اس کا ساحل ہے۔“

ایک اور شاعریوں مدح کرتا ہے:

هُوَ الْعَبَّاسُ لَيْكُ نَبِيٍّ نَزَّارٍ

وَمَنْ قَدْ كَانَ لِلْأَجْمِ حَصَامًا

فَزَبْرٌ أَغْلَبُ تَوَخُّدُ إِشْتَبَاكَ

الرِّمَاحِ بِحَوْمَةِ الْهَيْبَةِ أَجَامًا

فَمَلَكْتُ فَوْقَهُ الْعُقْبَانُ ظِلًا

لِيَقْرِبَهَا جُسُومَهُمْ طَعَامًا

أَبِي عِنْدَ مَسِّ الضَّيْمِ يَنْضِي

بِعَازِمٍ يَقْطَعُ الْعُضْبَ الرَّحْسَامًا

”یعنی حضرت عباسؓ بنی نزار کے شیر ہیں اور پناہ لینے والے کے لیے آسرا ہیں، ایک مضبوط اور قوی جگہ ہیں جو اچانک

جنگ میں غضب ناک ہو کر دشمن کو نیزے میں الجھا دیتے ہیں
 تو پھر عدے ان کے اوپر سایہ کر لیتے ہیں کہ ان کے بچھاڑے
 ہوئے دشمنوں کو اپنی خوراک بنا سکیں۔ آپ ایسے خوددار مجاہد
 ہیں جو جنگ کی سختی و ہول ناک میں بھی پورے عزم کے ساتھ
 اپنی حیز و حار تلوار کی کاٹ دکھاتے نظر آتے ہیں۔“

حضرت عباسؓ مجمع جمال و کمال

حضرت عباسؓ علم دار تمام مکارم و محاسن، اخلاق و آداب کا احاطہ کیے
 ہوئے ہیں جن کا شمار اوصاف دسترس سے باہر ہے۔ آپ کے کمالات و فضائل کا پتہ
 دینے والے بہت سارے القابات تاریخ نے رقم کیے ہیں۔ ذیل میں شہرت کی
 ترحیب کے لحاظ سے ان کو ذکر کیا جائے گا۔ پھر حتی المقدور ان کی شرح و توضیح کی
 جائے گی، ان شاء اللہ!

بَابُ الْحُسَيْنِ	(حسینؓ کا دروازہ)
بَابُ الْخَوَالِجِ	(حاجتوں کا دروازہ)
السَّقَاءُ	(پانی پلانے والا)
سَاقِي عَطَاشٍ كَزَبَلَا	(کربلا کے پیاسوں کا ساقی)
قَمَرُ بَنِي هَاشِمٍ	(بنی ہاشم کا چاند)
قَمَرُ الْعَشِيرَةِ	(خاندان کا چاند)
حَامِلُ الرِّوَاءِ	(علم دار)
بَطْلُ الْعَلَقَمِيِّ	(نہر علقمہ کا بہادر)
كَنْبَشُ الْكَتَيْبَةِ	(سالار لشکر)
حَامِي الظَّمِينَةِ	(محافظ محل مستورات)

(وہ مرد شجاع جو حاکمی مِل پر دشمن کو روکے
رکھے)

سَبِيحُ الْقَنْطَرَةِ

(شیر یعنی دلیر آدمی)

الضَّيْفَم

(صالح انسان)

العبد الصَّالِح

(عبادات گزار)

العابد

(اُڑنے والا)

الطَّيَّار

(راہ حق میں شہید ہونے والا)

الشَّهِيد

(دوست)

الصَّدِيق

(وہ جس نے اپنے پاکیزہ بدن کو فدیہ حسین بنا دیا)

الفادی

(اٹار کرنے والا)

المُؤَثِّر

(مددگار تسل دینے والا)

المُؤَايِس

(دشمنوں سے دفاع کرنے والا)

الحَامِي وَالْمُحَامِي

(ولایت و امامت کا پشت پناہ)

ظَهْرُ الْوَلَايَةِ

(قافلے کا سردار و رہبر)

قَائِدُ الْجَيْشِ

(فریاد رس)

الْمُسْتَجَار

(بچانے والا)

الْوَاقِي

(مستقل مزاجی سے کوشش کرنے والا)

السَّاعِي

(خیر قاری سے مدد کو پہنچنے والا)

الْمُسْتَعِجِل

(صاحبِ خلوص)

الْمُصْفِي

(وغیرہا)

وغير ذلك

حضرت عباسؓ، باب الحسینؓ

أَبَا الْفَضْلِ أَنْتَ الْبَابُ لِلْسَّبِيلِ وَمَنْ مَّا
أَبُوتَ عَلَيَّ كَأَنَّ بَابًا لِأَحْمَدَا
”اے ابوالفضل العباسؓ! آپ فرزند رسولؐ کے لیے ایسے ہی
دروازہ ہیں جیسا کہ آپ کے پدر بزرگوار علیؓ احمد مرسل کے
لیے دروازہ تھے۔“

مشہور خطیب استاد شیخ محمد علی یعقوبی کے قصیدہ کے چند اشعار حضرتؓ کے
روئے اقدس کے سونے کے ایوانوں میں لگے چاندی کے دروازے پر لکھے گئے
ہیں۔ ان میں سے کچھ اشعار ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔

هُوَ بَابُ الْحُسَيْنِ مَا خَابَ يَوْمًا
وَإِذَا جَاءَ لَالِدًا فِي جَنَاءِ
إِنَّهُ بَابُ حِطَّةٍ لَيْسَ يَخْطِئُ
كُلُّ هَوَلٍ مُسْتَسْبِكٌ فِي عَرَاءِ
قَدْ بِهِ دَاعِيَا وَفِيهِ تَوَسَّلُ
فِيهِ الْمَرْءُ يُسْتَجَابُ دَعَا

”آپؓ باب الحسینؓ ہیں، آپؓ کی پناہ لینے والے کی امید
کبھی نہیں ٹوٹی، آپؓ وہ بابِ حطہ ہیں کہ جس کے گوشے میں
جم کر بیٹھنے والا بے خوف ہو جاتا ہے (اے مانگنے والو)

میں بیٹھ کر مانگو اور توسل کرو کیوں کہ میں انسان کی دعائیں
مستجاب ہوتی ہیں۔“

اس خصیصہ کے شروع میں پہلے شاعرِ محبت نے اس بات کی طرف اشارہ کیا
ہے کہ حضرت عباس علم دارِ ایمان و اخلاق میں اپنے بابا حضرت امیر المومنینؑ کے
مشابہ ہیں۔ حضرت امیرؑ کی شدتِ ایمان و اخلاق کی وجہ ہی سے حضورؐ آپ کو ہریڑی
مہم کے لیے تیار کرتے تھے اور ہر سخت حادثہ اور مشکل گھڑی میں آپ کو پکارا کرتے تھے
اور حضرت امیرؑ حضورؐ کی خدمت، حمایت اور محافظت کے لیے ہمہ وقت تیار اور موجود
رہتے تھے، حتیٰ آپؑ کا یہ قول اَنَا عَبْدٌ مِنْ عَبْدِ مُحَمَّدٍؐ ”میں محمدؐ کے غلاموں
میں سے ایک غلام ہوں۔“ شہرت کا درجہ حاصل کر گیا بلکہ جب آپؑ حبِ ہجرت
محافظ و فدا کارِ رسالت بن کر بسترِ رسولؐ پر سو گئے تو اللہ تعالیٰ نے یوں تحریر فرمائی:
وَمِنْ النَّاسِ مَنْ يُشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ

رَؤُوفٌ بِالْعِبَادِ

”اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کی رضا چاہتے
ہوئے اپنے نفس کو بیچ دیتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا
مہربان ہے۔“

صرف حبِ ہجرت ہی نہیں بلکہ اور بہت سارے مقامات پر قرآن میں اللہ
نے آپؐ کی توصیف کی ہے۔ خود حضورؐ نے آپؐ کے بارے میں فرمایا:
أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلَى بَابِهَا، فَمَنْ أَرَادَ الْمَدِينَةَ فَلْيَأْتِ
الْبَابَ

”میں علم اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں، جو شہرِ علم میں داخل
ہونے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ دروازے پر آئے۔“

غرض کہ پڑاؤ ہو یا کوچ، حضر ہو یا سفر، امن ہو یا جنگ، حضرت امیرؓ حضور کے لیے باب اور مصاحب بنے رہے اور اپنی جان و روح، مال و اولاد کے ساتھ آپ کا دفاع کرتے، حتیٰ کہ مشہور تھا کہ جو شخص حضورؐ کے قریب ہونا چاہے، وہ پہلے امیر المومنینؓ کا قرب حاصل کرے۔ جو نبی اکرمؐ کے پاس کسی مقام و مرتبہ کا خواہاں ہو وہ حضرت امیرؓ کو واسطہ بنائے اور جو شخص اللہ سے کوئی حاجت رکھتا ہو وہ بعد از نبیؐ علیؑ کو وسیلہ قرار دے۔

بالکل اسی طرح ابو الفضل العباسؓ اپنے بھائی حضرت امام حسینؑ کے لیے باب و مصاحب تھے۔ آپ کی پختگی ایمان و اخلاق کی وجہ سے، حضرت امام حسینؑ آپ کو ہر بڑی مہم کے لیے تیار رکھتے اور ہر حادثہ و مشکل میں آپ کو پکارا کرتے تھے اور حضرت علم دارؑ اپنے آقا و مولاؑ کی خدمت و حمایت و دفاع میں یوں وقف رہے کہ کبھی امام کو بھائی کہہ کر مخاطب نہ لیا بلکہ سیدی و مولای کہہ کر بلائے نظر آئے سوائے ایک دن کے، جو عاشورہ کر بلا کا دن ہے۔ جب پشت راہوار سے زمین پر گرے۔ زعمی کے آخری لمحے تلخی کے وہ لمحات ہوتے ہیں جب انسان اپنے خاص قربی لوگوں کی تمنا کرتا ہے اور اپنے اقربا کو دیکھنے کی فریاد کرتا ہے، اپنی آخری اور الوداعی نظریں ان کے چہروں پر ڈالنا چاہتا ہے، اپنے جسم کو ان کے درمیان اور اپنا سر ان کی جمہولی میں رکھنا چاہتا ہے، ہاں اسی موقع پر حضرت علم دارؑ نے اپنے بھائی کو یوں ندا دی:

يَا أَخَاكَ أَذْرَاكَ أَخَاكَ

”میرے غریب بھیا! اپنے بھائی کی مدد کو پہنچئے۔“

امام عالی مقامؑ کے اپنے بھائی سے لگاؤ کی ایک جھلک امامؑ کے دل میں حضرت عباسؓ کے لیے ایک خاص گوشہ تھا۔ جب حضرت

مہاسن کی آواز بگیر آپ کے کانوں کو سنائی نہ دی تو آپ لبیک لبیک کہتے مقل
 مہاسن کی طرف لپکے اور اتنی تیزی سے آئے جیسے بلندی سے کوئی شے زمین کی
 طرف آتی ہے بلکہ یوں کہیں کہ جیسے پانی اونچائی سے نقیب کی طرف گرتا ہے۔
 بھائی کے پاس بیٹھ جاتے ہیں، ان کا سر اپنی گود میں لیتے ہیں، آنکھوں سے خون اور
 مٹی صاف کرتے ہیں۔ اونچی آواز میں تکلیف و درد کا خال پوچھتے ہیں اور بڑے
 درد بھرے دل کے ساتھ مناجات کرتے ہیں اور درد ہانٹتے ہیں۔ بھائی کا درد بھرا لہجہ
 سن کر حضرت مہاسن آنکھیں کھول دیتے ہیں۔ امام حسینؑ کے چہرہ مبارک پر آخری
 الوداعی نظریں ڈالتے ہیں۔ ہونٹوں پر ایسا تبسم آتا ہے جو اخلاص و محبت کے تمام
 معانی کی حکایت کر جاتا ہے۔ ولاد اخوت خلوص کی آخری بلند یوں پر نظر آتی ہے۔
 حضرت علم دار سلام کرتے ہیں اور سید الشہداءؑ اپنے باوقاف بھائی کے سلام و تحیہ کا
 جواب دیتے ہیں مگر عادی آواز و کلام سے نہیں بلکہ حالت یہ ہے کہ سانسیں اکڑی
 ہوئی ہیں، ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہے، درد سے کراہتی ہوئی آواز ہے۔ یہ
 وہی آواز تھی جو حضرت علم دارؑ کی زندگی کو ولولہ دینے والی اور دل اور سینے کو ششک
 پہنچانے والی تھی جب آپ نے اسے سنا اور محسوس کیا کہ میرا سر، میری آنکھوں اور
 دل کی ششک، میرے عظیم امام، کریم سید نے اپنی گود میں رکھا ہے اور اپنے سینے
 سے لگایا ہے تو وہیں جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔

لاشہ حضرت علم دارؑ کو مقتل میں ہی چھوڑ آنے کا مقصد

ہر مہربان قائد کی طرح، امام عالی مقامؑ نے اپنے خیمے کے قریب ایک خصوصی
 خیمہ نصب کیا ہوا تھا جہاں انصار و اعزہ شہداء کے مقدس لاشے، ساتھ ساتھ رکھے
 جاتے اور یہ کہتے جاتے کہ ”یہ لاشے انبیاء و آل انبیاء کے لاشوں کی مثل ہیں“۔ لیکن
 جب اپنے وفادار بھائی کی لاش پر آئے ہیں، چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں غی وہ

۱۲۱۔ جو بزدل اور کینے دشمنوں کی بربریت اور اہل بیت دشمنی کی انتہا کو ظاہر کر رہی تھی۔ اس کے سر جانے آ کر گریہ و بکا کرتے ہیں اور بھائی کے لاشے کو اٹھاتے نہیں بلکہ جائے شہادت پر چھوڑ کر واپس چلے جاتے ہیں۔

اس کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ خواہش شہید بھی تھی کیوں کہ روایت ہے کہ حضرت عباسؓ علمِ داڑی نے جناب سید الشہداءؑ کو اپنے نانا کا واسطہ دے کر یہ التجا کی تھی کہ میں نے بنی سیکندہ سے پانی لانے کا وعدہ کیا تھا، مجھے اس سے حیا آتی ہے میری لاش غیموں میں نہ لے جائیں۔

دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ عباسؓ باوقا نے چاہا کہ میرے ضعیف و زخمی بھائی نے سارا دن لاشیں اٹھائی ہیں میری لاش اٹھانے سے حرید تھک نہ جائیں۔ تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جناب سید الشہداءؑ نے سوچا ہو کہ حضرت عباسؓ کی شہادت کی خبر خدراستِ صصمت اور پیا سے بچوں سے چلی رکھی جائے۔ اگرچہ تھوڑی دیر ہی ممکن ہو۔

چوتھی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے جو بہت ہی دردناک ہے کہ شام کی سپاؤ اشتیاء نے حضرتؑ کے جسدِ مطہر کو کھڑے کھڑے کر دیا تھا جن کو اکٹھا کرنا اور اٹھالے جانا ممکن نہیں تھا۔

پانچویں وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ امام کا لاشہ عباسؓ کو باقی شہداء کی لاشوں میں نہ لے جانا۔ جناب علمِ داڑی کی امتیازی شان کے سبب سے تھا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ میرا یہ بھائی الگ تعظیم کا مستحق ہے اور شاید اسی سے سمجھنے والوں نے آپ کے مرقد کے گرد ایک عظیم الشان جالی لگائی ہے۔ آپ کی ضریح مقدس کے گرد عظیم عمارت تعمیر کی ہے اور مرقد کے اطراف میں ایک بے مثل روضہ مبارکہ تعمیر کیا ہے تاکہ آپ کے بھائی اور امام کی طرح آپ کی وفا کو نذرانہ سلام و تشکر پیش کیا

جائے، تاکہ بعد از شہادت بھی آپ باب الحسین نظر آئیں۔ ذاکرین و محبین، نگلی و قاتلہ و قاتلہ کے مارے لوگ آپ کو راہبر بنا کر امام کی بارگاہ میں آئیں۔

روضہ امام پر جانے سے پہلے آپ کے روضہ مبارک پر حاضر ہوں اور آپ کی شفاعت اور توسط کے ساتھ زیارت امام حسین سے شرف ہوں اور ان کے طفیل اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات اور تمناؤں کے حصول کی دعا مانگوں۔

مرقد منفرد و حرم خاص

شاید آخر الذکر وجہ ہی امام کے پیش نظر تھی کہ سرکارِ مفا کے جسد اطہر کو خیمہ گاہ میں نہ لائے۔ کہارِ علما و فقہاء میں سے محققین نے بھی رائے قائم کی ہے۔ اس کی تصدیق و تائید یوں بھی ہوتی ہے کہ جب حضرت امام زین العابدینؑ عاشورا سے تین دن بعد بطریقِ مجروحہ کربلا میں تشریف لائے اور شہداء کے مقدس اجساد کو دفن کیا۔ سب سے پہلے اپنے مظلوم بابا کے لاش کو اکیلے دفن کیا تو پھر باقی شہداء کے لاشوں کو قبیلہ بنی اسد (خدا ان سے خوش نود ہو) کے افراد کی معاونت سے دفن کیا۔ پھر پوچھا کہ غور کرو کوئی لاش دفن ہونے سے رہ تو نہیں گیا ہے۔ بنی اسد نے عرض کیا:

مولاً! اؤد فرات کے کنارے ایک مجاہد شیر دل کی لاش پڑی ہے جو اس قدر کلکوں میں مٹی ہے کہ ایک طرف سے اٹھاتے ہیں تو دوسری طرف گر پڑتی ہے۔

پیارہ کربلا فرماتے ہیں مجھے وہاں لے چلو۔ جب امام لاش عباسؑ پر آتے ہیں تو فوراً لاشے پر جھک جاتے ہیں۔ کئی گردن پر بوسہ دیتے ہیں اور فرماتے ہیں: اے قمر بنی ہاشم! آپ کے بعد دنیا تاریک و بے نور ہے۔ اے شہیدِ راہِ حق! آپ پر میرا سلام ہو۔ آپ پر خدا کی اُن گنت رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔

پھر آپ قبر کو دوتے ہیں اور سید الشہداءؑ کی طرح چچا عباسؑ کے لاشے کو بھی تنہا لحد میں اتارتے ہیں اور بنی اسد سے فرماتے ہیں کہ آپ فکر نہ کریں۔

میرے ساتھ قبر میں کوئی ہستی ہے جو میری معاونت فرما رہی ہے۔“

اس بنا پر امام سجادؑ نے بطریق مجہود یا بنی اسد کے تعاون سے اجسادِ طاہرہ کو حائر شریف یعنی گنج شہداء کی طرف منتقل کیا لیکن اپنے چچا حضرت ابو الفضلؑ کے لاشے کو نہ تو اپنے بابا کے مرقد کی طرف اور نہ ہی گنج شہداء کی طرف منتقل کیا بلکہ جہاں آج روضہ حضرت عباسؑ ہے وہیں قبر کھودی اور لاشہ دفن کیا تاکہ حضرتؑ کا روضہ باب و ابواب کی حیثیت اختیار کر جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ سے آج تک تعزیت و تسلیت کرنے والے جلوس ہائے عزاسیز دینی و دنیوی کرتے ہوئے پہلے سرکارِ وفا کے روضہ مبارک پہ آتے ہیں پھر سرکارِ کوامام و شفیع بنا کر روضہ جناب سید الشہداءؑ کی طرف رخ کرتے ہیں اور حضرتؑ کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔

حضرت عباسؑ اپنے بابا کی اقتدا کرتے ہیں

حضرت ابو الفضل العباسؑ نے جو دو کرم و سخا میں اپنے بابا کی پیروی کی اور سرکارِ امام حسینؑ کے لیے دروازہ قرار پائے۔ ویسے ہی جیسا کہ امیر المومنین رسول اللہؐ کے لیے تھے، بلکہ حضرت عباسؑ اپنی بلند خوبیوں اور عظیم انسانی اقتدار کی وجہ سے سب آئمہ اہل بیتؑ کے لیے باب ہیں کیوں کہ شہرِ محبت اہل بیتؑ اور قلعہ و لایعہ اہل بیتؑ میں ورود، محبت حضرت سرکارِ وفا کے بغیر ناممکن ہے۔ جیسا کہ باب رسالت و نبوت ہونے کی وجہ سے، کسی رسالت کے عقیدہ رکھنے والے کے لیے ممکن نہیں ہے کہ بغیر ولایت و خلافتِ علیؑ کے عقیدہ کے نبیؐ کے شہرِ علم اور قلعہٴ معارف کے قریب پھلک سکے۔ کیوں کہ مشہور حدیثِ مخفیہ ہے:

كَلَىٰ بَابُ جَلْوَىٰ وَمُنَيَّبٌ لَا يُكْتَبُ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ مِنْ بَغْدَا
 ”علیؑ میرے علم کا دروازہ اور میرے بعد میری امت کے لیے میری رسالت کی وضاحت کرنے والا ہے۔“

دوسری حدیث ہے:

عَلَيْهِ وَعَلَاءُ عَلِيِّ وَوَحْيِي وَبَابِي الَّذِي أُؤْتِي مِنْهُ
 ”علیٰ میرے علم کا ظرف، میرا وحی اور مجھ تک پہنچانے والا
 دروازہ ہے۔“

حضرت عباسؓ باب معنوی ہیں نہ کہ سیاسی

سرکارِ وفا سید الشہداءؑ کے لیے باب ہیں، اپنے بابا کی مثل لیکن اس سے مراد کوئی سرکاری و سیاسی باب و حاجب نہیں ہے جیسا کہ دورِ جاہلیت کے سلاطین حوام الناس کو خود سے دُور رکھنے کے لیے ابواب مقرر کرتے تھے۔ وہ طریقہ جاہلیت اب بھی شہنشاہ و رؤسا اور جمہوری فرماں روا حوام کو دُور رکھنے اور ان کے اوپر اپنی حکومت و فوقیت کا رعب بچانے کے لیے اور اپنی شہوت و لذات کے انہماک کے اندر غفل اندازی روکنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اگرچہ کچھ جدید محکموں کے فرق کے ساتھ یہ سب حضور علیہ السلام کی تعلیمات کے برعکس ہے کیوں کہ آپ اسلام حکیم اور کتابِ منیر لائے اور آپ نے ہر طاغوت اور سرکشی کے خلاف جہاد کیا اور ان کو سخت مواخذے اور نارِ جہنم سے ڈرایا۔

سرکارِ وفا دروازہ حسینؑ ہیں تو اس سے مراد یہ ہے کہ آپؑ معنویات و معارف، روحانیات و فضائل کی طرف کھلنے والا، ایمان و تقویٰ، قربِ خداوندی، قربِ رسولؐ اور قربِ اولیا کی طرف لے جانے والا معنوی و روحانی دروازہ ہیں۔ آپؑ ایسے روحانی دربان ہیں جو امام حسینؑ کی ذاتِ اقدس میں موجِ زنِ معارف و فضائل و مکارم و اخلاق کے سمندر سے غلوٰیِ خدا کے سیراب ہونے کا وسیلہ بنتے ہیں۔



گیارہواں خصیصہ

حضرت عباسؓ باب الحوائج

بَابُ الْحَوَائِجِ مَا دَعَتْهُ مَرْوَةٌ
فِي حَاجَةٍ إِلَّا وَيَقْضَى حَاجَتُهَا
بِأَبِي أَبِي الْفَضْلِ الَّذِي مِنْ فَضْلِهِ
السَّامِيُّ تَعَلَّيْتُ الْوَرَى وَمِنْهَا حَاجَتُهَا
تَرَجَّ الْقُرَى مِنْ عَزْمِهِ فَوْقَ السَّمَاءِ
حَتَّى عَلَتْ فِي تَرْبَةِ أَبْرَاجِهَا
فُطِمَتْ يَدَاہُ وَطَالَمَا مِنْ كَفِّهِ
دَيَمَ السَّخَاةُ أَمْطَرَتْ لِحَاجَتُهَا

”شاعر کہتا ہے: باب الحوائج وہ ہے کہ جسے جب بھی کوئی
خوف زدہ شخص اپنی حاجت کے وقت پکارتے تو وہ اس کی حاجت
کو پورا کر دے۔ میرے لیے باب الحوائج ابوالفضل العباسؓ ہیں
کہ جن کے فعلی عالی سے اہل دنیا نے راہ ہدایت پائی ہے۔
آپؓ کی بدولت زمین کی مٹی نے اتنی بلندی پائی کہ آسمان
تک پہنچ گئی۔ آپؓ کے دونوں ہاتھ تو کاٹ دیے گئے لیکن
آپؓ کے ہاتھوں کی طاقت اور بڑھ گئی اور تیز بارش کی طرح
برسنے لگی۔“

أَبَا الْفَضْلِ إِنِّي جِئْتُكَ الْيَوْمَ مَسْأَلًا
لِتَسْبِيْرَ مَا أَرَاهُ فَأَنْتَ أَخُو الْقَبِيلِ
فَلَا خَزَوْا إِنْ رَاسَعْتَ وَفِي بَالِئًا
لَأَنْتَ لِلْحَاجَاتِ تُذْهِبُ أَبُو الْفَضْلِ

ایک دوسرا شاعریوں قصیدہ خوان باب الحوائج ہے:

”اے ابوالفضل العباس! میں آج حاجت روائی کے لیے
آپ کے در پر سائل بن کر آیا ہوں کیوں کہ آپ نو اسرہ رسول
کے بھائی ہیں۔ اگر آپ میرے جیسے مفلس کی حاجت روائی
کرویں تو کوئی تعجب نہیں ہے کیوں کہ حاجات پوری کرنے کی
وجہی سے آپ کو ابوالفضل کے نام سے پکارا جاتا ہے۔“

اللہ تک پہنچانے والے ابواب و وسائل

بے شک چارہ مصومین یعنی رسول اللہ، صدیقہ کبریٰ، حضرت فاطمہ
الزہراء اور بارہ ائمہ اہل بیت اور اسی طرح ان کے بعض خاص احباب و انصار سب
کے سب ابواب الحوائج ہیں اور خوشنودی پروردگار اور جنت الفردوس کے لیے وسیلہ
ہیں۔ یہ وہ اسمائے حسنیٰ ہیں کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ مجھے ان کے وسیلے سے پکارا
جائے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَاللّٰهُ اَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا

”اور اللہ کے لیے اسمائے حسنیٰ ہیں پس اسے ان کے ساتھ پکارو۔“

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ

”اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے وسیلہ تلاش کرو۔“

لیکن ان مقدس ہستیوں میں سے بعض ایسے ہیں جو باب الحوائج کی حیثیت سے معروف و مشہور ہیں۔ ان چار مقدس افراد میں سے آئمہ اہل بیتؑ میں سے ایک اور باقی تین اہل بیت علیہم السلام کے احباب و خواص میں سے ہیں۔

باب الحوائج اول

آئمہ علیہم السلام میں سے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بنن المسلمین باب الحوائج کے طور معروف ہوئے کیوں کہ چشم ملک نے آپؑ کی ذات سے آپؑ کی مرقد شریف سے بے شمار کرامات و معجزات کا مشاہدہ کیا اور مہمات و حاجات کو پورا ہوتے دیکھا حتیٰ کہ اہل سنت والجماعہ کے آئمہ اور اکابر علما نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے چہ جائے کہ صرف شیعہ خواص و عوام ہی مانتے۔

شافعی مسلک کے امام محمد بن ادریس شافعیؒ نے تاریخ بغداد میں کہا ہے: ”حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا روضہ مبارک دہلی دلوں کے لیے نسخہ اکسیر ہے اور روحانی و قلبی امراض کے لیے شفا ہے۔ شیخ حاکم حسن بن ابراہیم ابوعلی الخلال نے فرمایا: ”جب بھی مجھے کوئی سخت و مسلسل حاجت یا مسئلہ پیش آیا تو میں نے قبرستان قریش کے احاطہ کا رخ کیا اور موسیٰ بن جعفر علیہما السلام کی قبر کے ساتھ کھڑے ہو کر ان کے قوسل سے اللہ تعالیٰ سے اپنی قضائے حاجت کا سوال کیا اور کبھی محروم نہیں لوٹا بلکہ میری حاجت پوری ہوئی (تاریخ بغداد)۔ یہ تو ہیں ملا اہل سنت کے اعتراضات اور جہاں تک بات ہے علماے تشیع کی تو ایسے تذکروں سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔“

باب الحوائج دوم

باقی تین ابواب الحوائج آئمہ معصومینؑ کے خواص و احباب میں سے ہیں۔

دوسرے باب الحوائج وہ طفل شیرخوار ہیں جن کا نام علی اصغر ہے۔ امام حسین کے ہاتھوں پر یزید بن معاویہ کے سنگ دل لشکر سے پانی مالٹا۔ یہ وہ مجاہد کربلا ہیں جو سن میں سب سے چھوٹے مگر قد و معنویت میں بہت بڑے ہیں۔ سپاہ شام بجائے اس کے شدت پیاس سے جلتے ہوئے اس طفل رفیع کو دو قطرہ ہائے آب سے سیراب کرتی، کاسہ موت سے سیراب کر دیا، اپنے حیر جفا کا نشانہ بنایا۔ تیر محصوم شہزادے کو درید سے درید تک اور ایک کان سے دوسرے کان تک ذبح کرتے ہوئے گزر گیا۔ شہزادے نے اپنے بابا کے مقدس ہاتھوں پر طبر مذبح کی طرح تڑپتے ہوئے جان دے دی لیکن آخری سانس لیتے ہوئے اس محصوم کے لبوں پر ایک عظیم ابتسام و مسکراہٹ تھی۔ جو اس بات کا اعلان تھا کہ میں نے اپنی رضا سے اپنی مضمی جان کا نذرانہ دین خدا کی سر بلندی کے لیے پیش کیا ہے۔ خداوند متعال کو یہ ادائے ایثار جتنی پسند آئی کہ اسے احسن قبولیت کا درجہ دیا اور شہزادے کو باب الحوائج قرار دیا۔

باب الحوائج سوم

تیسری باب الحوائج اُم الحنین، اُم ابی الفضل العباس، حضرت فاطمہ بنت حزام الوحید یہ الکلائیہ ہیں۔ آپ نے یہ مقام اپنے حسن اعتقاد، شدت اخلاص، ایمان باللہ، ایمان بالرسول اور اہل بیت رسول کے ساتھ حقیقی اور سچی محبت کے عوض پایا۔

جب آپ ابن عم رسول اللہ امیر المومنین علیہ السلام کی زوجیت کا ہار گلے میں پہنے آستانہ جناب امیر میں قدم رکھنے لگیں تو ولیمز پر رک کر عہد کیا کہ فرزند ان و ریحائین رسول امین، ہامین حضرات حسنین علیہما السلام کی خدمت کروں گی اور واقعاً آپ نے زندگی بھر فرزندگان رسول کو اپنی ذات، اپنی اولاد اور اپنے رشتہ داروں پر مقدم جانا، اپنی اولاد کو ان کی محبت کا درس دیا اور انہی کی محبت پر ان کی

تربیت کی۔ اپنے علم و عمل سے اپنی اولاد کو ذہن نشین کرایا کہ ہمیشہ سبطین نبی کو اپنے نفس پر مقدم رکھنا، اپنی روح و جان کو ان پر ہمہ وقت قربان کرنے کے لیے تیار رہنا۔ جب امام حسین علیہ السلام مدینہ سے مکہ و عراق کی طرف عازم سفر ہوئے تو بی بی نے اپنے سب بیٹوں کو امام کے ساتھ روانہ کیا اور انھیں وصیت کی اور حکم فرمایا: میرے بیٹا کبھی اور کسی قیمت پر اپنے امام و سردار کی نصرت، حفاظت اور دفاع سے غافل نہ ہونا اور تاریخ گواہ ہے کہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ نہ امام سے آگے بڑھے اور نہ نصرت امام سے قدم پیچھے کھینچا اور یوں دنیا و آخرت کے عظیم شرف و ثواب کو پالیا۔

بی بی کی محبت اہل بیت کا معیار دیکھئے کہ جب بشر بن جہلم مدینہ میں شہادت حسین کی خبر لایا۔ بی بی گھر سے نکلیں، بشر سے اپنے بیٹوں کے بارے میں نہیں پوچھا بلکہ کہا کہ مجھے میرے سید و سردار حضرت حسین کا حال بتاؤ۔ بشر آپ کو آپ کے بیٹوں کی شہادت کی خبر ایک ایک کر کے بتاتا جاتا ہے اور آپ بڑے مضبوط دل کے ساتھ اور سکون نفس کے ساتھ سختی ہیں اور حجاب میں کہتی ہیں کہ فدیہ حسین ہوا، فدیہ حسین ہوا۔ پھر پوچھتی ہیں: بشر! میں تم سے اپنے سید و سردار کا پوچھتی ہوں اور تم میرے بیٹوں کی خبر دیتے ہو اور جب آپ کو شہادت امام کی خبر ہوتی ہے تو بلند گریہ و بکا کرتی ہیں اور بے ہوش ہو جاتی ہیں۔

اور یہاں جب اللہ نے آپ کا عروج اخلاص، عظیم محبت و دلائے اہل بیت اور آپ کے قول و فعل کی صداقت دیکھی تو آپ کو دنیا و آخرت کا شرف عطا کیا۔ آپ کو باب الحوائج اور اپنی رضا و ظفران کا وسیلہ قرار دیا۔ جب بھی کوئی حاجت مند اور صاحب مشکل آپ کو اللہ تک واسطہ بتاتا ہے تو اللہ عز و جل اس کی مشکل کو ضرور آسان فرما دیتا ہے۔

باب الحوائج چہارم

چوتھے باب الحوائج حضرت ابوالفضل العباسؑ ہیں اور آپؑ کیا ہی عمدہ باب الحوائج ہیں۔ آپؑ کو یہ عزت و مرتبہ عظیم امتحان اللہ تعالیٰ نے ایثار و وفا کی وجہ سے عطا فرمایا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے معقول معروف زیارت کے الفاظ یوں ہیں:

أَشْهَدُ لَقَدْ نَصَحْتُ لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ وَلَا خِيْنَكَ فَنِعْمَ الْآخُ الْمَوَالِي
 ”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ نے اللہ، رسولؐ اور امام کا حق ادا کیا، آپؑ باوقا بھائی تھے۔“

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہی کے الفاظ ہیں:
 فَنِعْمَ الصَّابِرُ الْمُجَاهِدُ الْحَامِي النَّاصِرُ وَالْآخُ الدَّائِمُ عَنْ أَخِيهِ
 ”آپؑ کمال صابر و مجاہد، محافظ و ناصر اور اپنے بھائی کے دفاع کا حق ادا کرنے والے ہیں۔“

بے شک حضرت ابوالفضلؑ نے اپنے بھائی و سردار سے اخوت و وفا کا حق ادا کر دیا جیسی تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے آپؑ کی مدح و ثنا کرتے ہوئے فہم الاخ المواسی کا لقب عطا فرمایا ہے۔

اور چونکہ حضرت ابوالفضل العباسؑ کا ہم و غم صرف نصرت و حمایت و دفاع امامؑ تھا۔ اسی لیے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے تعریف کرتے ہوئے آپؑ کو فَنِعْمَ الصَّابِرُ الْمُجَاهِدُ الْحَامِي النَّاصِرُ وَالْآخُ الدَّائِمُ عَنْ أَخِيهِ کے الفاظ کا اعزاز دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سرکارِ وفا اللہ، رسولؐ و اہل بیتؑ پر پختہ ایمان اور امام وقتؑ کے کامل ادب کی بدولت اپنے علم و فضل اور سرداری کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور خود

کو اپنے مولا و آقا اور الہی قائد و راہبر کی بارگاہ میں محض ایک سپاہی سمجھتے تھے اور یہ کیسے نہ ہوتا کہ امام حسین علیہ السلام تو تھے ہی مخلوق پر رحمتِ خدا اور منصوص من اللہ والرسول اور حضرت عباسؓ محبتِ خدا کے حق کی خوب معرفت رکھتے تھے۔ آپ نے ساری زندگی حتیٰ کہ عاشوراء کے دن بھی اپنی رائے اور اجتہاد سے کام نہ لیا بلکہ اپنے مولا و امام علیہ السلام کی زبانِ اقدس سے صادر ہونے والے تمام احکام کی بلا کم و کاست تعمیل و اطاعت انجام دی۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ آپ کا جذبہٴ جہاد بھی اذنِ امامؓ کا مختصر رہتا ہے حالانکہ مخالفین وہ بد بخت ظالم و منافق جماعت ہے جو خرمسبتِ خدا و رسولؐ و اہل بیت رسولؐ کو پامال کرنے کے درپے ہے اور تہ تیغ کیے جانے کی کھل مزا دار ہے۔ لیکن امام حسین علیہ السلام اذنِ جہاد نہیں دیتے اور اتنا کہتے ہیں کہ بھیا اگر ضرور ہی جانا چاہتے ہو تو ان اطفال کے لیے کچھ پانی کا بندوبست کر دو۔

ابوالفضلؓ اپنے امامؓ کے دہنِ اقدس سے نکلے ہوئے لفظوں کی اطاعت کرتے ہیں اور اعدا سے جنگ کا ارادہ بدل دیتے ہیں، خیام کا رخ کرتے ہیں اور سوکھا مشکیزہ اٹھا کر پیاسے بچوں کے لیے پانی لانے کے لیے نہرِ علقمہ کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ علیؓ کا شیرِ پلک جھپکتے میں فرات کے گھاٹ سے دشمن کو تتر بتر کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ تین دن کا پیاسا مجاہد فرات میں داخل ہوتا ہے۔ شدتِ پیاس سے کلیجہ جل رہا ہے (فطرتِ انسانی کے مطابق) پانی چلو میں بھر کر منہ کے قریب کرتے ہیں۔ تو امامؓ کی پیاس یاد آ جاتی ہے، چنانچہ خلافِ وفا جان کر پانی پھینک دیتے ہیں۔ جلدی سے مشکیزہ بھرتے ہیں اور خیام کا رخ کرتے ہیں اور ذہن میں فقط ایک ہی خیال ہے کہ جیسے بھی ہو، پانی ان پیاسوں تک پہنچ جائے جن کی نظریں فرات اور مشکیزہٴ عباسؓ پر لگی ہوئی ہیں۔

عباسؑ کی توجہ پانی لانے پر مرکوز ہے، جنگ پر نہیں!

حضرت عباسؑ اپنے بھائیوں بیٹوں کے قاتلوں سے جنگ کرنے کو ترجیح

نہیں دے رہے حالانکہ اپنے شہداء کے قاتلوں سے انتقام لینا ہر غازی کا حق ہے

لیکن حضرتؑ کی اولین ترجیح اطاعتِ حکمِ امامؑ میں پانی خیام تک پہنچانا ہے وگرنہ

عباسؑ جیسا بطلِ عظیم جس نے شجاعتِ امیر المومنین علیؑ جیسے باپ سے وراثت میں

پائی ہو۔ اڈل ترجیح جنگ اور تعاقبِ اعدا کو قرار دے دے تو ہم جنگِ نہروان کو ذہن

میں رکھ کر بلا تامل یہ کہہ سکتے ہیں کہ کوئی ایک دشمن بھی زمین کر بلا پر زندہ نہ بچے

لیکن عباسؑ کے لیے دل کا سکون اتباعِ امرِ امامؑ کرتے ہوئے ان پیاسے بچوں کے

لیے پانی لانا ہے کہ جو شدتِ پیاس سے تڑپ رہے ہیں، جن کی العطش کی صدائیں

فغاہ کر بلا کو چیرتی آسمان تک پہنچ رہی ہیں۔ جب دشمن نے ترجیحِ عباسؑ کا یقین کر لیا

تو ان کے بھاگتے ہوئے قدم رُکے۔ انھوں نے اپنی منتشر جمعیت کو اکٹھا کیا وہ

جانتے تھے کہ اب تو عباسؑ پانی کے لیے آئے ہیں۔ پانی خیموں میں پہنچا کر جب

خالصتا جنگ کی خاطر آئیں گے تو پھر شاید ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچ سکے۔

اور یہ (آلِ عباسؑ کے لیے) بڑی مصیبت کا وقت تھا جب اصولِ حرب کو پاش

پاش کرتے ہوئے ایک شقی القلب کھجور کے درخت کی اُڈ سے اچانک ظلم بھری

ضرب لگائی۔ حضرتؑ کا دایاں بازو شہید ہو گیا پھر کمین گاہ سے ایک دوسرے شقی نے

دار کیا اور حضرتؑ کا بائیں بازو شہید ہو گیا۔ ان ضربوں سے کہیں زیادہ تکلیف

حضرتؑ کو اس وقت ہوئی جب ایک جبرِ جفا منکیز نے میں آگاہ اور سارا پانی بہ گیا۔

یہ وہ وقت تھا جب انتظار کرتے پیاسے بچوں تک پانی پہنچنے کی اُمید ٹوٹ گئی اور اس

کوشش میں بازو بھی ساتھ چھوڑ گئے۔ نیز دشمنانِ حسینؑ سے جنگ کی حسرت بھی دل

ہی میں رہ گئی۔ علیہم بذاتِ الصدور! نے اس عظیم مجاہد کے ایثار و اخلاص کا اجر

دنیا میں یوں دیا کہ دنیا والوں کے لیے باب الحوائج قرار دے دیا یعنی جو بھی شخص آپ کو اپنی دعا میں وسیلہ بنائے گا، خدا اس کی دعا ضرور مستجاب فرمائے گا اور آخرت کا اجر یوں دیا کہ آپ کو کئے بازوؤں کے صدقے میں دو پڑھنا فرما دیے جن کے ساتھ آپ اپنی مرضی سے جنت میں محراب پرواز ہیں، اور آپ کو جنت الفردوس میں وہ اعلیٰ و ارفع مقام و مرتبہ ملا ہے جس پر تمام شہدار شک کرتے ہیں۔

.....●.....

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

حضرت ابوالفضلؑ بحیثیت ساقی

عمل سقایت حضرت کو اجداد و آبائے طاہرین سے وراثت میں ملا۔ شرف سقایت سارے قریش میں سے بنی ہاشم کے ساتھ تقص تھا کیوں کہ بنو ہاشم عزت و شرافت، سخاوت و کرم نوازی میں مشہور تھے۔ یہ صرف بنی ہاشم ہی تھے جو اپنے اموال کو سخاوت اور بڑے دل کے ساتھ خرچ کرتے تھے۔ پانی مہیا کرنے کے لیے اپنی طاقت خرچ کرتے، اللہ کے مہمانوں اور حجاج بیت اللہ کے لیے بلکہ سب انسانوں کے لیے وافر طعام مہیا کرتے تھے اور بنو ہاشم کی یہ صفت اور شرف عوام الناس میں بہت مشہور تھا۔ حتیٰ کہ اصدا بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ معاویہ بن ابی سفیان جو بنو ہاشم کا سخت ترین دشمن تھا یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے:

إِذَا لَمْ يَكُنِ الْهَاشِمِيُّ جَوْادًا لَمْ يَشْبَهْ أَضْلَهُ

”جو ہاشمی خلی نہ ہو وہ اپنی اصل پر نہیں ہے، یعنی جو ہاشمی ہو خلی

ضرور ہوتا ہے۔“

اور تاریخ کے مطابق قتیبہ بن کلابؓ وہ ہستی تھے جنہوں نے حجاج کو پانی پلانے اور اطعام طعام کی بنیاد رکھی۔ پھر یہ صفت ان کے بیٹے عبد مناف، پھر ان کے بیٹے ہاشم نے وراثت میں پائی اور جب حضرت ہاشم فوت ہوئے تو ان کے بیٹے عبد المطلب کم سن تھے تو ان کے ماموں مطلب بن عبد مناف نے سقایت کی ذمہ داری سنبھالی اور جب حضرت عبد المطلب جو ان ہو گئے تو ان کے سپرد کردی جنہوں نے اسے بڑے احسن طریقے سے جاری رکھا۔ پھر اللہ نے حضرت عبد المطلب کے ہاتھ

پر چشمہ زحرم کو دوبارہ جاری و ظاہر فرمایا جو کہ سابقہ قریش کی بد اعمالیوں کی وجہ سے
دیران و پوشیدہ ہو چکا تھا۔

جس طرح اللہ نے آپؐ کے حید بزرگ اسماعیل بن ابراہیم کو چشمہ جاری
کر کے عزت بخشی ایسے ہی حضرت عبدالمطلبؑ کے ہاتھ پر چشمہ دوبارہ جاری کر
کے انھیں بھی عزت بخشی۔ اور جب حضرت عبدالمطلبؑ کی وفات ہوئی تو یہ ذمہ داری
حضرت ابوطالبؑ نے بھائی۔ پھر آپؐ نے سقایت اپنے بھائی عباس بن عبدالمطلبؑ
کے حوالے کی۔ حضرت عباسؑ نے فتح مکہ کے وقت حضورؐ سرور کائناتؐ کے سپرد
کردی لیکن حضورؐ نے انہی کو لوٹا دی کیوں کہ آپؐ کا انداز اور سنت یہی تھی اور آپؐ
کے دینِ حنیف کی تعلیم یہ تھی کہ اگر مٹانی اسلام نہ ہوتا تو ہر فضیلت کو سابقہ بندے
کے پاس ہی رہنے دیتے تھے اور کسی کو اس کے منصب اور حق سے نہ ہٹاتے تھے جو
اسلام سے قبل اس کے پاس تھا لیکن شرط یہ ہے کہ خلاف اسلام نہ ہو اور مرضی جمہور
کے خلاف نہ ہو۔

رسول اللہ کا پانی پلانا

جب حضورؐ اپنے چچا حضرت ابوطالبؑ کے ساتھ تجارتی قافلے شام کی طرف
لے جا رہے تھے تو حسب سابق ایک کنویں پر رُکے جہاں سے سب لوگ ہمیشہ پانی
پیا کرتے تھے۔ پتا چلتا ہے کہ وہ کنواں بند اور خشک ہو چکا ہے تو حضورؐ نے اپنی
انگشت ہائے مبارک کے پوروں سے پانی جاری فرما کر اپنے عم محترم اور سب قافلہ
والوں کو سیراب کیا۔ ایسا کئی دفعہ ہوا کہ آپؐ کے اصحاب کو سخت پیاس لگی تھی اور
اورد گرد کہیں سے بھی پانی دستیاب نہ ہو سکا تو حضورؐ نے بطریق معجزہ اپنے ساتھیوں کو
جی بھر کر پانی پلایا۔

ایک دفعہ مکہ میں خشک سالی سے قحط پڑ گیا۔ حضرت ابوطالبؑ نے رسول اللہ

کا واسطہ دے کر بارانِ رحمت کی دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اتنی بارش ہوئی کہ وادی و صحرا سرسبز ہو گئے۔ اسی موقع پر حضرت ابوطالبؑ نے یہ شعر پڑھا:

وَأَبْيَضُ يَسْتَسْقِي الْغَنَامُ بِوَجْهِهِ

يُمَالُ الْيَتَامَى عِصَّةً لِلْأَهْلِ

”یعنی رسول اللہ کے خوب صورت چہرے سے خود بادل پانی

طلب کرتا ہے۔ آپ ہی کی ذات قیموں اور یتیموں کی محافظ

اور فریادرس ہے۔“

ایک دفعہ اہل مدینہ کے لیے بھی حضورؐ نے نزولِ بارش کی دعا فرمائی۔ ابھی دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ آسمان پر بادلوں کی گھٹائیں اُٹھ آئیں اور اتنی بارش برسی کہ خواص کی چیخ و پکار بلند ہوئی: ”یا رسول اللہ! ہم ڈوب گئے، ہم ڈوب گئے۔ حضورؐ نے بادل سے مخاطب ہو کر فرمایا: ہمارے فائدے کے لیے برس نہ کہ نقصان کے لیے۔“ اسی وقت مطلع یوں صاف ہو گیا (جیسے پادری کا سر بالوں سے صاف ہوتا ہے)۔

بارش کے فوراً ختم جانے پر حضورؐ خوشی سے مسکرائے اور فرمایا: خدا رحمت کرے ابوطالبؑ پر۔ اگر آج وہ زندہ ہوتے تو ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی یعنی بہت خوش ہوتے۔ وہاں پر بنی کنانہ کا ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے یہ اشعار کہے:

لَكَ الْحَمْدُ وَالْحَمْدُ مِمَّنْ شَكَرَ

سُقَيْنَا بِوَجْهِ النَّبِيِّ الْمَطْرُ

وَكَانَ كَمَا قَالَهُ عَمُّهُ

أَبُو طَالِبٍ أَبْيَضُ ذُو خُورٍ

بِهِ اللَّهُ يَسْقِي صَوْبَ الْغَنَامِ



وَكَذَٰلِكَ الْعَقَبَانِ إِنَّكَ الْخَبِيرُ

”ہم نبی طیبہ السلام کے تفکر کے طور پر ان کی مدح و ثنا کرتے ہیں کہ ان کے صدقے میں ہم ہار ان سے سیراب ہوئے اور آپ بقول حضرت ابوطالبؓ کے سفید و خوب صورت چہرے والے ہیں جس کے صدقے اللہ تعالیٰ ہار میں نازل فرماتا ہے اور یہ آنکھیں اور یہ بارش کے پانی سے جاری چشمے اس بات کے گواہ ہیں۔“

حضرت امیرؓ کی اہل بدر کے لیے سقایت

جنگ بدر کا دوران ہے شدید سردی کا موسم اور گھپ اندھیرا ہے، کنواں لشکرِ مشرکین کے قریب ہے۔ سخت اندیشہ ہے کہ جو پانی بھرنے جائے گا دشمن کے ہتھے چڑھ جائے گا۔ ایک مشکل یہ بھی ہے کہ ہاتھ پانی تک نہیں پہنچتا اور کنویں پر کوئی ڈول بھی نہیں ہے۔ کوئی مسلمان پانی لانے کی ہمت نہیں کر رہا۔ جناب امیرؓ اکیلے جاتے ہیں، کنویں میں داخل ہو کر مشکیزہ بھرتے ہیں اور رسول اللہؐ کے خیمہ کی طرف چل پڑتے ہیں۔ راستے میں تین دفعہ اتنی زوردار ہوا سے سامنا ہوتا ہے کہ حضرتؐ کو تھوڑی دیر کے لیے رکتا پڑتا ہے۔ آپ حضورؐ کے پاس پہنچ کر ہوا کے گولوں کا قصہ بتاتے ہیں۔

حضورؐ فرماتے ہیں کہ پہلی دفعہ ہوا کا زور اس لیے تھا کہ جبریلؑ ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ گزرے۔ پھر میکائیلؑ ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ گزرے اور پھر اسرافیلؑ ایک ہزار فرشتوں کے لشکر کے ساتھ گزرے۔ باطلی! سب نے آپؐ کو اس طرح سلام کیا ہے اور وہ ہماری مدد کے لیے آئے ہیں۔

اسی دن سے مشہور ہو گیا کہ طے کے لیے ایک رات میں تین ہزار اور تین

مناقب آئے ہیں۔ اس مضمون کو سید حمیری نے اپنے قصیدہ میں یوں بیان کیا ہے:

ذَٰكَ الَّذِي سَلَّمَ فِي لَيْلَةٍ
عَلَيْهِ وَيُنْكَالُ وَ جَبْرِيلُ
جَبْرِيلُ فِي اللَّيْلِ وَ وَيُنْكَالُ فِي
اللَّيْلِ وَ يَتْلُوهُمْ سَوَافِيلُ
لَيْلَةً بَدَا مَدَامَا أَذْكَوَا
كَانَهُمْ طَهْرًا أَهَابِيلُ

”علیٰ وہ ہیں کہ جن کو بدر کی رات میکائیل و جبریل و اسرافیل
نے ہزار ہزار ملائکہ کی جمیعت کے ساتھ سلام پیش کیا۔ وہ
ملائکہ طہر باطل کی محل مدد لے کر نازل ہوئے تھے۔“

یوم حدیبیہ کی سقامت

حدیبیہ کے دن بھی جناب امیر علیہ السلام ساقی نظر آتے ہیں۔ جب حضور
اپنے اصحاب کے ساتھ مقام جحفہ میں پہنچے ہیں تو وہاں پانی ختم ہو جاتا ہے۔ سید بن
ابی وقاص کو چند افراد کے ساتھ مشکیزے دے کر بھیجے ہیں۔ وہ خالی واپس آتے ہیں
اور کہتے ہیں: یا رسول اللہ! مجھ پر دشمن کا رعب بیٹھ گیا ہے۔ میں آگے جانے کی
ہمت نہیں رکھتا۔ پھر آپؐ نے ایک اور شخص کی سربراہی میں کچھ افراد کو بھیجا۔ وہ شخص
بھی خالی لوٹا اور وہی لفظ دہرائے۔

اب رسول اللہؐ نے علیؑ کو بلایا اور پانی لانے کے لیے اسی جماعت کے ساتھ
بھیجا۔ سب کو یقین تھا کہ یہ بھی حسب سابق خالی ہی لوٹیں گے لیکن علیؑ بے دھڑک
گھاٹ پر وارد ہوتے ہیں، مشکیزے بھرتے ہیں اور حضورؐ کے پاس حاضر ہو جاتے
ہیں۔ آپؐ نے نعرہٴ تکبیر بلند کرتے ہیں اور حضرتؑ کے لیے دعا فرماتے ہیں۔

جناب امیر علیہ السلام کی سقایت کے بے شمار واقعات تاریخ کے سینے پر ثبت ہیں جن میں سے ایک موقع وہ ہے کہ جب لوگوں نے حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ حضرت اُم حبیبہؓ بہت ابی سفیان پانی لے کر گئیں تو ان کو راستے میں روک کر پانی بہا دیا گیا۔ اس وقت حضرت علیؓ نے اپنے بیٹوں کو پانی دے کر حضرت عثمان تک پہنچایا۔

اسی طرح ایک دفعہ جنگ میں معاویہ بن ابی سفیان کے لشکر نے دریائے فرات پر قبضہ کر کے لشکر علیؓ کو پانی لینے سے منع کر دیا اور معاویہ نے کہا: اَقْتُلُوهُمْ عَطْشًا ”ان کو پیاسا قتل کرو“۔

لیکن جب اس کے برعکس جناب امیرؓ نے دریا پر قبضہ کر لیا تو لشکر معاویہ پر پانی بند نہ کیا۔

حسین شریفینؓ کا استسقاء

ایک دفعہ اہل کوفہ کو سخت خشکی کا سامنا تھا۔ حضرت امیرؓ نے شہزادوں کی فضیلت و مقام لوگوں پر آشکار کرنے کے لیے امامین سے طلب باران کے لیے فرمایا۔ ابھی شہزادوں کی دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی اور کوفہ کی خشکی سیرابی میں اور قط باران رحمت میں بدل گیا۔

امام حسینؓ کا کوفیوں کو پانی پلانا

یہ واقعہ ساتی کوفہ کے فردزند کے احسان اور رحم دلی کا ایسا واقعہ ہے جسے تاریخ کبھی نہیں بھول سکتی۔ امام حسینؓ مکہ اور مدینہ کے قیام کو چھوڑ کر کوفہ کے سفر پر روانہ تھے۔ وقت سحر تھا اور قافلہ امامؓ کا پڑاؤ منزل شراف میں تھا۔ آپؓ نے اپنے نوجوانوں کو حکم دیا کہ خوب سیر ہو کر پانی پی لیں اور کوچ کرنے سے پہلے جتنے بھی

برتن کسی کے پاس ہیں، سب پانی سے بھر لیں۔ سب نے تعمیل امر کی لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس امر کی وجہ کیا ہے۔ قافلہ چلا راستے میں حڑ کے لشکر سے سامنا ہوا۔ (حڑ اس وقت سپاہ یزید کا ایک کمانڈر تھا) لشکر کی حالت یہ تھی کہ سورج کی تپش اور گرم آہنی ہتھیاروں کے بوجھ کی وجہ سے جگر کہاب ہو رہے تھے اور شدت پیاس نے انھیں اُدھ موا کر دیا تھا۔ امامؑ کے جاں نثاروں کو زیادہ پانی بھرنے کی وجہ تب سمجھ آئی جب امامؑ نے حکم دیا کہ حڑ کے لشکر کو سیراب کرو۔ ان کے گھوڑوں کو بھی پانی پلاؤ۔ مجاہدین حرکت میں آئے، سارے لشکر کو سیراب کیا پھر بڑے برتنوں میں پانی ڈال کر گھوڑوں کے آگے رکھا۔ جب کوئی جانور تین مرتبہ پانی پی کر سیراب ہو جاتا تو بقیہ پانی اس کے تپتے جسم پر انڈیل دیا جاتا۔ لشکر حڑ سے سب سے آخر میں علی بن طحان محارب نامی شخص پہنچا۔ امامؑ نے اس سے فرمایا: پانی بردار اونٹ کو بٹھاؤ اور مٹک کا منہ کشادہ کر کے پانی پیو۔ وہ شدت پیاس سے اس قدر بے حال تھا کہ کچھ سمجھ نہ پایا۔ تب ساقی کوڑ کے وارث خود کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مشکیزے کا منہ کھولتے ہیں اور اسے پانی پلاتے ہیں نیز فرماتے ہیں کہ اپنے گھوڑے کو بھی خوب سیراب کر لو۔

غیر معمولی حالات میں جناب عباسؑ کی سقایت

حضرت عباسؑ نے ایک ساقی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ آباؤ اجداد طاہرین ہیں تو بھائی حسینؑ، امامین، ہمامین، دنیا و آخرت کے ساقی، لیکن حضرت ابو الفضلؑ نے ایسے منفرد انداز سے اور ایسے کٹھن حالات میں سقایت کی کہ لقب ”سقا“ کو پورے اعزاز کے ساتھ اپنے نام کے ساتھ خاص کر دیا۔

آپ ہر مناسبت اور ہر موقع پر سقایت کے لیے آمادہ نظر آتے ہیں خاص طور پر کربلا میں اور بالخصوص اس وقت کی آپ کی سقایتِ زمانہ بھول ہی نہیں سکتا۔ جب یزید لعین اور امین زیاد ملعون کے حکم سے عمر ابن سعد لعین نے امام حسینؑ کے

اہل بیت و اصحاب پر پانی بند کر دیا۔ یہ بندش آپ سات محرم الحرام اکٹھے ہجری سے
 عاشور کی شام تک برقرار رہی۔

اکٹھے ہجری کا محرم موسم گرما میں آیا۔ وسط عراق کی گرمی بہت سخت اور خشک
 ترین ہوتی ہے۔ اوپر سے جنگ کی آگ درازائی جنگ کی شرر افشانی، اخوان و
 احباب کے مقدس نفوس کو تلواریں اور نیزوں کا نکل جانا یہ ایسے عوامل ہیں جو بدنی
 پیاس میں کئی گنا اضافے کا باعث بنتے ہیں اور یہ مسئلہ ہے کہ ایسے ماحول و حالات
 میں سقایت کرنا بہت بڑی اہمیت اور خاص عظمت کا حامل ہے اور ایسا ساقی یقیناً
 بہت بلند مقام اور درجہ عالیہ کا سزاوار ہے اور یہ مقام فقط حضرت عباس بن علیؓ نے
 اپنی عظیم قربانی سے حاصل کیا ہے۔ تاریخ انہیں اور سر اتر امن اور یس جیسی کتب
 تاریخ و اخبار میں یہ لفظ تحریر ہیں کہ عاشوراء محرم میں اور بالخصوص بندش آپ کے
 ایام میں سطھان کر بلا کے لیے حضرت ابوالفضل العباسؓ نے جو مشکل ترین سقایت
 کی ہے اسی کی وجہ سے آپ کو لقب ”القائم“ ملا ہے۔

حضرت عباسؓ کی کم سنی کی ایک سقایت

ثمرات الاحواد میں روایت درج ہے کہ ایک دن جناب امیر علیہ السلام
 تشریف فرما تھے۔ ان کے گرد رہنما نبی الامین ہامین (نقی بادشاہ) جناب حسین
 اور ان کے پہلو میں حضرت ابوالفضلؓ دو زانو بیٹھے تھے۔ امام حسینؓ نے پیاس محسوس
 کی۔ حضرت عباسؓ نے جان لیا۔ اگرچہ چھوٹی سی عمر تھی، لیکن فوراً کھڑے ہو کر گھر
 کی طرف روانہ ہوئے اور اپنی والدہ محترمہ ام البنینؓ سے عرض کیا: اماں جان!
 میرے مولا و سردار امام حسینؓ پیاسے ہیں، ٹھنڈا پانی مہیا کریں۔

مخدومہ فوراً کھڑی ہو گئیں اور جلدی سے کاسہ آب پُر کیا اور حضرت عباسؓ
 کے سر پر رکھ کر بڑی محبت و احترام سے فرمایا: اپنے مولا و آقا حسینؓ کے پاس لے

جاؤ۔ حضرت عباسؓ پانی لے کر اپنے مولاؑ کی طرف چلے۔ مغر سنی کی وجہ سے پانی پوری طرح سنبالا نہیں جا رہا ہے اور کاسے سے اُچھل کر شانوں پر پڑ رہا ہے۔ حضرت امیرؓ کی نظریں اس منظر کو دیکھتی ہیں تو واقعہؑ کربلا کی تصویریں سامنے آ جاتی ہیں۔ آنکھیں برسنے لگتی ہیں، اٹھکوں سے رخسار بھیگ جاتے ہیں۔ آپؓ حضرت عباسؓ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں: بیٹا عباسؓ! تم ساقیؑ عطا شادؑ کربلا ہو۔ پس اسی سے آپ کا نام ”القاسم“ پڑ گیا۔

.....●.....

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

تہسواں خصیصہ

حضرت عباسؓ ساقی عطا شاء کر بلا

إِذَا كَانَ سَاقِي النَّاسِ فِي الْحَشْرِ حَيْدَرًا
فَسَاقِي عَطَاشَاءَ تَكْرِيلاً أَبُو الْفَضْلِ
عَلَى أَنَّ سَاقِي النَّاسِ فِي الْحَشْرِ قَلْبُهُ
مُرِيحٌ وَهَذَا بِالْظَّنِّ قَلْبُهُ يَغْلِي

”میدانِ حشر میں لوگوں کے ساقی حیدر کراڑ ہیں تو کر بلا کے
پیاسوں کے ساقی ابوالفضل العباسؓ ہیں، مگر فرق یہ ہے کہ حشر
کے ساقی کا دل سرور ہوگا جب کہ ساقی کر بلا خود پیاسا ہے
اور دل شدتِ پیاس سے اُبل رہا ہے۔“

سید جعفر علیؒ کر بلا والوں کی پیاس اور سقیتِ عباسؓ کو یوں نظم کرتے ہیں:

أَوْ تَشْتَكِي الْعَطَشَ الْفَوَاطِمُ عِنْدَهُ
وَبَصْدَرٍ صَعِدَتْهُ الْفَوَاتُ الْمُنْعَمُ
لَوْ سَدَّ ذُو الْقَرْنَيْنِ دُونَ وَرُودِهِ
نَسَقَتْهُ هِمَّتُهُ بِمَا هُوَ أَكْظَمُ
وَلَوْ اسْتَقَى نَهْرَ الْمَجْرَى لَا تَرْتَقَى
وَطَوِيلُ ذَابِلِهِ إِلَيْهَا سُلْمٌ

”حضرت ابوالفضل العباسؓ واقعی ساقی عطا شاء کر بلا کے لقب
و اعزاز کے سزاوار ہیں۔ عباسؓ کی عظیم ہمت، عزم اور

غیرت برداشت نہیں کر سکتی کہ اولاد قاطعہ سے کسی فرد کو پیاسا یا پانی کے لیے فریاد کرتا ہوا دیکھے چاہے ذوالقرنین جیسی مضبوط قوت ہی سہی راہ کیوں نہ بن رہی ہو۔ عہاس ان کے لیے آب فراواں مہیا کر دیں۔ نہر فرات کی توبہات ہی چھوڑیں اگر آسمانوں میں موجود کسی نہر سے پانی لانا ہو جب بھی وہ اپنے لیے نیزے کو سیڑھی بنا کر آسمانوں کی بلندیوں پر چڑھ جائیں اور اولاد سیدہ کے لیے پانی بھر لائیں۔ اور واقعاً حضرت عہاس ایسے ہی ایک طاقت ور با اختیار سردار اور پیش قدمی کرنے والے مجاہد کا نام ہے۔“

دواہم باتیں

اس خصیصہ کے شروع میں درج دو اشعار ایسی دواہم باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو وضاحت طلب ہیں:

پہلی بات: اشعار میں بتایا گیا ہے کہ سقایت کوئی کم اہمیت والا کام نہیں بلکہ عظیم مرتبہ و مقام رکھتا ہے۔ یہاں دو ساقیوں کا ذکر ہے۔ ان میں سے اول الذکر بلا شک و شبہ زیادہ عظیم درجہ رکھتے ہیں لیکن دونوں ساقیوں میں ایک مماثلت ضرور ہے۔ وہ یہ ہے کہ جناب امیر حوض کوثر پر قیاس کبریٰ کے دن کے ساقی ہیں اور حضرت ابوالفضل نہر فرات پر عاشور کی قیاس صغریٰ کے ساقی ہیں۔

دوسری بات: اگر دونوں سقایتوں میں موازنہ کیا جائے تو ایک سقایت دلوں کو غمگین کرنے اور ان میں رقت پیدا کرنے کے حوالے آگے بڑھی ہوئی نظر آتی ہے کیوں کہ ساقی کے لیے ضروری ہے کہ خود پیاسا نہ ہو جب کہ ساقی عطاشاء کر بلا (کر بلا کے پیاسوں) کا گلا شدت پیاس سے خشک ہے۔ سامع کے ذہن میں

سوال ابھر سکتا ہے کہ جو خود پیاسا ہے وہ ساقی کیسے ہو سکتا ہے۔ لیکن حضرت عباسؓ واقعاً پیاسوں کے لیے پانی لائے مگر خود پانی نہ پیا کہ جب تک آقا و مولا پیاسے ہیں پانی کیسے ہوں؟

اسی وفا کی وجہ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حروفِ زیارت میں حضرت عباسؓ کی شان میں فَنَعْمُ الْاَخِ الْعَوَاسِ (بہت وقادار بھائی) کے الفاظ کہے ہیں جو حضرتؓ کے لیے قیامت تک کے لیے فخر اور آخرت کے لیے توشہ ہیں۔

سقایت قرآن وحدیث میں

یہ واضح ہے کہ عملِ سقایت ان اعمالِ حسنہ و شریفہ و جلیلہ میں سے ہے جن کی مدح و تعریف خدا و رسولؐ نے کی ہے اور اسلام و صل ان کی بجا آوری کی دعوت دیتے ہیں۔ سورہ مجرمیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَأَرْسَلْنَا الزَّيْبَ كَذَّابًا فَاتَّكَلْنَا عَلَيْهِمْ فَاتَّكَلْنَا عَلَيْهِمْ فَاتَّكَلْنَا عَلَيْهِمْ
فَأَنزَلْنَا سَآءَ الْمَطَرِ لِقَوْمِهِمْ فَاْتَتْهُمْ السَّحَابُ بِمَوَاقِفٍ
أَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَاتُنا فَكُنُوا مُتَّقِينَ

”اور ہم ہی نے وہ ہوائیں بھیجیں جو بادلوں کو پانی سے بھرے ہوئے ہیں پھر ہم ہی نے آسمان سے پانی برسا دیا۔ پھر ہم ہی نے تم لوگوں کو وہ پانی پلایا۔“

دوسری جگہ سورہٴ مرسلات میں ارشاد ہوا ہے:

(وَأَسْقَيْنَكُم مَّاءَ قُرًاتًا)

”اور ہم نے تم لوگوں کو میٹھا پانی پلایا۔“

سورہٴ دہر میں فرمایا:

(وَسَقَّيْنَاهُمْ مَّا فِيهِمْ شَرًّا تَابَا طَهُوْرًا)

”اور ان کا رب انہیں پاک شراب پلائے گا۔“

نیز سورہ قہص میں واقعہ موسیٰؑ میں ذکر ہے کہ جب وہ مدائن کے پانی پر پہنچے تو انہوں نے دو عورتوں کو دیکھا جو اپنے جانوروں کو ہانک کر پانی پلانے لے جا رہی تھیں: فَسَقَى لَهُمَا، پس حضرت موسیٰؑ نے ان کے لیے سقایت کا کام انجام دیا۔

ذیل میں سقایت کے بارے میں چند احادیث لکھی جاتی ہیں:

❖ أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ : إِيْرَادُ الْكَبِيْدِ الْحَسِرِيِّ

”یہاں سے جگر کو پانی پلا کر سیراب کرنا افضل ترین عمل ہے۔“

❖ أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ : إِيْرَادُ كَبِيْدِ حَامِرٍ ، وَ أَفْضَلُ

الصَّدَقَةِ صَدَقَةُ الْمَاءِ

”افضل صدقہ پیا سوں کو پانی پلانا اور افضل صدقہ پانی کا

صدقہ ہے۔“

❖ مَنْ سَقَى عَطْشَانًا أَعْطَاهُ اللَّهُ بِكُلِّ قَطْرَةٍ يَبْتَلِيهَا

قَنْطَرًا فِي الْجَنَّةِ وَسَقَاةٌ مِنَ الرَّحِيْقِ الْمُخْتَوِمِ ، وَإِنْ

كَانَ فِي فَلَاةٍ مِنَ الْأَرْضِ وَهَذَ جِيَاظُ الْقُدْسِ مَعَ

النَّبِيِّنَّ

”جو کسی پیا سے کو پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ اسے جنت میں ہر

قطرہ کے عوض سونے کا ڈیر عطا فرمائے گا اور اسے مہر لگی

خالص شراب سے سیراب کرے گا اور اگرچہ وہ کسی بھراہی

میں کیوں نہ ہوگا، حکم خدا انہما کے ساتھ جنت کے حوضوں پر

وارد ہو جائے گا۔“

﴿۴﴾ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يُحِبُّ إِتْرَاكَ الْكَبِيدِ الْحَرَاءِ ، وَمَنْ سَقَى كَبِدًا حَرَاءً مِنْ بَهْنِمَةٍ ، أَوْ غَيْرِهَا لَا ظِلَّهُ اللَّهُ تَعَالَى يَنْوَمُ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ

”بے شک اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ پیاسوں کو پانی پلایا جائے اور جو کسی چوپائے وغیرہ کو پانی پلائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اس دن سایہ نصیب کرے گا جس دن سوائے اللہ کے سائے (لواء الحمد) کے کوئی سایہ نہ ہوگا۔“

﴿۵﴾ إِمَّا نْ خِصَالٍ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ أُمَّتِي حَشَرَهُ اللَّهُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَأَرَوَى عَطَّشَانَا

”میری امت میں سے جو شخص ان آٹھ خصلتوں پر عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو بروز قیامت انبیاء و صدیقین و شہداء و صالحین کے ساتھ محشور فرمائے گا۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جو پیاسے کو سیراب کرے گا۔“

﴿۶﴾ سَبْعَةُ أَسْبَابٍ يُكْتَبُ لِلْعَبْدِ ثَوَابُهَا بَعْدَ وَفَاتِهِ..... أَوْ خَفَرٍ بَثْرًا أَوْ أَجْرَى نَهْرًا

”سات الہاب ایسے ہیں جن کا ثواب بندے کے لیے اس کی موت کے بعد بھی لکھا جاتا رہتا ہے..... جو کنواں کھودے یا نہر جاری کرے۔“

خَسَنُ مَنْ أَتَى اللَّهَ بِهِنَّ أَوْ بِوَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ مَنْ سَقَى هَامَةً صَادِيَةً.....

”پانچ اعمال ایسے ہیں کہ جو کوئی ان کے ساتھ یا ان میں سے ایک عمل کے ساتھ اللہ کے پاس آئے گا، اللہ اس کے لیے جنت واجب کر دے گا..... جو کسی یا سے کو سیراب کرے گا۔“
نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کوئی ایسا عمل بتائیں جو ہمیں جنت میں لے جائے تو آپؐ نے فرمایا:

اشْتَرِ سِقَاءَ اجْدِيدٍ ثُمَّ اَسْقِ بِهَا حَتَّى تُخْرِقَهَا فَاتَكَ لَا تُخْرِقَهَا حَتَّى تَبْلُغَ اَعْلَى الْجَنَّةِ

”ایک نیا کنواں خریدو پھر اس کے ٹنگ ہونے تک لوگوں کو سیراب کرتے رہو، یقیناً اس کے ٹنگ ہونے سے پہلے تم جنت میں اعلیٰ مقام پا لو گے۔“

﴿ حضور نے ایک دن صبح کی نماز کے بعد اپنے اصحاب سے فرمایا:

مَعَاشِرَ اَصْحَابِي! رَأَيْتُ الْبَارِحَةَ عَتَمِي حَمْرَةً بَنَ عَبْدِ الْمَطْلَبِ وَاعْنَى جَعْفَرُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَبَيْنَ اَيْدِيهِمَا طَبَقٌ، مِنْ نَبِيٍّ فَاَكَلَا سَاعَةً ثُمَّ تَحَوَّلَ النَّبِيُّ عِنَبًا فَاَكَلَا سَاعَةً فَتَحَوَّلَ الْعِنَبُ رَطْبًا فَكُنْتُ مِنْهُمَا فَقُلْتُ: يَا بِي اَتَنْتُمَا اَحَى الْاَهْمَالِ وَجَدْتُمَا اَفْضَلَ؟ قَالَا فَذَيْنَاكَ بِالْاَبَاءِ وَالْاُمَمَاتِ وَجَدْنَا اَفْضَلَ الْاَهْمَالِ : الصَّلَاةُ عَلَيْكَ ، وَسَقَى الْمَاءِ وَحُبُّ عَلِيٍّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ

”اے میرے صحابہ کی جماعت! گزشتہ رات میں نے اپنے چچا حمزہ بن عبدالمطلب اور اپنے بھائی جعفر بن ابی طالب کو دیکھا، ان کے ہاتھوں میں سیبوں کا ایک طشت تھا۔ انھوں

نے اس سے کچھ کھایا پھر وہ طشت انگوروں کے طشت میں تبدیل ہو گیا۔ انھوں نے اس سے بھی کچھ کھایا۔ پھر اُس میں کھجوریں بدل کر آگئیں۔ میں ان کے قریب ہوا اور کہا: میرا باپ آپ پر قربان! کون سے عمل کو آپ نے افضل ترین پایا؟ تو انھوں نے کہا: ہمارے آباؤ اُمہات آپ پر قربان! ہم نے ان تین اعمال کو افضل پایا۔ آپ پر درود و صلوات بھیجا، پانی پلانا اور علی ابن ابی طالبؑ سے محبت رکھنا۔“

﴿۱﴾ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَطْعَمَ مُؤْمِنًا جَاءَهُ أَطْعَمَهُ اللَّهُ مِنْ ثَمَرِ الْجَنَّةِ وَمَنْ سَقَى مُؤْمِنًا ظَامِمًا سَقَاهُ اللَّهُ مِنَ الرَّحِيْقِ الْمَخْتَوِي
”جو شخص کسی بھوکے مومن کو کھانا کھلائے اللہ اسے جنت کے میوے عطا کرے گا اور جو کسی پیاسے مومن کو پانی پلائے اللہ اسے خالص مہرگی شراب سے سیراب فرمائے گا۔“

﴿۲﴾ حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ سَقَى مُؤْمِنًا شَرِبَهُ مِنْ مَاءٍ مِنْ حَيْثُ يَقْبَهُ عَلَى الْمَاءِ أَطْعَمَهُ اللَّهُ بِكُلِّ شَرِبَةٍ سَبْعِينَ آلَافَ حَسَنَةً وَإِنْ سَقَاهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَقْبَهُ عَلَى الْمَاءِ فَكَأَنَّا أَهْتَقَ عَشْرَ بَرَاقِبٍ وَمِنْ ثَمَرِ الْجَنَّةِ
”جو شخص کسی مومن کو اپنی قدرت کے مطابق ایک گھونٹ پانی

پلائے اللہ تعالیٰ اسے ایک گھونٹ کے بدلے ستر ہزار نیکی عطا کرے گا اور اگر کوئی کسی مومن کو اپنی قدرت سے بڑھ کر پانی پلائے گا تو گویا اس نے اولادِ حضرت اسماعیلؑ سے دس غلاموں کو آزاد کیا۔“

﴿۱۶﴾ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ سَقَى الْمَاءَ فِي مَوْضِعٍ يُوجَدُ فِيهِ الْمَاءُ كَانَ كَمَنْ
اَخْتَلَقَ رَقَبَةً وَمَنْ سَقَى الْمَاءَ فِي مَوْضِعٍ لَا يُوجَدُ فِيهِ
الْمَاءُ كَانَ كَمَنْ اَحْيَا نَفْسًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا اَحْيَا
النَّاسَ جَمِيعًا

”جو شخص ایسی جگہ پر کسی کو پانی پلائے جہاں پانی موجود ہو تو وہ اس کی مثل ہے جس نے ایک غلام آزاد کیا اور جو ایسی جگہ پر پانی پلائے، جہاں پانی موجود نہ ہو یعنی دُور سے لا کر پلائے تو وہ اس شخص کی مثل ہے جس نے کسی نفس کو زندہ کیا اور (بمطابق قرآن) جس نے ایک نفس کو زندہ کیا گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی بخشی۔“

﴿۱۷﴾ حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ مُؤْمِنٍ يُطْعِمُ مُؤْمِنًا شَبَقَةً مِنْ طَعَامٍ إِلَّا اطْعَمَهُ
اللَّهُ مِنْ طَعَامِ الْجَنَّةِ وَلَا سَقَاءَ رَيْبَةٍ إِلَّا سَقَاهُ اللَّهُ مِنَ
الرَّيْحَانِ الْمُخْتَلِمِ

”جو مومن کسی مومن کو پیٹ بھر کر کھانا کھلاتا ہے اللہ تعالیٰ ضرور اسے جنت کے کھانے کھلائے گا اور جو کسی مومن کو پانی پلاتا ہے اللہ تعالیٰ ضرور اسے مہر لگی خالص شراب سے سیراب فرمائے گا۔“

﴿۳۳﴾ نیز حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَرْبَعَةٌ مَنْ أَتَى لِوَاحِدَةٍ مِنْهُمْ دَخَلَ الْجَنَّةَ مَنْ سَقَى
هَامَةً ظَامِيَةً.....

”چار کام ایسے ہیں کہ جن میں سے اگر کوئی ایک بھی انجام دے گا تو جنت میں داخل ہوگا..... جو کسی پیاسے کو پانی پلائے۔“

﴿۳۴﴾ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے ایک صحابی کے ساتھ مکہ کے سفر پر تھے، آپؑ نے کانٹے دار جھاڑی کے نیچے ایک مخص کو چٹ لیٹے ہوئے دیکھا، آپؑ نے اپنے صحابی سے فرمایا: جا کر دیکھو اسے کیا مسئلہ ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ اسے پیاس نے پچھاڑ دیا ہو۔

راوی کہتا ہے کہ میں اس کے پاس گیا، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ مخص ایک نصرانی ہے اور شدت پیاس سے بد حال ہے۔ پس میں نے امامؑ کے پاس آ کر یہ خبر پہنچائی تو آپؑ نے فرمایا:

إِذْهَبْ إِلَيْهِ بِالنَّاءِ وَأَسْقِهِ ، فَإِنَّ لِكُلِّ كَيْبٍ حَوَاءً أَجْرًا
”اس کے پاس پانی لے جاؤ اور اسے پلاؤ کیوں کہ ہر پیاسے کو پانی پلانے میں بڑا اجر ہے۔“

﴿۳۵﴾ حضرت امام ابو الحسن موسیٰ بن جعفرؑ نے اپنے آبا کے واسطے سے

پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ حضورؐ نے شبِ معراج جنت میں ایک کتے والے شخص کو دیکھا جس نے پانی پلا کر کتے کو مرنے سے بچایا تھا۔ یعنی پیاسے کتے کو پانی پلانے کے سبب ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخل کر دیا۔

﴿انھی معصوم سے نیز روایت ہے کہ ایک عورت نے صحرا میں ایک پیاسے کتے کو دیکھا جو شدتِ پیاس کی وجہ سے قریب الموت تھا۔ وہاں ایک کنواں تھا جس میں پانی کم اور گہرائی زیادہ تھی۔ وہ عورت کنویں میں اُتری، اپنے جوتے کو پانی سے بھرا، جوتا منہ میں پکڑ کر باہر نکلی اور کتے کو پانی پلایا یہاں تک کہ وہ سیراب ہو گیا اور موت سے بچ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کے اس عملِ خیر کے سبب اس پر رحم فرمایا اور اس کے گناہ معاف فرمادیے۔﴾

﴿مروی ہے کہ ایک دفعہ جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو فرما رہے تھے کہ پاس سے ایک بلی گزری جو بار بار پانی کو دیکھ رہی تھی۔ آپؐ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ یہ پیاسی ہے اور پانی کا برتن بلی کے قریب کر دیا۔ جب بلی نے پانی پی لیا تو بچے ہوئے پانی سے آپؐ نے وضو فرمایا۔﴾

حضرت ابو الفضلؓ کی کربلا میں پہلی سقایت

بے شک سقایت اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ، امداد و صالحین بندوں کا عمل اور شیوہ ہے اور یہ اجرِ عظیم اور ثوابِ جزیل کا حامل ہے اور حضرت ابو الفضلؓ نے اس کی انتہائے ثواب کو پایا ہے۔ تاریخ میں ہے کہ جب ابن زیاد نے پیرِ سرحد کو لکھا کہ امام حسینؓ اور ان کی اہل بیتؓ پر پانی بند کر دو تو اس نے ایسا ہی کیا۔ جب خیامِ حسینیؓ میں پانی کم پڑ گیا تو امامؓ نے حضرت عباسؓ کو بلایا اور بیس گھڑ سواروں کے ہم راہ پانی لینے کے لیے بھیجا اور واضح رہے کہ یہ سات محرم کی شام یعنی آٹھویں کی رات کا واقعہ ہے۔ رات کا وقت تھا اور سیاہ اندھیرا ہر طرف اپنے پَر پھیلا چکا تھا۔ ان

میں سواروں میں سے ایک حضرت ہلال بن نافع بکلی تھے۔ ان کے اور فرات پر مامور موکل عمرو بن حجاب کے مابین دوستی اور قربت داری تھی۔ سب سے پہلے ہلال فرات میں داخل ہوئے۔ جب عمرو نے آہٹ محسوس کی تو زور سے چلایا؟ کون ہے؟ حضرت ہلال نے جواب دیا: میں ہلال ہوں، اکیلا تیرا چچا زاد۔ پانی پینے کے لیے آیا ہوں۔ عمرو نے اس کی آواز پہچانتے ہوئے کہا: ہاں ٹھیک ہے جی بھر کر پیو۔ حضرت ہلال بکلی نے اس فرصت کو قیمت جانتے ہوئے اپنے چچا زاد عمرو کو دھت و نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم مجھے تو پانی پینے کی اجازت دیتے ہو لیکن رسول اللہ کے نواسے اور ان کے پیارے اہل بیت پر پانی بند کرتے ہو؟ اس بات نے عمرو کے دل پر کچھ اثر کیا لیکن فوراً وہ غیر انسانی موقف پر اتر آیا اور کہا: تیری بات ٹھیک ہے لیکن معاملہ میرے ہاتھ میں نہیں ہے میں تو صرف وہی کروں گا جس کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔

عمرو کی اس بات سے ہلال نے اس کے دل میں بھی گم راہی اور شیطانی و نفسانی مکرو ہوس کو بھانپ لیا اور اس کے جواب میں کچھ نہ کہا اور اپنے ساتھیوں کے پاس آ کر کہا: جلدی سے اپنے مشکیزے وغیرہ پانی سے بھر لو۔ ان میں گھڑ سواروں میں سے کچھ باہر دفاع پر کھڑے رہے اور کچھ حضرت عباسؓ کے ساتھ دریا میں داخل ہوئے اور مشکیزے بھر کر خیام کی طرف متوجہ ہوئے۔ دوسرے ساتھی بھی پانی کا دفاع کرتے ہوئے ارد گرد ہو لیے اور بحفاظت خیام تک پہنچ گئے۔ اس مہم میں عمرو کے چار ہزار سپاہیوں میں سے جو کھات پر مامور تھے بہت سے فی النار ہوئے اور بہت سے زخمی بھی ہوئے۔ اس کامیاب مہم اور پانی کی فراہمی کی وجہ سے ساسی مہم شاہ کربلا کا لقب پایا۔ کربلا میں ہندش آب کے بعد یہ حضرت کی پہلی کامیابی ہے، آخری نہیں۔

دوسری سقاہت

محدث قی نے خبی الآمال کے حاشیہ میں بیہقی کی کتاب ”الحاسن والمساوی“ سے نقل کیا کہ جب امام حسینؑ اپنے اہل بیتؑ و اصحاب کے ہم راہ کر ہلا میں قیام پذیر ہوئے تو آپؑ کے خیام اور نہ فرات کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ تھا۔ پھر فوج اشتیاء درمیان میں حائل ہوگئی اور دریا تک کا راستہ اصحاب امامؑ پر مسدود کر دیا۔ شر نے اونی آواز میں امامؑ و اصحاب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ دیکھو فرات کا پانی کیسے سانپ کی طرح اٹل کھاتا ہوا بہ رہا ہے لیکن ہمارے فوجی دستے تمہیں اس کا دانہ بھی نہیں گھسنے دیں گے۔

یہ سن کر حضرت عباسؑ امامؑ کے پاس آئے اور عرض کیا: مولانا کیا ہم راہ حق پر نہیں ہیں؟

امامؑ نے فرمایا: واللہ ہم حق پر ہیں۔

حضرت عباسؑ نے پیاسے بچوں اور بیویوں کے لیے پانی لانے کی اجازت مانگی۔ اجازت ملنے کے بعد حضرتؑ نے گھاٹ پر قبضہ کیا۔ چار ہزار فوجیوں پر ایسا زوردار حملہ کیا کہ سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ میں آپؑ نے گھاٹ سے لے کر خیام حسینؑ تک میدان کو دشمن سے خالی کر دیا اور امامؑ و اصحاب امامؑ کے لیے پانی پیچے اور خیام تک پانی پہنچانے میں کوئی رکاوٹ نہ رہنے دی۔ یہ سقاہت علیؑ کا ظاہر نویں عزم کو شر کے کربلا میں آنے کے بعد ہوئی۔

تیسری سقاہت

پھر جب عاشور کا دن آیا اور ابن سعد نے جنگ شروع کی اور آل رسولؐ پر چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں امامؑ کے بہت سے جاں نثار شہید ہو گئے۔ اسی وقت حضرتؑ نے اتام جمع کی خاطر استکانہ بلند کیا:

”أَمَّا مِنْ مُّغِيبٍ يُفِيقُنَا“ ہے کوئی فریاد سننے والا جو ہماری فریاد سنے؟“
 ”أَمَّا مِنْ ذَابٍ يُذْثِبُ عَنْ حَدِّهِ رَسُولِ اللَّهِ“ ہے کوئی حرم رسول اللہ
 کے پردے کی حفاظت کرنے والا؟“

استقامتِ امامت سن کر فوراً حضرت عباسؓ امام کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں
 اور اجازتِ جنگ طلب کرتے ہیں۔ امامؓ بھائی کی دونوں آنکھوں کے درمیان ہوسہ
 دیتے ہیں اور جنگ کی اجازت نہیں دیتے بلکہ فرماتے ہیں: عباسؓ ابچوں کے لیے
 پانی لاؤ۔ حضرت عباسؓ حکمِ امامؓ کی تعمیل کرتے ہوئے مشکیزہ اٹھا کر فرات کا رخ
 کرتے ہیں۔ جب گھاٹ میں داخل ہونے کا ارادہ کرتے ہیں تو سپاہی مانع ہو جاتے
 ہیں۔ حضرت ان کو منتشر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

”میں عباسؓ بن علیؓ ہوں، خاندانِ کلابیہ کا نواسہ۔ میں پیاسا
 ہوں اور محمدؐ کے اہل بیتؑ پیاسے ہیں، تمہیں شرم نہیں آتی کہ
 صحرا کے جانوروں تک کے لیے تو پانی مباح ہے اور آل
 رسولؐ پر اسے حرام کرتے ہو۔“

دریا میں داخل ہو کر مشکیزہ بھرتے ہیں اور خیام کو چلتے ہیں۔ گھاٹ کے محافظ
 سپاہی سدراہ بنے ہیں۔ عباسؓ رجز بھی پڑھتے جاتے ہیں اور رکاوٹ بننے والوں
 سے قتال بھی کرتے جاتے ہیں حتیٰ کہ دشمن کے سو گمزواروں کو واصلِ جہنم کر کے
 پانی بحفاظت خیام تک لے آتے ہیں، پانی آنے پر بچے خوش ہو جاتے ہیں لیکن
 ایک مشکیزہ پانی اتنے بچوں کو مکمل سیراب نہیں کر سکتا۔ بس کچھ تسلی کا باعث بنتا ہے۔
 یہ سقایتِ روایت کی بنا پر حضرت ابوالفضلؓ کی تیسری سقایت ہے جو عاشور
 کے دن ہوئی اور حضرتؓ کی چوتھی سقایت کہ بلا کی عاشور کی وہ سب سے مشہور
 سقایت ہے جو آپؐ کی شہادت کی وجہ سے ادھوری رہ گئی۔

چودھواں خصیصہ

حضرت ابو الفضلؑ ہر پیا سے کے لیے ساتی ہیں

حضرت ابو الفضلؑ کی سقایت کی فعلیت ہر ساتی کی سقایت پر قائم ہے۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ امام حسین علیہ السلام مدینہ منورہ میں مسجد نبویؐ میں تشریف فرما تھے۔ آپ کو پیاس لگی تو شہزادہ عباسؑ نے محسوس کر لیا۔ عباسؑ ابھی آپؐ کم سن تھے البتہ کسی کو بتائے بغیر فوراً اٹھتے ہیں، مسجد سے نکل کر جلدی گھر پہنچتے ہیں۔ ایک نفیس کا سے میں پانی لاکر پورے احترام کے ساتھ امام عالی مقامؑ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ حضرت آپؐ کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور آپؐ کے لیے دعائے خیر کرتے ہیں اسی لیے آپؐ کا لقب ”اللقا“ ہے اور آپؐ کی کنیت ابو القریہ (ماہلی) ہے۔

زندگی میں پانی کی اہمیت

واضح ہے کہ زندگی میں پانی کی بڑی اہمیت ہے۔ زندگی کی ہر بات و تسلسل کے لیے اس کی ترقی و زندگی اور فراست کے لیے پانی بڑا بالغ اثر رکھتا ہے حتیٰ کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں سورۃ انبیاء میں ارشاد فرمایا:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ

”اور ہم نے پانی سے ہر جان دار شے کو پیدا کیا۔“

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے جب کسی نے پوچھا کہ پانی کا حرا اور ذائقہ کیا ہے تو آپؑ نے فرمایا: پانی کا حرا اور ذائقہ زندگی جیسا ہے۔

جیسا کہ حضرت ابن عباسؑ نے بادشاہ روم کے بھیجے ہوئے ایک معمر کو آیت

قرآنی کی مدد سے حل کیا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ وہ صحابی ہیں جنہوں نے حضرت امیر المومنینؓ سے متعدد علوم بالخصوص کتاب اللہ کی تفسیر سیکھی۔ واقعہ یوں ہے کہ بادشاہ روم نے معاویہ بن ابی سفیان کے پاس شیشے کی ایک بوتل بھیجی اور کہا کہ اس میں سب کچھ بھر دو۔ معاویہ تھمر ہوا۔ آخر حضرت ابن عباسؓ سے مدد چاہی۔ انہوں نے کہا کہ اس کو پانی سے بھر کر بھیج دو کیوں کہ بمطابق آیت، اللہ تعالیٰ نے پانی سے ہر جان دار کو خلق فرمایا ہے۔ جب پانی کی بوتل بادشاہ روم کے پاس پہنچی تو وہ بڑا حجب ہوا اور داد دیتے ہوئے کہا کہ اس کے باپ نے اسے بڑا ذریعہ بنایا ہے۔

پانی امام حسینؓ کے صدف میں خلق ہوا ہے
اللہ تعالیٰ نے مطلق ارض و سما اور خمس و قمر سے پہلے شامیں مارتے ہوئے پانی کو خلق فرمایا۔ سورہ ہود میں فرمان خداوندی ہے:
وَكُنَّ حَزَقًا عَلَى السَّمَاوَاتِ
”اور اس کا عرض پانی پر تھا۔“

پھر اس نے پانی ہی سے تمام مخلوقات: زمین و آسمان خلق فرمائے جیسا کہ نوح البلاغہ میں فرمان امیر المومنینؓ ہے کہ پانی تخلیق کی بنیاد ہے اور خلقت و تخلیق امام حسینؓ کی مرہون صفت ہے پس تمام عالم امام حسینؓ کی وجہ و اقدس کے عظیم معرض وجود میں آیا۔ اگر کوئی اس بات کو بلا واسطہ تسلیم نہ کرے تو اسے بالواسطہ ماننا پڑے گا کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسلم حدیث ہے کہ ”حسینؓ مجھ سے ہیں اور میں حسینؓ سے ہوں“ اور اس سے قبل حدیث قدسی میں خدا اپنے محبوب سے فرما رہا ہے:
لَوْلَا اَنْ لِّمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاقَ ”اگر آپؐ نہ ہوتے تو میں زمین و آسمان کو خلق نہ کرتا۔“ اور درج بالا حدیث کے مطابق امام حسینؓ کو لاک میں شامل ہیں۔
پس نتیجہ یہ ہے کہ تمام عالم اور زندگی پانی سے خلق ہوئے ہیں اور پانی امام



حسینؑ کی وجہ اور مصدقہ سے غلط ہوا ہے۔ اور جبریلؑ ائین نے حکم خدا پانی کو جناب سیدہ طاہرہ علیہا السلام کا حق مہر قرار دیا۔
اور روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے لیے پانی کو مباح مطلق قرار دیا ہے اور اس کے استعمال میں تمام لوگوں کو شرعاً ایسا کیا ہے اور قیامت کے دن تمام اعمالِ صالحہ میں سے غیب سے پہلے عملِ سقایت کا اجر و ثواب بندے کو پہنچے گا۔ تو گویا پانی پلانے کے عمل کو خصوصی انفرادیت حاصل ہے جو کسی اور عمل کو حاصل نہیں۔

ساقی مطلق

حضرت عباسؓ نے اپنی زہیت اور توانائیوں کو امام حسینؑ علیہ السلام، ان کی اولاد یعنی ذریت رسولؐ اور حرم رسولؐ کے لیے وقف کر دیا اور تا وقت شہادت بڑے عزم و استقلال کے ساتھ اسی راہ میں معروف عمل رہے، حتیٰ کہ اپنے لیے خداوندِ مٹان سے تمغہ سقایت حاصل کیا۔ آپؑ فقط پانی کے ساقی نہیں بلکہ ساقی کل شی ہیں۔ اللہ کے اذن سے ہر قسم کے پیاسوں کو سیراب کرتے ہیں چاہے کوئی پانی کا پیاسا ہو یا علم کا، کوئی مال کا پیاسا ہو یا اولاد کا، کوئی حج و عمرہ کا پیاسا ہو یا آئمہ مصومین کی زیارت کا۔ غرض کسی بھی قسم کی جائز مادی و معنوی امور کی پیاس میں اگر اللہ تعالیٰ سے حضرت ابوالفضلؑ کا توسل کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس مجاہد شہید کے صدقے میں ضرور سیراب فرماتا ہے۔

اقتداے حضرت عباسؓ میں سقایت

علامہ السید محمد جو آیت اللہ السید مہدی قزوینی (طاب ثراؤ) کی اولاد میں سے ہیں، نے اپنی کتاب ”طرواں الانشاء“ میں تحریر کیا ہے کہ نہر علقہ کے منقطع اور

شک ہو جانے کے بعد کی بات ہے کہ وہ نہر جو نہر حبیبہ کے نام سے معروف تھی اور جو کربلا معلیٰ اور گرد و نواح کو سیراب کرتی تھی سنہ ۱۳۰۶ ہجری قمری میں منقطع ہو گئی اور قلیب آب کی وجہ سے اہل کربلا حج و پکار کرنے لگے تو میں نے حکومت عثمانیہ کو (شرعی) حکم دیا کہ سید قلیب سید سلطان کی اراضی سے ایک نہر کھودی جائے لیکن سید قلیب اپنی اراضی میں نہر کے کھودے جانے پر راضی نہ ہوئے۔ مصنف کتاب السید محمد القزوینی فرماتے ہیں کہ میں جب کربلائے معلیٰ کی زیارات مقدسہ کے لیے حاضر ہوا تو سب اہل کربلا جمع ہو گئے اور مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں سید قلیب کو کربلا کے حوام کی حالت زار بتا کر آمادہ اور راضی کروں کہ وہ اپنی اراضی میں سے نئی نہر کھودنے کی اجازت دے دیں۔ میں نے انھیں آمادہ کرنے کے لیے لکھا کہ آپ اپنے بابا امیر المومنین ساقی کوثر اور اپنے عم محترم ساقی عطاء شہ حضرت ابو الفضل کی اقتدا کرتے ہوئے کربلا کے باسیوں کی سیرابی میں ہم دردی دکھائیں۔ آخر میں یہ دو اشعار بھی لکھے:

فِي كَرْبَلَا لَكَ عُصْبَةٌ تَفْكُوا الْعُلَمَا
مِنْ فَيْضِ كَهْلِكَ تَسْتَبِيلُ رِوَاءُهَا
وَأَمَّاكَ يَا سَاقِي عَطَاشِي كَرْبَلَا
وَأَبُوكَ سَاقِي الْخَوْضِ تَمْنَمُ مَاءُهَا

”کربلا کے لوگ قلیب آب کی شکایت کر رہے ہیں اور آپ کے وسیع فیض سے سیرابی ہو سکتی ہے۔ اے کربلا کے حواسوں کے ساقی! آپ کے بابا تو حوض کوثر کے مالک ہیں اور آپ پانی روکنے پر تلے ہوئے ہیں۔“ جب میرا یہ خط سید قلیب تک پہنچا تو لن پر بڑا اثر ہوا اور انھوں نے اپنی اراضی سے نہر

کھودنے کی اجازت دے دی۔ اپنے لیے لفظ ساقی حلاشی
کر بلا استعمال کیے جانے پر بڑا غر محسوس کیا۔

پانی پینے اور پلانے کے آداب

کتاب کامل الزیارات میں داؤد الزرقی کی سند سے لکھا ہے کہ وہ کہتے ہیں
کہ میں حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا۔ جب
یوسف بن یاس پانی طلب کر کے آیا تو وہ پڑے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے،
پھر فرمایا: اے داؤد اللہ تعالیٰ نے قاتل حسینؑ پر لعنت کرتے ہوئے فرمایا: جو شخص
پانی پی کر امام حسینؑ کو یاد کرے اور ان کے قاتل پر لعنت بھیجے تو اللہ اس کے لیے
ایک لاکھ نیکی لکھ دیتا ہے، اس کے ایک لاکھ گناہ معاف کر دیتا ہے، اس کے لاکھ
درجے بڑھا دیتا ہے۔ وہ لیے شخص کی شمشیر ہوتا ہے جو ایک لاکھ قلام آزاد کرے اور
قیامت کے دن اللہ اسے یوں مشور کرے گا کہ اس کا دل بسبب اطمینان و مسرت
ٹھنڈا ہو گا۔

یہ بھی مروی ہے کہ جو شخص حاشور کے دن کر بلا میں مرتد امامؑ کے پاس ہو
اور پیاسوں کو پانی پلائے تو گویا اس نے یوم حاشور امام حسینؑ کے اصحاب کو پانی پلایا
اور جیسے اس دن وہ نصرت امامؑ کرتے ہوئے کر بلا میں موجود تھا۔



رُفَعَتْ رَأْسُهُ فَبَايَعَتْهُ أَسَافَةُ الْأَرْضِ

پندرہواں خصیصہ بیان میں لکھا ہے کہ اس کی رافعت ہوئی

بہ آوازِ خداوندی و انجیل

حضرت عباسؓ قبرِ نبی ہاشم

يَا كَاوِثَا إِنَّ أَوَّلَهُ عِبَادٌ كَثُرُوا

سَمَا لَيْسَ يَنْبَلِّغُهُ الْبَشَرُ الْفَطْوَلُ

يَوْمَ لَا ضَلَمَ الْوَيْبَاتُ الْوَيْبَاتُ كَلَّهَا

قَدْ نَمَّا وَفَوَّضَهُمُ الْعَلِيِّ الْمُرْسَلُ

بَيْنَهُمُ الْوَيْبَاتُ كَرَى بَطْنُ الْكُفْرِ

كَذَلَى إِذَا أَفْجَرُ الْإِيمَانُ السُّجُلُ

”اے ہاشم! اللہ آپ سے ایسی محبت کرتا ہے جسے زبان

بیان کرنے سے قاصر ہے۔ آپ ایسی قوم ہیں کہ شروع سے

ہر قسم کی سیادت آپ کے پاس ہے اور نبی مرسل نے آکر اس

سرداری کے حسن و خوبی کو اور بڑھا دیا ہے۔ اے خوب

صورت چہروں والو! آپ کے ہاتھوں سے حادث اس وقت

بھی جاری رہتی ہے جب قحط کے بے رحم جھکڑ زمانے کے

چہرے کو گرد آلود کر رہے ہوتے ہیں۔“

یہ تو شاعرِ نبیؐ کعب الانصاری کے تمام نبی ہاشم کی مدح میں اشعار تھے۔

آئیے اب امام حسینؑ کے وہ اشعار دیکھتے ہیں جو آپ نے یوم عاشورہ اپنے بھائی

ابو الفضل العباسؑ کے خون آلود لاشے کے پاس کہے تھے۔

أَيَّانَ أَبِي تَصُفُّتُ أَخَاكَ حَتَّى

سَقَاكَ اللَّهُ كَلَمًا مِنْ رَاجِي

وَيَا قَتْلُوا مُنِيرًا كُنْتُ عَوْنِي

عَلَى كُلِّ التَّوَلَّيْتُ فِي الضُّعْفِ

”اے عمارے بھیا! آپ نے اپنے بھائی کی اطاعت اور وہا

شعاری کا حق ادا کر دیا، حتیٰ کہ اللہ نے آپ کو شراب طہور

کے جام سے سیراب کیا۔ اے چمکتے ہوئے چاند! آپ غلی و

مسیبت کی تمام راہوں میں میرے مددگار رہے۔“

جب امام حسین علیہ السلام قتل اور لاشہ عباس کی طرف چلے تو سید جعفر اعلیٰ

کے الفاظ میں آپ کی حالت یہ تھی:

فَتَفَعَّلِي لِقَضَائِهِمُ الضَّعْفُ وَطَرَفُهُ

بَيْنَ النَّسَاوِ وَبَيْنَهُ مُقَتِّعُكُمْ

الْفَاءُ مَحْجُوبًا الْعَبَّاسُ كَأَنَّكَ

بَدْرٌ بِسُحُطِكُمُ الْوُثَيْيَهُمْ مَلِكُكُمْ

”امام حسینؑ قتل عباسؑ کی طرف یوں چلے کہ آپ کے

چہرے کا رخ کبھی قتل کی طرف ہوتا تھا اور کبھی بہنوں کے

خیام کی طرف۔ شہادت عباسؑ کی خبر سے آپؑ کے چہرہ اندر کا

حسن اپنے متغیر ہوا جیسے چودھویں کے چاند کو مہین لگ گیا ہو۔“

ہاشم اور ان کے بیٹے سردارانِ اہلِ علیؑ ہیں

یہ ایک حضرت عہدِ نبویؐ کا تذکرہ ہے جس کے بیٹے علیؑ کے سیر و سرور کرتے تھے۔“

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اُسی خلق و خیرت اور حال و بر و خیرت عطا کیا تھا۔

جب عشرہ

حضرت ہاشمؑ سیرت و خاندانی شرافت کی وجہ سے پہلے عرب کے سردار کہلانے کے سزاوار تھے۔ آپ سیادت کا معیار تھے اور آپ کی بدولت سرداری کی شان میں اضافہ ہوا نیز آپ پر اور آپ کی اولاد اور بچوں پر لفظ سید کا اطلاق ہوا۔ نبی کے جد امجد حضرت ہاشمؑ کی نسبت سے آج سادات کو بنو ہاشم یا عرفہ عام میں ابو ہاشم کی کنیت سے یاد کیا جاتا ہے۔

یہ شرف تو اخلاق و سیرت کی وجہ سے تھا جہاں تک چہرے کی خوب صورتی کا تعلق ہے حضرت ہاشمؑ ان کے والد عبد منافؑ بلکہ تمام اجداد نبیؐ بہت حسین و جمیل تھے۔ نور نبیؐ چونکہ ان کے اصحاب میں منتقل ہوتا چلا آ رہا تھا اس لیے ہر دیکھنے والا گویا حسن یوسفؑ کو بھول جاتا تھا۔

حضرت عبد منافؑ کو قہر مکہ اور بدر بھلا کہا جاتا۔ حضرت ہاشمؑ اور ان کے بھائیوں کو اَقْدَحُ الْقَهْطَارِ (سونے کے سب سے بڑے) کہا جاتا۔ حضرت عبدالمطلبؑ کو بدر بھلا، والد گرامی نبیؐ مرسلؑ حضرت عبد اللہؑ کو جد المہرم اور رسول اللہؐ کو اَضْوَاءُ مِنَ الْقَهْمَرِ (چاند سے زیادہ روشن) کہہ کر پکارا جاتا تھا۔

نبیؐ و اہل بیت نبیؐ انوار ارض ہیں

امام حسن و حسین علیہما السلام نے حضرت ہند بن ابی ہالہ حمیری سے روایت کی ہے۔ حضرت ہند مدح و نعت نبیؐ میں کہتے ہیں کہ ”آپؐ بھرے بھرے جسم والے تھے اور آپؐ کا چہرہ مبارک چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔“

اور اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی ہند سے روایت کی ہے کہ ”جب حضرت کو اندھیری رات میں دیکھا جاتا تو آپؐ کا چہرہ چاند کے گڑے کے مانند روشن دکھائی دیتا تھا۔“ اور آپؐ کے عم محترم حضرت ابوطالبؑ کا آپؐ کی مدح میں شعر ہے:

وَأَيُّهُنَّ يَسْتَسْقِي الْقَتَامَ يَوْمَهُ

يَسَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةً لِلْأَهْوَالِ

”رسول اللہ کے چہرہ مبارک سے خود ہادل پانی طلب کرتا ہے یعنی رحمت و رزق کی بارشیں آپ کے طفیل و صدقہ میں برستی ہیں۔ آپ کی ذات ہیواؤں اور غیموں کی محافظ اور فریاد رس ہے۔“

اور شاعر نئی حسان بن ثابتؓ کے یہ مشہور نعتیہ اشعار بڑے خوب صورت

ہیں:

وَأَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي

وَأَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَكِلَا النِّسَاءَ

خُلِقْتَ مُبَهَّرًا هُنَّ كُلُّ عَنِيْبٍ

كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَخْلَعُ

”آپؐ سے زیادہ حسین میری آنکھوں نے کبھی دیکھا نہیں اور

آپؐ سے زیادہ خوب رُو کبھی عورتوں نے جانا نہیں۔ آپؐ کو ہر

عیب سے پاک و پاکیزہ پیدا کیا گیا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے

آپؐ کو آپؐ کی مرضی و پسند کے مطابق بنایا گیا ہے۔“

اور حضرت امیر المومنینؑ کے بارے میں یوں مشہور ہے کہ آپؑ

لیجے آبرو والے، ایسی بڑی اور خوب صورت آنکھوں والے تھے کہ جن سے سیاہ اور

نہلی جھلک دکھائی دیتی اور آپؑ کا چہرہ چہرہ دھویں کے چاند کی مثل تھا۔

اور سید اکبر امام مجتبیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا جاتا ہے آپؑ خلقت و

اخلاق، گفتار و خاموشی میں اپنے جدا مجد کی شبیہ تھے۔

مخلوق خدا میں سب سے زیادہ مشابہ رسول

سید و نیر حضرت امام حسینؑ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آپؑ عظیم حسن و جمال کے مالک تھے، آپؑ کے چین و مختار سے نور نکلتا تھا اور اندھیری رات میں آپؑ کے نور حسن کی بدولت ارد گرد کا ماحول روشن رہتا تھا اور آپؑ کی حضورؐ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت حاصل تھی۔

ایک نوجوان جو اصحابِ امامؑ اور شہدائے کربلا میں سے ہے، جس کے والد نے بھی ایک اسلامی جنگ میں جامِ شہادت پیا، جب لہرِ یزید سے جنگ کے لیے نکلتا ہے تو یوں رجز پڑھ رہا ہوتا ہے:

أَمِيرِي حُسَيْنٌ وَنِعْمَ الْأَمِيرُ
سُرُورِي فَطَاوُ الْبَشِيرِ النَّبِيرِ
عَلِيٌّ وَفَاطِمَةُ وَالْكَوَاكِبُ
فَقُلْ تَعْرِفُونَهُ لَكُمْ مِنْ نَظَائِرِ
لَكُمْ حَلْفَةٌ حَتَّى تَنْسِيَ الضُّحَى
لَكُمْ هَرَقَةٌ وَفِي بَنِيهِ مُؤْنِسٌ

”میرے امیر و میرزا حسین ہیں جو کہ سب سے زیادہ بھتر امیر ہیں۔ جو بشیر و نیر رسولؐ کے ولی کا سرور ہیں۔ علیؑ و فاطمہؑ جن کے والدین ہیں۔ کیا ان کی مثل کائنات میں کوئی ہے جن کا چہرہ مسکینہ تھی اور بدرد جا جیسا روشن ہے۔“

ہلال بن باغ امام حسینؑ کے آخری لمحات کی تصویر کشی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں (حضرت) حسینؑ کے ساتھ کھڑا تھا۔ اللہ کی قسم! میں نے حسینؑ کے علاوہ ایسا کوئی معجز نہیں دیکھا جس کا سارا جسم خون میں لت پت ہو اور پھر بھی چہرے پر اتنا

بے مثل حسن اور نورانیت ہو، آپ کے چہرے کے نور نے مجھے آپ کے گل کے ارادے سے روک دیا۔

جب امام کا سر تقدس خاکِ بطن پر ہوا تو کوفہ میں لایا گیا تو اس منظر کو مسلم جصاص یوں بیان کرتا ہے: اچانک ایک شوہر بلند ہوا تو میں نے دیکھا کہ لوگوں نے چند مقتولین کے سروں کو بیڑوں پر بلند کر رکھا ہے۔ سب سے آگے سر حسین تھا جو کہ بالکل مثلِ رسول اللہ چاند کی طرح چمک دار تھا اور آپ کی ریش مبارک جس کے خضاب کا رنگ کچھ ہلکا پڑ چکا تھا، ایک خوب صورت سیاہ بجر کی طرح تھی۔ آپ کا چہرہ چاند کے ہاتھ کی طرح تھا، آپ کی ریش مبارک کے بال ہوا کے چلنے سے مثلاً جنوباً حرکت کرتے تھے۔

اور کبھی نے اپنے چہرہ میں ایسا بیان کیا ہے:

وَصُفْرُجَ مَا قَيَّوْتُ مِنْهُ الْقَنَا
حُسَيْنًا وَلَا أَخْلَقُ مِنْهُ جَدِيدًا
قَفِي يَكُنْ بَدَنًا فَأَفْتَلَنَ شَيْئُ الْعَفَى
مِنْهُ الْبَيْتُ سَيْدًا لِلْإِمَامِ الْبَكْرِ

”امام کا پورا بدن اس طرح روشن ہے جتنا کہ تار تار تھا لیکن ان گنت خیزموں کے دارِ آفتاب کے جیسے کہ انھیں اور تبدیل دیکر سکتے۔ آپ بدستور میرے تھے لیکن جب خونِ آلود ہاتھوں نے اسے لٹکا دیا تو اس کی روشنی گم ہو گئی۔“

فضیلت وہ جسے دشمن بھی لہجہ پر بخند ہو جائے۔ جس کا جلوہ کے برابر ہے۔ مبارک کو شام لایا گیا تو یہ یوں لگتا کہ آپ کے سر تقدس کو لٹا پاتھ کہ کچھ دیکھا تھا اور آپ کی شہادت پر خوش ہوئے اور کہتے تھے: جب اسے لٹکا دیا جائے گا تو اس کی جگہ لے لیں گے۔

يَا جَبَلًا بَرَزَكَ فِي الْيَدَيْنِ
وَلَوْنَكَ الْآخِرُ فِي الْخَلَيْنِ
كَأَنَّمَا حُكَّ بِوَرْدَتَيْنِ
شَفِيتُ نَفْسِي بِقَدَمِ الْحُسَيْنِ

”یعنی واہ واہ حیرے سر نے میرے ہاتھوں کو شکر پہنچائی
اور حیرے رخساروں کا رنگ کتنا سرخ ہے۔ لگتا ہے کہ جیسے حیرا
چہرہ دونوں طرف سے گلاب کے پھولوں میں گھرا ہوا ہے۔
تیرا خون بہا کر میرے پیار دل کو شفا ملی ہے۔“

ایک دوسری روایت کے مطابق یزید کے اشعار یوں ہیں:

يَا حُسَيْنُكَ يَلْنَمُ بِالْيَدَيْنِ
يَلْنَمُ فِي طَسَبِ قَنَا الدَّجَيْنِ
كَأَنَّمَا حُكَّ بِوَرْدَتَيْنِ
كَيْفَ رَأَيْتَ الضَّرْبَ يَا حُسَيْنُ
شَفِيتُ ظِلِّي مِنْ كَرَمِ الْحُسَيْنِ

”اے حسین! بے مثال تو کیسے حیرے ہاتھوں میں چاندی کے
طشت میں چمک رہا ہے جیسے گلاب کے دو پھولوں میں گھرا
ہو۔ اے حسین! تو نے (میری) ضرب کو کھینا پایا؟ میں نے
حیرا خون بہا کر اپنے سینے سے شفا پائی ہے۔“

نور جب مقدس قید یوں کے قافلے کو اور لوگ سنیں پر شہدائے کربلا کے
سروں کو شام کی طرف لے جا رہے تھے۔ یزید چہرہ وں پہاڑی کے ایک مقام میں پر
بیٹھا تھا۔ جب اس نے قافلے کو دیکھا تو یہ اشعار کہے:



لَمَّا بَدَأَتْ بِتِلْكَ الرُّؤُوسِ وَأَشْرَفَتْ
بِتِلْكَ الشُّبُوسِ عَلَى خَبَبٍ يَخْبِئُ
نَجْوَى الْقُرَابِ فَقُلْتُ حِمٍّ أَوْ لَا تَصِمِ
فَقَدْ اِقْتَضَيْتُ مِنَ الرُّسُولِ دُيُونِي

جب شہدائے وہ سر ملے آفتاب میری پہاڑی چہرہ پر ظاہر
ہوئے اور چمکے تو کوئے نے گردن لمبی کی یعنی اہل محبت نے
اعتراض کیا تو میں نے کہا: تم ٹھیک سمجھو یا غلط، میں نے
رسولؐ سے اپنا قرض (بدو و احد کا) چکا دیا ہے۔

حسن و صبا حضرت عباسؓ

ابوالفرج اصفہانی نے مقالہ الطالبین میں لکھا ہے کہ حضرت عباسؓ ایک
وسیم و جمیل انسان تھے۔ عمدہ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے اور آپؓ کے پاؤں زمین پر
غلط کھینچے جاتے تھے (حضرتؓ کے دراز قد شاید برقی رفتار سے استعارہ ہے) آپؓ
کو قبرینی ہاشم کہا جاتا تھا۔ آپؓ کے وصف میں کہا گیا ہے کہ حسن اور جسمانی خوب
صورتی کی وجہ سے آپؓ کو قبرینی ہاشم کہا جاتا ہے۔ آپؓ کا چہرہ مبارک بدرمیر کی
طرح چمکتا تھا اور اندھیری رات میں کسی روشنی کی محتاجی نہیں رہتی تھی۔

اور ”فرسان السجاء“ میں لکھا ہے کہ حضرتؓ کو قبرینی ہاشم اس لیے کہا جاتا
تھا کہ آپؓ کے چہرے کا نور ہر اندھیرے کو روشن کر دیتا تھا اور آپؓ کی جسمانی
خوب صورتی ہر ناظر کی آنکھ کو چھو صبا دیتی تھی۔

آپؓ کے چہرے کا نور و حسن اس عظیم درجہ کا تھا کہ جب آپؓ اور شہزادہ
علی اکبرؓ تھیں وہ غیر اکٹھے کسی راستے سے گزرتے تو اہل مدینہ آپؓ کے راستے میں
صف در صف کھڑے ہو جاتے تھے تاکہ آپؓ کے چہروں کی زیارت اور بحال کا جلوہ

دیکھیں اور آپ کے نور ایمان اور نظر رحمت سے مستفید ہوں۔

ہاں بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے آپ ایک اجداد سے حسن سیرت اور
جہاں صورت و رشتہ میں پلایا اور مائیں جہا میں حضرت حسین علیہ السلام کے بعد حسن و
جمال کی تمام آیات اور شرف و احوال کی تمام صفات قرینی ہاشم میں جمع نظر آئیں۔

●

وہی ہے جس نے اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا اور اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا

وہی ہے جس نے اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا اور اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا

وہی ہے جس نے اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا اور اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا

وہی ہے جس نے اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا اور اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا

وہی ہے جس نے اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا اور اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا

وہی ہے جس نے اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا اور اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا

وہی ہے جس نے اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا اور اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا

وہی ہے جس نے اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا اور اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا

وہی ہے جس نے اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا اور اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا

وہی ہے جس نے اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا اور اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا

وہی ہے جس نے اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا اور اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا

وہی ہے جس نے اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا اور اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا

وہی ہے جس نے اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا اور اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا

وہی ہے جس نے اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا اور اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا

وہی ہے جس نے اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا اور اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا

وہی ہے جس نے اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا اور اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا

وہی ہے جس نے اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا اور اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا

وہی ہے جس نے اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا اور اپنے آپ کو اپنے آپ سے جدا کر دیا

۹۲۱

سورگھوان خصیصہ
حضرت عباسؓ: قمر العسیرہ اور فخر بنی ہاشم

عسیرہ قبیلہ کو کہتے ہیں حضرت ابواسطلق کا قبیلہ باپ کی طرف سے معزز
اصل قریش ہے، یعنی قبیلہ ہاشمیان جو تمام عرب سے اشرف و اکرم قبیلہ ہے اور ماں
کی طرف سے آپ آل وحید سے قبیلہ بنی کلاب سے تعلق رکھتے ہیں اور شرف و
بزرگی کے حوالے سے یہ قبیلہ بھی عرب کے سرکردہ قبائل میں سے ایک تھا جو عمدہ
اخلاق و اطوار، عظیم اثر و تہذیب کا حامل تھا، اسی لیے جب حضرت امیرؓ نے عرب
کے معزز و شجاع ترین قبیلہ میں ازدواج کی خواہش کی طرف متوجہ فرمایا تو حضرت
عقیل ابن ابی طالبؓ کی نظر انتخاب اسی قبیلہ کی ایک محترم خاتون حضرت فاطمہ و حیدرہ
کلابیہ ام المنینؓ پر پڑی جو کریمہ قوم اور قبیلہ ہاشمیان کے کلاب سے مشہور تھیں۔
عباسؓ فخر بنی ہاشم

یہ ایک صبیحی امر ہے کہ ہر قبیلہ و خاندان اپنی باطنی باتوں، روزگار اور نوادر شخصیات کا
انتخاب کرتا ہے تاکہ انھیں اپنا سرور و اسوہ قرار دے۔ ان کے جماع و ملت سے رہنمائی
حاصل کرے اور ان کے نام نامی کے ذریعے اپنے لیے اعلیٰ پر فخر کرے۔ جناب عباسؓ وہ شخصیت
ہیں جنہیں خیر و بحال، شجاعت و شہادت اور فصاحت و ذہانت کے تمام صفات کے اعتبار
سے دونوں قبیلوں میں تفوق حاصل ہے۔ آپ الملاحی و حسن سیرت کی بلندی پر فائز اور
بحال و جہ و صورت میں قمر و بدر تھے کیونکہ بحال اپنے آباؤ اجداد اور سیرت و اخلاق
کی تربیت اپنے بابا امیر المومنینؓ اور اما مین ہاشمین علیہم السلام سے پائی تھی۔

فخر آل وحید

جب بنو کلب نے دیکھا کہ ان کے بھانجے حضرت عباسؓ میں امیر المومنینؑ کو جمال و جلال، مکارم و کمال میں فوقیت کی وجہ سے قرنی ہاشم کا لقب عطا کر دیا گیا ہے تو انھوں نے سوچا کہ ہم بھی حضرتؑ کے قریب ہمارے ہیں۔ ہم اسی اعزاز و انکار میں پیچھے کیوں رہ جائیں۔ چنانچہ انھوں نے حضرتؑ کو قرنی ہاشم کے مقابل قریشیہ کا لقب دیا جو وہی ہی شہرت پا گیا۔ یہ شک حضرتؑ کو امتیاز و التماثل ہیں بلکہ آپؐ ایسا چاہتے ہیں جو تمام انسانی و بھری آفاق پر چھلکا کر نئی نوع بشر کی صراطِ مستقیم کی طرف یعنی صراطِ امیر المومنینؑ، صراطِ آخرہ مصونینؑ و اہل بیتؑ رسولؐ کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور ہم راہ کن اور نیز ہر راستوں سے یعنی بنو امیہ، آل ابوسفیان، معاویہ، یزید اور ان کے پیروں کے راستے سے بچائے رکھتا ہے۔

جمال اور حسن الخصال

بے شک حسن و جمال نعماتِ الہیہ میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یَزِدْنَا فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ "جتنا چاہتا ہے خلق و خلقت میں اضافہ کر دیتا ہے۔" خلقت میں اضافہ تفسیر کے مطابق خوب صورت چہرہ، خوب صورت آواز اور خوب صورت بال ہیں۔ ایک اور روایت ہے کہ إِنَّ اللَّهَ يَخْتَارُ لِكُلِّ شَيْءٍ خَيْرًا "اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔"

ایک قول ہے کہ مَا أَحْسَنَ لَوْ يَجْتَمِعُ الْجَمَالُ حَمْدُ الْحُسْنِ الْفُضَّلِ، "یعنی کسی شے کا حسن یہ ہے کہ وہ تحسین سیرت و صورت کا مجموعہ ہو۔" اور حضرت عباسؓ ان لیل و صغیر افراد میں سے ایک ہیں جو جمال سیرت اور حسن صورت کے اعلیٰ و ارفع مقام کو حاصل کیے ہوئے ہیں۔"

سترھواں خصیصہ

حضرت عباسؓ: صاحب اللواء (علم مر)

حجاز سے عراق کی طرف آواز سفر کرتے وقت سید المہدیؑ نے اپنے وسیع اقدس سے علم لیا کہ حضرت عباسؓ کے حوالے کیا اور عاشورہؑ عرم کے دن سب سے بڑا علم حضرت کے پاس ہی تھا۔ اسی لیے تو جب بھی عباسؓ اپنی جہاد طلب کرتے تو آپؓ فرماتے: عباس! آپ تو میرے علم دار فوج ہیں جب آپ چلے جائیں تو میرا لشکر بکھر جائے گا۔

ایک شاعر نے امامؑ کی اس حالت کی یوں حکایت کی ہے:

لَمَنْ الْمَلُوءُ أَغْلَى وَمَنْ لَمْ يَحْلُبْ

يَسْلُبُ وَفِي ظَنِّكَ الرِّجَالُ يَقْنِبُ

أَمْتَانِلُ الْأَكْوَانِ حَاطِلُ

وَرَوَائِ أَخْيَتِي وَتَابُ قَسِي

لَكَ مَوْلَى بِالطَّلُفِ أَنْسَى أَكْلُهُ

حُزْبُ الْوَرَقِ بِمُلْتَقَى حُجَيْنِ

”میں تمہارے علاوہ کس کو علم حطا کروں جو میرے تمام

خصائل کا حامل اور تنگی جنگ میں میری ڈھارس ہو رہا ہوں

سے نبرد آزما ہونے والا۔ میرے علم کو اٹھانے والا، میرے گھر

کے اہم امور کا محافظ اور میری شان کا دروازہ یعنی ہم راز

میرے علاوہ کون ہے؟ جب کہ بلا میں تجھے وہ مقام حاصل ہے



مقامِ نبوت سے باہر

کہ اسے دیکھ کر کر بلا والوں کو جنگِ مطہین بھول جائے گی۔

مقامِ نبوت میں شہر ہو گا جو اپنے لکھا ہے کہ عباسی ستاد، قرنی ہاشمی، معاصی لواء
امام حسینؑ (اور کر بلا میں) امام کے ہاتھوں میں سے سب سے بڑے تھے۔

علمِ داری کے اوصاف

یہ معلوم امر ہے کہ علم صرف اسے دیا جاتا ہے جو شجاعت و شہادت، نجابت و
شرف میں مشہور ہو، کیوں کہ علم دار وہ ہوتا ہے جو لشکر کے تمام افراد کو اپنے
موجودے کے نیچے اکٹھا کرنے اور ان کو ایک ٹری میں پروانے کا ارادہ رکھتا ہو۔ لہذا
ضروری ہے کہ علم دار وہ ہو جسے تمام لوگ اپنی رضامندی سے قبول کریں اور اس کے
مرتبے اور شجاعت کی وجہ سے اس کی قیادت کے اندر منظم ہو جائیں۔

اسی لیے علمِ عادی خود ایک بڑا فخر اور اعزاز ہے اور ہر دور میں تمام امتوں
اور قبیلوں کے افراد کے دلوں میں اس کو ایک خاص مقام حاصل رہا ہے۔ اسی طرح
حاملِ لواء یا علم دار کو بھی ایک رفیع درجہ و مرتبہ حاصل ہے نہ صرف اس کی شجاعت
کی وجہ سے بلکہ لشکر کا انتظام و انصرام کرنے اور ہر وقت موت کا سامنا کرنے کے
لیے تیار رہنے کی وجہ سے۔ کیوں کہ جب تک علم قائم رہتا ہے اور لہلاتا رہتا ہے لشکر
منظم و متحد اور جاں باز قائم اور پختہ رہتا رہتا ہے۔ علم دار کے ہاتھوں میں علم کے
بھریے کا لہزانا جنگِ محروس کے دلوں کو اہلِ قوت اور شجاعت حطا کرتا ہے اور ان
کو فتح و غلبہ کے قریب کرتا ہے۔ اس کے برعکس جب علم زمین میں ہو جائے تو لشکر بکھر
جاتا ہے اور شکست کھا جاتا ہے جس کا نتیجہ موت یا اسیری کی صورت میں سامنا آتا
ہے۔

ابھی وجہ سے حاملِ لواء کا انتخاب نیچے یا شہر کے بڑے اور بہادر ترین
آزمائے قریبی تعلق داروں اور عزت و شرف اور دین و تقویٰ میں مشہور افراد

میں سے کیا جاتا ہے۔

یہ ساری باتیں علم دار سے تقاضا کرتی ہیں کہ افراد جمیع کے سروں پر علم کا سایہ قائم رکھے اور علم کی حفاظت کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر دے، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کے صاحبانِ لوا علم کو اس وقت تک کرنے نہ دیتے تھے جب تک ان کے اجسام میں زندگی کی رسی، دلوں میں دھڑکن اور رگوں میں خون باقی رہتا تھا۔ جب ان کا دایاں ہاتھ قطع ہو جاتا تو علم کو بائیں ہاتھ میں تمام لیتے۔ جب بائیں ہاتھ منقطع ہو جاتا تو علم کو اپنے زانوؤں میں سنبھال لیتے اور اپنے کرنے سے پہلے اپنے جیسے کسی مضبوط سامی کے حوالے کر دیتے تھے۔ حضرت جعفر طیار بن ابی طالبؓ کی جگ موتہ میں ایسی ہی جرأت و جاں نثاری مشہور ہے۔

علم عباسؓ کے ہاتھوں میں

علم داری کے حوالے سے حضرت امیر المومنینؓ نج البلاغہ میں آدابِ حرب کی تعلیمات کے ذیل میں فرماتے ہیں:

وَرَأَيْتُكُمْ فَلَا تُبِيلُونَهَا وَلَا تُخْلَوُهَا وَلَا تَجْعَلُونَهَا إِلَّا
بِأَيْدِي شُجْعَانِكُمْ وَالْمَانِعِينَ الدِّمَارَ مِنْكُمْ فَإِنَّ
الصَّابِرِينَ عَلَى نَزُولِ الْحَقَائِقِ هُمُ الَّذِينَ يَحْضُونَ
بِرَأْيَاتِهِمْ وَيَكْتَفُونَهَا حِفَا فِيهَا وَرَاءَهَا وَأَمَامَهَا، لَا
يَتَاخَرُونَ عَنْهَا فَيُسَلِّمُونَهَا وَلَا يَتَقَدَّمُونَ عَنْهَا فَيُفَرِّقُونَهَا
”اور اپنا جھنڈا سرگوں نہ ہونے دو اور نہ اسے اکیلا چھوڑو۔“

اسے اپنے جواں مردوں اور عزت کے پاسبانوں کے ہاتھوں
ہی میں رکھو کیوں کہ مصیبتوں کے ٹوٹ پڑنے پر وہی لوگ صبر
کرتے ہیں اور آگے پیچھے سے اس کا احاطہ کر لیتے ہیں۔ وہ

بچے نہیں بچے کہ اسے دشمنوں کے ہاتھوں میں سوپ دیں اور نہ آگے بڑھ جاتے ہیں کہ اسے اکیلا چھوڑ دیں۔“

اور علم دار کے انتخاب میں امام حسینؑ نے اپنے بابا کی تعلیمات پر عمل کیا اور بجا طور پر حررت عباسؑ کو علم عطا کیا۔ اور آپؑ نے اپنے آپ کو اس کا کمال اہل ثابت کر دکھایا۔ آخر دم تک علم حسینیؑ کی حفاظت کی اور اسے لہرائے رکھا۔ آپ کی ہمت و شجاعت اور بھائی یحییٰؑ اور انصار کی مظلومانہ شہادت فوراً دشمن پر حملہ کر کے دشمنانِ خدا و رسولؐ سے انتقام لینے کا تقاضا کر رہی تھی لیکن آپؑ نے امیرِ امام سے تجاوز نہ کیا کیوں کہ جب بھی آپؑ امام سے اذنِ جہاد طلب کرتے تو امامؑ فرماتے: ”آپؑ تو میرے لشکر کے سپہ سالار اور علم دار ہیں، جب آپؑ چلے جائیں گے تو لشکر ٹوٹ پھوٹ جائے گا۔“

اور جب آپؑ امام کے پیاسے بچوں کے لیے آخری بار پانی لینے کے لیے گئے تو جب تک آپ کے جسم اطہر میں آخری سانس باقی رہی آپؑ نے علم کو گرنے نہ دیا۔ جب آپؑ کے دونوں بازو یکے بعد دیگرے شہید ہوئے تو آپؑ نے علم کو سینے سے لگایا اور علم حسینیؑ اس وقت گرا جب ہر طرف سے تیروں کی بارش تیز ہوئی اور بالخصوص جب آہنی گرز لگنے سے آپؑ کی پیشانی شکافتہ ہو گئی۔ آپؑ زینِ رہوار پر سنبھل نہ سکے اور آپؑ کے ساتھ ہی علم زمین بوس ہوا۔ آپؑ نے گرتے ہوئے یہ دعا بلند کی: یَا اَبِیْ اَذْرِکَ اَخَاکَ ”بھیا! میری نصرت کو پہنچئے۔“

رسمِ علم داری کب سے؟

حضرت ابو الفضل العباسؑ اپنے بھائی کے علم دار تھے جیسا کہ حررت امیرِ علیہ السلام اپنے بھائی رسول اللہؐ کے علم دار تھے۔ اس سے پہلے بھی علم حق انبیاء اولیاء کے ہاتھوں ہی میں رہا۔ ایک قول کے مطابق سب سے پہلے علم اٹھانے والے

حضرت شیث بن آدمؒ تھے۔ علمِ غلیل اللہ حضرت ابراہیمؑ کی طرف منتقل ہوا۔ پھر ان کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ ذبح اللہ کی طرف منتقل ہوا۔ پھر حضرت ثابت بن اسماعیل کے پاس آیا۔ پھر ان کے بیٹوں اور پوتوں سے ہوتا ہوا اجدادِ پنجبرائی، قنسی بن کلاب اور عبد مناف تک پہنچا۔ پھر ان کے بیٹے ہاشمؑ، پھر عبد المطلبؑ، پھر ابوطالبؑ تک آیا۔ حضرت ابوطالبؑ کے بعد خود رسول اللہ کی طرف منتقل ہوا اور آپؐ نے علمِ امیر المومنینؑ کے سپرد کیا۔ یہی علمِ انبیاء حضرت عباسؑ کے پاس پہنچا اور میدانِ کربلا میں علمِ داری آپؐ نے نام کے ساتھ ایسی جچی کہ ہمیشہ کے لیے آپ کے نام کے ساتھ ٹھہر گئی۔

غازی کا علم دربارِ شام میں

تاریخ میں مذکور ہے کہ عاشورہ کی ظہر کے بعد لشکرِ بنی امیہ نے عمر بن سعد کی قیادت میں خیامِ حسینیؑ میں گھس کر رسول اللہ کے گھر کا مال و متاع کو مالِ قیمت سمجھ کر لوٹا۔ انھوں نے میدانِ جنگ سے بھی غنائم کو اکٹھا کیا اور یزید کی طرف بھیج دیا۔ مالِ قیمت کے ہم راہ علمِ عباسؑ بھی تھا۔ جب یزید کی اس پر نظر پڑی تو اُس نے غور سے دیکھا کہ علمِ قبضے اور دستے کے علاوہ کسی جگہ سے محفوظ نہیں۔ (اس سے یہ بات عیاں تھی کہ علمِ دارِ دشمنوں کی کثیر تعداد کے زرخے میں لڑنا رہا ہے اور آخر دم تک اس نے علم کی حفاظت کی ہے) یزید نے بڑے تعجب سے پوچھا: کربلا میں علمِ دارِ حسینؑ کون تھا؟ جب اسے بتایا گیا کہ عباسؑ بن علیؑ۔ تو وہ حضرت کی ہیبت اور جرأت سے ششدر رہ گیا اور تین مرتبہ اپنی جگہ سے اٹھا اور پھر بیٹھا۔ پھر حاضرین سے مخاطب ہو کر کہنے لگا:

”اس علم کی طرف دیکھو اس کے قبضے کے علاوہ ہر جگہ پر زخم اور ٹوٹ پھوٹ کے نشانات ہیں، قبضہ کا سلامت رہنا علمِ داری کی شجاعت و شہامت کی دلیل ہیں اور

علم دار نے تمام وار بڑے صبر و جرأت سے سبے ہیں اور علم کو گرنے نہیں دیا۔
پھر کہنے لگا:

أَبَيْتُ اللَّعْنَ يَا عَبَّاسُ، هَكَذَا يَكُونُ وَقَاءُ الْآخِ لَاخِيهِ
”اے عباس! تم نے کمزوری کو اپنے پاس پکٹنے نہیں دیا۔
ایک بھائی کی دغا ایسی ہی ہونی چاہیے۔“

اور یہ عباسؓ کے حق میں دشمن کا اعتراف ہے اور فضیلت وہی ہوتی ہے جس کی دشمن بھی گواہی دے۔

علم شعائر حسینیؑ میں شامل ہے

بے شک یہ علم حق جو انبیاء و اوصیاء کے ہاتھوں میں تھا اور جسے کربلا میں حضرت ابوالفضل العباسؓ نے اٹھایا۔ حضرت ولی العصرؑ بھیہ اللہ امام مہدیؑ جتہ بن الحسنؑ کے ہاتھوں میں ہوگا۔ شعائر حسینیؑ کے طور پر جو علم امام بارگاہوں اور مجالس و محافل تھے، دروازوں پر نصب ہوتے ہیں اور مانتی جلوہوں میں جن علموں کو لے کر چلا جاتا ہے یہ اسی علم عباسؓ کی شبیہ ہیں اس سے سنت حق کا احیا ہوتا ہے اور راہ اسلام کو دوام ملتا ہے۔ یہ علم مسلمانوں کے سروں پر تاج پور مہدیؑ لہرا تا رہے گا۔

یہاں پر ہم ایک تاریخی بات بھی ذکر کیے دیتے ہیں۔ تاریخ میں ثبت ہے کہ فاطمیان علم وغیرہ کے لیے ایک بڑا خصوصی اہتمام کیا کرتے تھے۔ انھوں نے مصر میں ایک خصوصی مکان (مخزن الملوذ) (علموں کا خزانہ) کے نام سے بنایا ہوا تھا۔ اس کے اندر علم، اسلحہ، زین اور سونے چاندی کی لگا میں رکھی ہوئی تھیں۔ اس پر ہر سال اسی ہزار دینار صرف کرتے تھے۔ ان علموں میں سے ایک خصوصی علم تھا جس کا نام انھوں نے لواء الحمد رکھا ہوا تھا۔ وہ مکان جب جل گیا تو اس کے خسارے کا تخمینہ آٹھ ملین دینار لگایا گیا۔

اٹھارہواں خصیصہ

عباسؑ: بطلِ علقمہ

وَهُوَ بِجَنْبِ الْعَلَقَمَى فَلَيْتَهُ
لِلشَّارِبِينَ بِهِ يُدَالِ الْعَلَقَمَ
”حضرت عباسؑ نہرِ علقمہ کے کنارے پیاتے شہید ہو گئے۔
کاش علقمہ سوکھ جائے اور کوئی اس کا پانی نہ پی سکے۔“
سید طحان کے شعر ہیں:

مَجْرُحَتْ أَهْدَاءُكَ يَوْمَ الْوُطَى
فِي حَدِّ مَاضِيكَ مِنَ الْعَلَقَمِ
وَقَدْ بَذَلْتَ النَّفْسَ كُؤُنَ الْحَمَى
مُجَاهِدًا يَأْتِلُ الْعَلَقَمَى
”اے مجاہدِ کربلا! اے بطلِ علقمی! تو نے دشمنانِ خدا کو اپنی
تکوار کی دھار سے سیراب کیا اور حفاظت و نصرتِ امامؑ میں
اپنی جان دے دی۔“

لفظِ علقمی میں آخری حرف یا، یاے نسبت ہے اس سے مراد نہرِ علقمہ ہے۔ یہ
وہ نہر تھی جو دریائے فرات سے نکلتی تھی اور کربلا اور اس کے ارد گرد کی تمام زمین کو
سیراب کرتی تھی۔ اسی کے قریب حضرت ابوالفضل العباسؑ دورانِ جنگ میں شہید
ہو کر زمین گرے تھے اور وہیں ان کا مرقہ بنایا گیا۔

ایک قول ہے کہ جب امامؑ اپنے اہل بیت و اصحاب کے ساتھ یہاں وارد

ہوئے تو اس وقت کر بلا میں صرف یہی ایک ہی نہر بہتی تھی۔ اس نے حضرت عباسؓ کی بہت ساری جسمانی اور روحانی جراتوں اور بہادری کے کارناموں کا قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔

علقہ اور عباسؓ کی جرات و جسمانی

عمر بن سعد نے عمرو بن حجاج کو چار ہزار گھڑسواروں کے ساتھ نہر علقہ پر مقرر کیا تھا تاکہ وہ امام حسینؑ، ان کے اہل بیتؑ و اصحاب تک پانی نہ پہنچے دیں لیکن حضرت عباسؓ نے کئی مرتبہ ان کی جمعیت کو تیز تر کر کے لشکرِ امام تک پانی پہنچایا۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ چار ہزار گھڑسوار جو ہر قسم کے اسلحہ سے لیس ہوں اور جن کی تعیناتی کا مقصد ہی پانی کے راستے کی رکاوٹ بننا ہو، ان کو مار بھگانا کوئی معمولی بہادری نہیں اور سوائے حضرت عباسؓ کے کسی کے مقدور میں نہیں۔ حضرتؓ ان پر غضب ناک شیر کی طرح حملہ آور ہوتے اور ہارش کے قطروں کی تعداد میں آنے والے تیروں کی ذرا پروا نہ کی۔ تیروں اور پتھروں سے جسم اطہر کھل طور پر چھلکی ہو گیا لیکن پورے عزم اور اہلیت کے ساتھ ہر دفعہ علقہ پر قبضہ کیا۔ پانی میں داخل ہوئے اور لشکرِ امام تک پانی پہنچایا۔

علقہ اور عباسؓ کی جرات و روحانی

بے شک چار ہزار گھڑسواروں کی جمعیت کو توڑنا اور منتشر کر دینا کسی کمزور اور سست آدمی کے بس کی بات نہیں بلکہ جسمانی طور پر انتہائی طاقت ور اور مضبوط مرد میدان کا کارنامہ ہی ہو سکتا ہے۔

لیکن جسمانی قوت کے ساتھ اگر (موت کے سامنے سینہ سپر ہو جانے والی) عظیم روحانی قدرت و طاقت شامل نہ ہو۔ تو خون کے پیاسے بھیڑیوں کے ازدحام

میں ایک ہالٹ برابر پیش قدمی بھی دُور از قیاس ہے۔ حضرت عباسؓ نے اپنی اسی روحانی اور معنوی قدرت کی بدولت نہ صرف اعدا کی بھیڑ کی طرف پیش قدمی کی بلکہ دشمن کی صفوں کو چیر کر دریا پر قبضہ جمایا اور بڑے اطمینان سے منگینرۂ آب پُر کیا۔

یہاں پر بطور وضاحت اسی خاندان کے ایک مشہور بہادر حضرت محمد ابن حنفیہ کے واقعے کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ جنگِ جمل میں حضرت امیر علیہ السلام نے جناب حنفیہ کو حملہ کا حکم دیا۔ انھوں نے حملہ کرنے میں کچھ دیر کر دی۔ جناب امیرؓ نے تاخیر کا سبب پوچھا تو عرض کیا: بابا! ابھی تیروں کی بارش ہے، کچھ قہم جائے تو حملہ کرتا ہوں۔ جناب امیرؓ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: یہ تیری ماں کے دودھ کی کمزوری ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت حنفیہ میں باوجود جسمانی جرأت و طاقت کے ایک روحانی ضعف دیکھا گیا جو یقیناً ماں کے دودھ کا اثر ہو سکتا تھا ورنہ باپ امیر المومنینؓ کی ہستی تو ہر ضعف و سقم سے منور تھی۔

لیکن حضرت ابو الفضل العباسؓ کی والدہ گرامی حضرت اُم المہنینؓ ایک شجاع ترین خاتون تھیں جنھوں نے جرأت و شجاعت اپنے اہداد سے ورٹے میں پائی تھی۔ اس طرح حضرت عباسؓ علم دارؓ نے اپنی نخیال اور دوخیال دونوں طرف سے شجاعت و رش میں پائی۔

وقا: ایک جرأت و معنوی

عام روحانی و معنوی جراتوں میں سے ایک عظیم جذبہ و قا کی طاقت ہے جس کا مظاہرہ نہرِ ملقمہ کے کنارے پر عباسؓ علم دارؓ نے کیا۔ دیکھئے حضرت عباسؓ شدید بیا سے ہیں، موسم خشک اور گرم ہے۔ اپنے حنّے کا پانی چھوٹے بچوں کو پلا دیا ہے۔ اپنی ہتھیاروں کا بوجھ جسم پر ہے۔ دشمنوں کی کثیر تعداد تعاقب کر رہی ہے۔ اوپر سے سورج اور جنگ کی گرمی، یہ سارے عوامل ایسے ہیں کہ جنھوں نے عباسؓ کے سینے

اور دل کو حش آتش فشاں جلا رکھا ہے۔ آپ علقمہ پر قبضہ کرنے کے بعد پانی میں وارد ہوتے ہیں۔ فطرت کے مطابق ہاتھ پانی کی طرف بڑھانا چاہیے تاکہ پیاس بجھا کر دشمن پر بھرپور حملہ کیا جاسکے لیکن امیر المؤمنینؑ کے تربیت یافتہ اور اُم المؤمنینؑ کی گود کے پروردہ عباسؑ سے بعید ہے کہ بدنی ضرورت کو اہمیت دیں اور اپنی تربیت کے مطابق فضیلت کے آسمان اور معنویت و روحانیت کی بلند فضاؤں میں پرواز نہ کریں۔

حضرت اپنے پیاسے بھائی اور امامؑ کی پیاس کو یاد رکھتے ہوئے پانی چلو میں بھرتے ہیں اور دریا کی طرف پھینک دیتے ہیں۔ مشکیزہ بھرتے ہیں اور پیاسے ہی دریائے گل کر خیام کا رخ کرتے ہیں اور اپنے آپ سے کہہ رہے ہوتے ہیں:

يَا نَفْسُ مِنْ بَعْدِ الْحُسَيْنِ هَوْنِي
وَبَعْدَهُ لَا كُنْتُ أَنِّي تَكُونِي
هَذَا الْحُسَيْنُ وَارِثُ الْمَنُونِ
وَتَشْرِيئَتِ بَارِئِ الْمُؤْمِنِ
تَاللَّهِ مَا هَذَا فَقَالَ دِينِي
وَلَا فَقَالَ صَادِقِ الْيَقِينِي

”اے نفس! میرے مولا و آقا حسینؑ کے بعد اپنے غم غلط کرنا، دیکھو! مولا تو شہیدؑ پیاس کے سبب موت کے زرخے میں ہیں اور تم بہتا ہوا ٹھنڈا پانی پی لو بخدا یہ ایک دین دار اور سچے یقین والے مرد کے لیے سزاوار نہیں۔“

علقمہ شک ہو گیا

بے شک نیر علقمہ نے حضرت عباسؑ کی جسمانی و روحانی جرأت و شجاعت

اور خودداری کا قریب سے مشاہدہ کیا۔ اسے اپنے لیے بڑا اعزاز اور فخر سمجھتے ہوئے بڑی خوشی سے لہرا کر بہتی رہی لیکن جب اس خوب صورت مجاہد کا آخری وقت دیکھا کہ کافر و قافروں نے دھوکے کے ساتھ شدتِ پیاس کے عالم میں اسے شہید کر دیا ہے تو علقمہ کا اعزاز کا جذبہ ماتم اور مایوسی میں بدل گیا۔ اُسے حیرت تھی کہ اپنے دُکھ کا اظہار کیسے کروں؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس کے کنارے پر آ کے ٹھہرے اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا:

إِلَى الْآنَ تَجْعُرِي يَا عَلَقَمِي وَقَدْ حُزِمَ جَلَدِي وَمَلِكٌ؟
 ”اے علقمی! میرے جدِ بزرگوار پر تیرا پانی بند کر دیا گیا اور تو اب تک بہ رہی ہے؟“

معالی السطین کی روایت کے مطابق حضرت امام سجاد علیہ السلام جب شام سے واپس لوٹے تو علقمی کو یوں مخاطب کیا:

مَنْعَتِ مَالِكٍ، يَا عَلَقَمِي عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ وَتَجْعُرِي
 ”اے علقمہ! تو نے ابو عبد اللہ کو پانی نہ دیا مگر اب بھی بہ رہی ہو۔“

امام علیہ السلام کی گفتگو سے علقمہ کی حیرت دور ہوئی اور شہادتِ عباس کا غم مٹانے کے ایک بہتر انداز کی طرف رہنمائی ہوئی اور اسی وقت اس کا پانی گہرائی میں اتر گیا اور خشک ہو گیا۔ اس دن کے بعد علقمی صرف ان کتبہ تاریخ کی سطور ہی نظر آئی جو حضرت کی شجاعت کے بیان میں رقم ہوئیں۔

امام سجاد اور امام جعفر صادق علیہم السلام نے علقمہ سے مخاطب ہو کر جو بات کی اسی مفہوم کی ایک شاعر نے یوں وضاحت کی ہے:

يَا مَنّ إِذَا دُكِرَتْ لَدَيْهِ كَرَبَلَا لَعَنَ الْخُلُودَ وَ كَمَعَهُ قَدْ أَهَبَلَا
 مَهْمَا تَمَرُّ عَلَى الْفَرَاتِ فَقُلْ آلا بُؤَلَا لَشَعْلَكَ يَا فَرَاتُ قَمَرُ لَا
 تَخْلُو فَإِنَّكَ لَا هَنَى وَلَا مَرَى

أَيَّدَاكَ نَسْلِ الطَّاهِرِينَ أَبَا وَجَدٍ عَنْ وَرْدٍ مَاءٍ قَدْ أُبِينِكَ لِمَنْ وَرَدَ
 لَوْ كُنْتَ يَا مَاءَ الْفَرَاتِ مِنَ الشَّهِيْدِ أَيْسُوْغٌ لِّيْ مِنْكَ الْوَرْدُ وَهَنْكَ قَدْ
 صَدَّ الْإِهَامُ سَلِيلُ سَاقِي الْكُوْثَرِ

”اے وہ محبت و مومن کہ جس کے پاس اگر کر بلا کا ذکر کیا جائے تو وہ ماتم کرنے لگتا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ جب تم فرات پر سے گزرو تو کہنا کہ اے فرات! ہم تجھ سے دُور رہنا چاہتے ہیں۔ تیرا پانی ہمیں بیٹھا نہیں لگتا کیوں کہ تو نے اس وقت ماتم اور احجاج نہ کیا جب پاکیزہ باپ اور دادا کی طاہر اولاد کو تیرے پانی سے محروم کر دیا گیا۔ جب کہ باقی ہر کسی پر پانی مباح رہا۔ اے فرات! تیرا پانی اگر شہد بھی ہو تو پھر بھی تیرے گھاٹ پر اترنا جائز نہیں کیوں کہ ساقی کوثر کے بیٹے امام حسینؑ کو تیرا پانی پینے سے روک دیا گیا تھا۔“

.....●.....

عباسؑ، کبش کتیبہ یعنی سالار لشکر حسینؑ

عَبَّاسٌ كَبَشٌ كَتَيْبَةُ وَ كِنَانَتُهُ

وَسُرِّي قَدِيمِي بَنِي أَهْلُ خُصْفِي

”عباسؑ میرا سالار لشکر اور میرا ترکش ہے۔ یہ میری قوم کا سنی سردار بلکہ میرا مضبوط ترین قلعہ ہے۔“

کبش کا لفظ ایسے ہلے شجاع پر بولا جاتا ہے کہ جس کا اُس وقت کے جری اور بہادر ترین لوگ، سامنا کرنے سے عاجز آجائیں۔ بے شک شجاعت دل کی قوت اور مضبوطی کا نام ہے۔ ایک روایت ہے کہ شہنشاہ کسریٰ (ایران) نوشیروان نے اپنے ایک مشہور حکیم ابوذر حمیر سے پوچھا کہ شجاعت کسے کہتے ہیں؟

اس نے جواب دیا کہ ”قوت قلب کو“ نوشیروان نے کہا کہ ایسا کیوں نہیں کہتا کہ ہاتھ کی قوت کو شجاعت کہتے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ قوت دست و بازو، قوت قلب ہی سے نکلتی ہے۔ لفظ کبش اس بادشاہ یا امیر پر بھی بولا جاتا ہے جو لشکر کی قیادت کر رہا ہو۔ نیز اس کا اطلاق قوم کے سردار اور قائد پر بھی ہوتا ہے اور کتیبہ سے مراد ہے جیش اور لشکر۔

اور غرضاً کبش کا لفظ جنگ میں صرف اس مرد کے لیے بولا جاتا ہے جس میں بہادری کے سب رنگ اور مردانگی و شہساری کے تمام خصال جمع ہوں، اسی لیے یہ لقب حضرت ابراہیم افضلؑ سے پہلے اسلام میں کسی کے لیے استعمال نہیں ہوا، سوائے صحابی امیر المومنینؑ، مالک اشتر بن حارث ثقفیؑ کے کہ وہ کبش العراق کے نام سے معروف تھے۔

کبش الکتبہ ایک عظیم لقب اور اعزاز ہے

کبش کتبہ کا عظیم لقب حضرت عباسؓ کا ایک بڑا اعزاز اور تمغہ ہے جو آپؓ نے اصحاب و انصار و اہل بیت امام حسینؓ کے ہوتے ہوئے اپنے نام کے ساتھ خاص کر لیا۔ یاد رہے کہ عاشور کے دن نصرت امامؓ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کرنے والی جماعت اُمت کے عظیم ترین سیدوں کی جماعت ہے۔

یہ لقب آپؓ کو خود امام حسینؓ نے آپؓ کی شجاعت و بطولت کی تعظیم و تکریم کرتے ہوئے عطا فرمایا تھا اور بے شک آپؓ امامؓ کا دور کمر اور ان کے اطفال و حرم کے لیے احساسِ امن تھے۔ دشمنوں کا لشکر جو امامؓ سے جنگ کے لیے جمع تھا۔ ان کے دلوں میں حضرت عباسؓ کا رعب ہر وقت جاگزیں تھا اور لشکرِ امین سعدؓ آپؓ کے دُور سے یوں بھاگتا تھا جیسے غارِ زہر کا پتلا بزدل لومڑی غضب ناک شیر کے دُور سے فرار ہو جاتے ہیں اور آپؓ کے لیے امینِ زیاد کی طرف سے شمر کے امان لانے، مال و دولت اور لشکرِ امینِ زیاد کی سرداری کی پیش کش کا جو قصہ ہے وہ صرف اور صرف آپؓ کی تلوار کی کاٹ، آپؓ کی طاقبِ حملہ اور آپؓ کے اس رعب اور شدت کے خوف کی وجہ سے تھا جس کا مشاہدہ اور ناخوش گوار تجربہ وہ جنگِ صفین میں کر چکے تھے۔ آپؓ کی قوتِ بازو اور تلوار کی تیزی اور کاٹ کو جب سرچے تو ان کی نیند برباد اور سکون حرام ہو جاتا تھا۔ حتیٰ کہ آپؓ کے ہارے میں کہا گیا ہے:

قَسَمًا بِصَارِيهِ الصَّقِيلِ وَ إِنِّي
فِي غَيْرِ صَاعِقَةٍ الْمَنَّا لَا أَقْسِمُ
لَوْلَا الْقَضَا لَمَنَّا الْوُجُودُ بِسَيْفِهِ
وَاللَّهُ يَقْضِي مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ

”ان کی چمک دار عیزِ تلوار کی قسم! (اور میں وہ ہوں جو آسمانوں

پر چمکنے والی بجلی کے علاوہ کسی کی قسم نہیں اٹھاتا)۔ اگر وقتِ موت ملے نہ ہوتا تو آپؐ اپنی تلوار کے ساتھ (دشمنوں کی زندگی کا) وجود ہی مٹا دیتے اور اللہ جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے۔“

کبش الکتابہ کی شہادت

جب حضرت ابو الفضلؓ کی صابرا نہ اور مظلومانہ شہادت ہوئی تو امامؑ کے حالات بہت کٹھن ہو گئے۔ آپؑ نے عباسؓ کی جائے شہادت پر آ کر اپنی بے بسی کا لوحہ یوں پڑھا:

الْآنَ اِنْكَسَرَ ظَهْرِي وَقُلْتُ جِئْتُكَ وَهَشْتُ لِي عَذْوِي
”ہائے اب میری کمر ٹوٹ گئی، میری تدبیر کم پڑ گئی اور میرا دشمن خوش ہو گیا۔“

حضرتؑ کی شہادت کے وقت امامؑ کے پردہ داروں اور کم سن بچوں کی حالت کیا تھی اور امین سعد کے لشکر کے سپاہیوں کی حالت کیا تھی؟ اس کی عکاسی ازری نے اپنے اس شعر میں بیان کی ہے:

الْيَوْمَ نَاعَثَ أَهْلِيْن بِكَ لَمْ تَنْمُ
وَتَسَهَّدَتْ أُخْرَى فَقَرَّ مَنَامُهَا

یعنی اعدا کی آنکھیں جو ابو الفضلؓ کی تلوار اور جرأت کے خوف کی وجہ سے بیدار رہتی تھیں، آپؑ کی شہادت کے بعد آرام اور سکون کی نیند سوسیں گی“ اور حرم رسول اللہ، اہل بیتؑ و انصار امامؑ، کم سن بچے اور خدوات جو جو عباسؓ کا فکر کرتے تھے وہ اس لیے امن سے سوتے تھے کہ عباسؓ کی آنکھیں ان کی حفاظت میں جاگ رہی ہوتی تھی۔ ان کے دل مطمئن ہوتے تھے کہ عباسؓ جیسا شیر دل ان کا نگہبان تھا۔ آج وہ چہرے خوف زدہ اور آنکھیں بے نیند ہیں۔ ان کے قلوب بے چین اور

ان کی چلکیں نیند سے محروم ہیں۔ وہ قیدی بنا لیے جانے اور مال و اسباب کے لٹ جانے کے منتظر ہیں۔

میں تیرا سالار لکھکر ہوں

مقاتل کی بعض کتب میں آیا ہے کہ جب امام حضرت عباسؑ کے مقام شہادت پر پہنچے اور بھائی کو اس حالت میں دیکھا تو بہت گریہ و ماتم کیا جیسے ایک شفیق بھائی اپنے پیارے بھائی کے فراق میں کرتا ہے۔ آپؑ نے عباسؑ کو اٹھا کر خیام میں لے جانے کا ارادہ کیا۔ شہزادے نے پوچھا: بھائی کیا کرنا چاہتے ہو؟ فرمایا: آپ کو خیموں میں لے جانا چاہتا ہوں۔ شہزادہ عباسؑ نے عرض کیا: مولاً! میں آپ کو آپ کے جد رسول اللہؐ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے اسی مقام پر پڑا چھوڑ جائیں۔ امامؑ نے پوچھا: بھیا! ایسا کیوں چاہتے ہو؟ آپؑ نے عرض کیا: مولاً! میں نے آپؑ کی سیکندہ سے پانی کا وعدہ کیا تھا جو نہ لے جاسکا۔ مجھے آپؑ کی بیٹی سے شرم آتی ہے۔ پھر میں آپؑ کا سالار لکھکر بھی تو ہوں نا! جب آپؑ کے اصحاب مجھے مٹھول دیکھیں گے تو ہو سکتا ہے ان کا عزم و ارادہ کمزور پڑ جائے۔

امامؑ نے عباسؑ کے اس موقف اور پاکیزہ شعور پر شکر یہ ادا کرتے ہوئے فرمایا: تو نے اپنے بھائی سے خیر کا حق ادا کر دیا، تو نے اپنی زندگی میں اور بعد از شہادت بھی میری نصرت کی۔ اور آپؑ کی امامؑ کے ساتھ آخری گفتگو، آپؑ کی وقفا، عظیم اخلاص اور اپنے سید و سردار امام حسینؑ اور ان کے اہل بیتؑ کے لیے انتہائی تعظیم و ادب کے جذبے کی عکاس ہے۔ اس کے ساتھ آپؑ کی فنون حرب کی مہارت اور جنگ و جدال کی تعلیمات سے مکمل آگاہی بھی حاصل ہوتی ہے۔ آپؑ ”کوشِ سنیہ“ یا ”کوشِ سنیہ امام حسینؑ“ کے لقب کے معنی اہل اور سزاوار ہیں۔

عباسؑ محافظِ محل

حَامِي الظُّلُمِ نَزَّ آتَيْنَ مِنْهُ رَبِّيعَةً
 أَمْ آتَيْنَ مِنْ عَلَيْنَا أَبَيْنَ مَكْدَمَ
 فِي كَتَفِهِ الْيُسْرَى السَّقَاوِ يُقْلَهُ
 وَبِكَفِهِ الْيُمْنَى الْحَسَامِ الْمُخْلِمِ
 مِثْلُ الشَّحَابَةِ لِلْفَوَاطِمِ رَيْثُهُ
 وَيُصْنِبُ حَاصِبُهُ الْعُدُوَّ فَيَرْجِمُ

”ربیعہ بن کدم جیسے محافظِ محل کو حضرت عباسؑ سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ آپؑ نے اپنے ہاتھ میں پانی کا مشکیزہ اٹھا رکھا ہے اور دائیں ہاتھ میں میزدھار تلوار ہے۔ آپؑ کی ٹھک اولادِ فاطمہؑ کے لیے مثلِ امیرِ بلی کا ذریعہ ہے اور آپؑ کی تلوار دشمن کے سر پر جا چکتی ہے اور اُسے فی النار کر دیتی ہے۔“

طعیہ اس دستور کو کہتے ہیں جو کھاوے یا محل میں بیٹھی ہو۔ اس کی جمع طعائن اور طعن ہے۔ حضرت عباسؑ کو حامیِ طعیہ، حامیِ طعن، حامیِ طعیہ کر بلا اور حامیِ طعیہ امام حسینؑ کہتے ہیں بلکہ آپؑ رسالت و نبوت کی ناموس کے محافظ ہیں۔ جس طرح امام حسینؑ باقی آئمہ اہل بیتؑ کی طرح شریعت و احکامِ شریعت، کتاب اللہ اور حدودِ الہی اور ناموس کے محافظ و کفیل تھے۔ آپؑ نے اس عظیم انسانی و اسلامی و اساسی حکم یعنی حفاظتِ ناموس کے لیے حضرت ابو الفضلؑ کو مقرر فرمایا اور عباسؑ

نے سمر عراق میں ناموس و ذریت رسول اللہ کی حفاظت کی ذمہ داری کو بطریق احسن و اکمل انجام دیا اور حامی طہینہ کے عظیم لقب سے معروف ہو گئے۔

① اسلامی و انسانی غیرت و حمیت اور انفرادی اجتماعی عزت اس سے اپنے اہل و عیال، مستورات و اطفال کی حفاظت کرنے اور ان کے لیے مکمل امن و امان فراہم کرنے کا بھرپور تقاضا کرتی ہے۔ یہ تو عام انسان کی بات ہوئی۔ لیکن مؤسس اخلاق و تہذیب، انسانیت کے مسلم و پاک کتہہ اور مبلغ و محافظ اسلام جناب رسول کریمؐ اور ائمہ اہل بیتؑ سے یہ تقاضا بطریق اولیٰ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ اور اہل بیت رسول اللہ جب اپنے اہل و عیال کو اپنے ہم راہ سفر پر لے جاتے تو ان کو ایسے محلوں میں سوار کرتے جو ہر طرف سے ڈھانپے ہوئے ہوتے تھے اور ان پر کئی پردے لٹک رہے ہوتے تھے تاکہ وہ ہر جنبی آنکھ سے مامون اور موسم کی حرارت و برودت سے محفوظ رہیں اور امام حسینؑ جب اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ رسولؐ سے مکہ مکرمہ اور وہاں سے جاپ عراق چلے ہیں تو انھوں نے ایسے ہی انتظامات فرمائے اور اپنے باوفا بھائی کو اس فریضہ پر مامور فرمایا۔ تمام مخدرات کا سفر بے فکر اور ان کے دل مطمئن و بے خوف تھے کیوں کہ ان کے قافلے کے آگے آگے خود امام عالی مقام تھے اور ابوالفضل العباسؑ اور تمام ہاشمی شہزادے اس کے محافظ بن کر ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

ربیعہ بن مکدم

اس خصیصہ کے آغاز میں درج شعر میں سید جعفر علی کہتے ہیں: ربیعہ بن مکدم کنانی جو کہ حفاظت ناموس میں بحیثیت ایک ضرب المثل مشہور ہے۔ حضرت عباسؑ علم داران سے برتری و فوقیت رکھتے ہیں کیوں کہ آپؑ نے ناموس رسالت و امامت کے دفاع میں جام شہادت نوش کیا ہے۔

ربیعہ بن کدم قہلہ بنی فراس بن غنم میں سے ایک شخص تھا جو یوں معروف تھا کہ زندگی میں اور بعد از موت اپنی ناموس کی حفاظت کی۔ شعرا نے اس پر قصائد لکھے۔ ہر مقام و مناسبت پر اس کی غزوات و ہجرت شجاعت و حمات اور ناموس کی حفاظت کے لیے اس کے جنبہ غیرت کے نئے اور ترانے گائے جاتے رہے۔ اس کا قصہ و واقعہ کچھ یوں ہے، جو ابوصیدہ نے فتح الاسطبل میں نقل کیا ہے۔

مویہ بن حبیب سلی کسی جنگ سے بحیثیت قاری لوٹ رہا تھا۔ راستے میں اس نے بنی کنانہ کے محل کو دیکھا تو وہ ان مستورات پر قبضہ کرنے کے دہپے ہو گیا کیوں کہ ربیعہ بن کدم قہلہ ایک مردان کے ساتھ قہلہ یہ بھی ابھی ٹرکین میں تھا۔ ربیعہ مانع ہوا تو مویہ نے اسے زلفوں سے پکڑا اور اس کے بازو میں اپنا نیزہ پکڑت کر دیا۔ ربیعہ اپنی ماں کے محل کے پاس آیا اور کہا: ماں مجھے پٹی باندھ دو، میں ان کا مقابلہ ضرور کروں گا۔ ماں نے اس کے دھم پر پٹی باندھی اور جنگ پر اس کی ہمت بندھائی۔

جب اس نے پانی مانگتے کا ارادہ کیا تو اس کی ماں نے کہا کہ جاؤ اور ان سے جنگ کرو۔ پانی کہیں نہیں جا رہا۔ یہ سن کر ربیعہ واپس چلا اور جم کر لڑا حتیٰ کہ اس نے سب کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ ربیعہ اپنے محلوں کے پاس آیا اور مستورات سے کہا کہ میں نیزے کے دھم سے گھائل ہو چکا ہوں لیکن جیسے میں نے زندگی میں تمہاری حفاظت کی ہے، مگر اب بھی حفاظت کروں گا۔ میں نے یوں تدبیر کی ہے کہ میں درختوں کے اس جھنڈ میں اپنے گھوڑوں پر سوار کھڑا ہوں گا اور اپنے توازن کے لیے نیزے کا سہارا لوں گا۔ تم سب تیزی سے آگے بڑھ جاؤ۔ اگرچہ میری روح پرواز کر جائے گی مگر نیزے کی ٹپک پر کھڑا ہوں گا اور میری موجودگی کی وجہ سے دشمن دن کی کچھ ساعات گزرنے تک اوہر کا رخ نہیں کرے گا۔ اس طرح مستورات

کے قافلے نے گھاٹی کو عبور کر لیا اور ربیعہ دشمن کے سامنے اپنے گھوڑے پر مقابلے کے لیے تیار بیٹھا نظر آتا رہا۔ اس کا خون لگاتار رستا رہا۔ بالآخر جسم کا سارا خون بہ گیا اور اس کی روح پرواز کر گئی۔ وہ بوقت مرگ تنہا کرتا رہا کہ کاش کوئی اسے اس کے گمراہیوں تک پہنچا دے۔ بہر حال نیزے کے سہارے کی وجہ سے وہ مر کر بھی ایسا لگتا تھا گویا زندہ ہے اور دشمن اسے زندہ سمجھ کر آگے بڑھنے کی ہمت نہ کر سکے لیکن جب کافی دیر گزر گئی اور ربیعہ نے اپنی جگہ سے کوئی حرکت نہ کی تو انھوں نے حیر سے گھوڑے کا نشانہ لیا۔ جب تیر گھوڑے کو لگا تو وہ سچ پا ہو گیا اور ربیعہ زمین پر منہ کے بل گر پڑا۔ اس سے انھیں پتہ چل گیا کہ وہ تو مر چکا ہے۔ اب دشمن حملوں کی طرف بڑھے لیکن مستورات کافی فاصلہ طے کر چکی تھیں اس لیے انھیں نہ پاسکے۔

اس واقعہ کے بعد مشہور ہو گیا کہ ناموس کی حفاظت میں جان کی بازی لگا دینے والا ربیعہ بن مکدم جیسا کوئی نہیں ہے۔

ربیعہ اور عباسؓ کا تقابل

ربیعہ بن مکدم کو حضرت عباسؓ سے کوئی نسبت نہیں۔ اگر واقعہ کربلا کے وقت ربیعہ زندہ ہوتے تو ناموس کے لیے غیرت عباسؓ پر فخر کرتا بلکہ آپؓ کی بلند غیرت و حمیت اور ناموس کی نگہبانی کے اس عظیم انداز کو دیکھ کر ششدر و حیران رہ جاتا۔ جب ربیعہ کو نیزہ لگا تو اس نے اپنی ماں سے التجا کی کہ اس کے دھم پر پٹی باندھے۔ ماں نے پٹی باندھی اور اس کی شجاعت و حمیت بڑھائی لیکن جب حضرت عباسؓ کا دایاں بازو شہید ہو گیا تو آپؓ نے وہ زجز پڑھا جو آج بھی ہر سامع اور آزاد انسان کے دل میں غیرت کو جوش دلاتا ہے۔

آپؓ نے فرمایا: میرا دایاں ہاتھ میرے دین اور میرے امام کا نذرانہ اور صدقہ ہوا جنھوں نے حفاظت ناموس اہل و عیال اور بالخصوص محدرات و رسالت و

امامت کی نگہبانی کا درس دیا ہے۔“

پھر ربیعہ نے اپنی ماں سے پیاس بجھانے کے لیے پانی طلب کیا تو ماں نے کہا: پانی کو چھوڑو۔ اس سے زیادہ اہم خطرے میں گہری تمھاری مستورات کی ناموس کی حفاظت ہے، اس کے لیے قیام کرو۔ جبکہ حضرت عباسؓ طلقہ پر قبضہ کرنے کے بعد مشکیزہ بھرنے کے لیے پانی میں داخل ہوتے ہیں۔ چلو میں پانی بھر کر منہ کے قریب لے جاتے ہیں۔ پانی ان کی دسترس و قدرت میں ہے اور اس کا پینا ان کے لیے جائز و مباح ہے لیکن شدت پیاس کے باوجود پانی پھینک دیا۔ بقول شاعر:

طی کے لال نے چلو میں لے کے پانی کو

بڑے دکار سے دریا کے منہ پہ مار دیا

اور فرمایا: اس سے اہم تر امر ناموس رسالت و ولایت کا دفاع اور ان کی

سیرابی ہے۔

ربیعہ بن کلم اپنے نذرے سے ٹپک لگائے اپنے گھوڑے پر کھائی میں ٹھہرا رہا، حتیٰ کہ اس کا سارا خون بہ گیا اور وہ اسی حالت میں فوت ہو گیا۔ لیکن مرتے وقت اس نے تمنا کی کہ کاش کوئی ایسا مددگار آئے اور اسے تنہائی اور غربت سے نجات دلائے اور آخری وقت میں اس کے اہل خانہ ان تک پہنچائے۔ لیکن جب حضرت عباسؓ اپنے رھوار کی زمین سے زمین پر آئے اور امامؑ بھائی کے پاس اتنی چیزی سے آئے جیسے بلندی سے پانی نشیب کی طرف آتا ہے اور انھیں شہدا کے خیمہ کی طرف لے جانا چاہا تو شہدادے نے جید امامؑ رسول اللہؐ کا واسطہ دے کر التجا کی کہ مجھے خیمہ میں نہ لے جائیں تاکہ میرے قتل سے مستورات خالوادہ عصمت سکتے ہیں نہ آجائیں اور رسالت و امامت کی گود میں پلٹنے والی بیبیاں گھبرا نہ جائیں اور میری موت کے بعد دشمن خیام پر حملہ آور ہونے کی جسارت نہ کریں۔ اگرچہ یہ حیلہ بہت



تھوڑی دیر تک کے لیے کار کر رہے گا کہ جب تک میری عمر شہادت ہر طرف پھیل نہیں جاتی۔

امام حسینؑ: نگہبان ناموس

حضرت عباسؓ حفاظت ناموس کے حوالے سے ہر دور کے افراد پر فائق ہیں۔ آپ کی ناموس کے لیے قربانی سب سے بڑھ گئی ہے۔ آپؑ نے دعائی میں بھی اور بعد از شہادت بھی ناموس رسالت و ولایت کی حفاظت کی ہے اسی لیے آپ بلا شرکت غیرے مافیٰ عہد کے لقب کے سزاوار ٹھہرے ہیں۔

ہاں امام حسینؑ جو کہ مخصوص من مظلوم ہیں، اور نام و بیعت کا ہے جو تمام مکارم و محاسن میں نام نظر آتا ہے، نگہبانی ناموس میں بھی امام حسینؑ سب پر سبقت رکھتے ہیں۔ اس کے ثبوت کے لیے کلمہ یہ دلیل کافی ہے کہ جب نام مای مقام ماحورا کے دن زمین و آسمان سے زمین کر پڑا پر آنے تو کافی دیر تک زمین گیر رہے۔ آپؑ خون بہ جانے کی وجہ سے ٹھنک ہو گئے تھے لیکن دشمن ابھی قریب آنے سے ڈرتا تھا۔ کچھ کہتے تھے کہ ابن کی روح پرواز کر گئی ہے اور کچھ کہتے تھے کہ ابن کی چال ہے تاکہ قریب پہنچنے والے کسی دشمن کا کام تمام کر سکیں۔ ایسے میں فرعون ذی الجوشن طبع اللسان نے کہا کہ خیام کا زرخ کرو۔ اگر رعد ہے تو غیرت ہامی اسے اٹھنے پر مجبور کر دے گی۔ پس وہ خیام کی طرف بڑھے جس پر مستورات کی چیخ و پکار بلند ہوئی تو امامؑ نے انھیں روکنے کے لیے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اٹھ نہ سکے تو اعضاء کو پکار کر کہا:

”مذلت ہو تم پر اے آل ابیہنیان کے سردار اگر تمہارا کوئی دین نہیں ہے اور تمہیں قیامت کا خوف بھی نہیں ہے تو اپنی دنیاوی زندگی میں آزاد ہو اور اگر عرب ہو تو کم از کم اپنے آباؤ اجداد کی عروسی تو کرو۔“

شمر نے پکار کر کہا: اے ابنِ فاطمہ! کیا کہتا ہے؟
 آپؑ نے فرمایا: میں تمہارے ساتھ لڑال کر رہا ہوں تم میرے ساتھ جگ
 کرو، مستورات کا کوئی گناہ نہیں۔ اپنے گستاخ لکھریوں کو روکو کہ (کم از کم) جب
 تک میں زندہ ہوں میرے حرم سے دُور رہیں۔

شمر نے کہا: ٹھیک ہے۔ پھر اس نے اپنی سپاہ سے کہا کہ خیام کی طرف نہ جاؤ
 بلکہ صرف حسینؑ سے سروکار رکھو۔ مجھے میری زندگی کی قسم، یہ ایک عزت دار گھرانے
 کا فرد ہے۔ اسی مضمون کی طرف ایک شاعر حسینی نے اشارہ کیا ہے:

قَالَ اقْصِدُونِي بِنَفْسِي وَاتْرُكُوا حَوَاشِي
 قَدْ حَانَ جَنِينِي وَقَدْ لَاحَثَ لَوَالِي

یعنی امام علیہ السلام نے فرمایا: ”میرا قصد کرو اور میرے حرم کو
 چھوڑ دو، میرا وقت قریب آ گیا ہے اور نوہٹ تقدیر ظاہر ہو گیا
 ہے۔“

الحق امام حسین علیہ السلام اس وصف کی بنیاد رکھنے والے اور اس کے لیے
 قربانی دینے والے ہیں اور حضرت عباسؑ نے اپنے بھائی اور امامؑ کی اقتدا اور پیروی
 اکمل و احسن طور پر کی اور ’حامی طعینہ‘ حامی الطعن اور حامی طعینہ حسینؑ ایسے
 القاب کے صحیح اہل قرار پائے۔

.....●.....

اکیسواں خصیصہ

حضرت عباس: سبع القطرہ

سبع شیر کو اور ہر نڈر اور پیش قدمی کرنے والے حیوان کو کہا جاتا ہے اور اس کا اطلاق اس مرد شجاع پر بھی ہوتا ہے جو دلیری اور پیش قدمی کرنے میں پھوٹی رکھتا ہو۔
قطرہ بیل کو کہتے ہیں بلکہ ہر اس شے کو کہتے ہیں جو مدی، نہروں کو عبور کرنے کے لیے پانی کے اوپر بتائی جائے۔ اور سبع القطرہ یعنی وہ مرد شجاع جو بیل کا محافظ ہو کہ دشمن اس کو عبور نہ کر سکے۔ جو بیل کی حفاظت کرنے کا اہل ہو اور اس کی جرأت و بہادری کا خمیرہ چہار داکب عالم میں ہو۔

حضرت عباسؓ کو بیل کا محافظ کیوں کہتے ہیں؟

یہ لقب حضرت ابو الفضلؓ نے جب نہروان میں خود اپنی اعلیٰ اہلیت کے سبب حاصل کیا۔

نہروان بغداد سے چار فرسخ کے فاصلے پر واقع ایک شہر ہے۔ اس مقام پر خوارج کے ساتھ مولا امیر ملیہ السلام کی ایک فیصلہ کن جنگ ہوئی جسے جب نہروان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت امیر المومنینؓ نے جناب عباسؓ کو گھڑسواروں کے ایک دستے کے ساتھ بیل کی حفاظت پر مامور فرمایا: کوئی خارجی بیل سے گزرنے نہ پائے کیوں کہ یقیناً وہ بیل جنگی قلعہ نظر سے بہت اہم تھی اور آپؓ نے نہروان کے معرکہ میں اپنی ہاشمی شجاعت و بطولت کے جھنڈے گاڑ دیے۔ لشکر خوارج میں سے کوئی بھی بیل کو

عبور کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ جب بھی وہ ہیل کی جانب بڑھتے تو شہزادہ عباس کی موت ہانپتی نکوار ان کے سامنے سیدراہ ہو جاتی اور آپ کے رعب و دبدبہ اور ہیبت کی وجہ سے وہ ہیل عبور کرنے کا ارادہ ملتوی کرتے اور فرار میں ہی عافیت پاتے۔ اسی لیے جب جنگ میں وقفہ نماز آیا تو حضرت امیر المومنینؑ نے وضو کے لیے پانی طلب فرمایا۔ جب آپ وضو کرنے میں مصروف تھے تو ایک گھڑسوار آیا اور اطلاع دیتے ہوئے کہا: اے امیر المومنین! جس ہیل کی محافظت پر عباسؑ اپنے دستے کے ساتھ مامور تھے اس پر خوارج نے قبضہ کر لیا ہے اور ہیل عبور کر لی ہے۔ مخبر کی اس خبر پر امیر المومنینؑ نے نہ وضو سے سر اٹھایا اور نہ ہی اس کی خبر کو کوئی اہمیت دی کیوں کہ آپ کے علم میں تھا کہ اس ہیل کی نگرانی کے لیے میں نے کسی اور کو نہیں بلکہ عباسؑ کو متعین کیا ہے۔ اس کی نکوار کی کاشت سہنے کا حوصلہ و ہمت خوارج کے بس کی بات نہیں۔ مخبر کی بات کو اہمیت نہ دینے کی ایک اور وجہ رسول اللہ کی وہ حدیث بھی تھی جس میں آپؐ نے مولا امیر علیہ السلام کو خبر دی تھی کہ کس طرح خوارج کا فتنہ اٹھے گا، وہ کیسے جنگ کریں گے، کہاں اتریں گے، کہاں سوار ہوں گے، ان کا انجام کتنا بُرا ہوگا اور وہ سب آپ کے ہاتھوں واصل جہنم ہو جائیں گے۔

اس بنا پر آپؐ نے اس گھڑسوار کو جواب دیا کہ انھوں نے ہیل کو عبور نہیں کیا ہے اور نہ ہی کر سکیں گے۔ ان میں سے دس سے کم افراد زخمہ بخ سکیں گے اور آپؐ ہیچان علیؑ میں سے دس سے کم شہید ہوں گے۔ پھر آپؐ نے اپنی بات کی مزید تاکید کرتے ہوئے فرمایا: ”نہ میں نے جھوٹ بولا ہے اور نہ مجھے بتانے والے نے جھوٹ بولا ہے۔“

جناب امیرؑ کی اس گفتگو سے لوگوں کو تعجب ہوا۔ ان کے درمیان ایک شخص ایسا تھا جو حکم میں پڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ ٹھیک ہے اسی بات سے علیؑ کے حق پر ہونے



کو پہچان لیتے ہیں۔ اگر ان کی یہ بات سچ ثابت ہوگئی تو پھر کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں رہ جائے گی۔ تھوڑی دیر بعد گھڑ سوار آیا اور اس نے کہا: اے امیر المومنین جیسا آپ نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا، واقعی خوارج نے بیل عبور نہیں کیا ہے۔

خوارج پر علیہ السلامی حملہ

امام المومنین علی علیہ السلام نے نماز عصر ادا کی۔ پھر اپنے مجاہدوں کے ہم راہ خوارج کی طرف متوجہ ہوئے اور سب سے پہلے ان پر اتمام حجت کرتے ہوئے انھیں مذہب الہی سے ڈرایا اور حضرت عبداللہ ابن خطابؓ کے قتل، ان کی حاملہ زوجہ کے پیٹ کو چاک کر کے بچے کو نکال کر اس کو ماں کے ساتھ بترق کرنے، جیسی بربریت پر توبہ کرنے کی ترغیب دلائی۔ آپ کے مجرمہما و حلقہ کا اثر یہ ہوا کہ بارہ ہزار خوارج میں سے آٹھ ہزار صراطِ مستقیم کی طرف لوٹ آئے لیکن بقیہ چار ہزار خوارج اپنی بدبختی پر ڈٹے رہے بلکہ انھوں نے کہا کہ اے علی! جس طرح ہم نے عبداللہ بن خطابؓ، ان کی زوجہ اور بچے کو قتل کیا ہے اسی طرح تمہیں بھی بترق کریں گے۔

پس حضرت نے ان کی طرف سے مایوس ہو کر ان پر زوردار حملہ کر دیا اور ان کی صفوں میں کھس گئے اور تھوڑی ہی دیر میں سوائے نو افراد کے ان میں سے کوئی بھی نہ بچا سب واصل جہنم ہو گئے۔ ان نو افراد میں سے دو افراد خراسان اور ارض جحان کی طرف بھاگ گئے اور وہاں ان کی نسل موجود ہے۔

دو افراد بلادِ جزیرہ کے مقام الحسن کی طرف گئے۔ دو افراد نے بلادِ عمان کا رخ کیا اور اب تک ان کی نسل وہاں موجود ہے۔ دو نفر یمن کی طرف بھاگ گئے اور ایک شخص صحرا کی طرف بھاگ گیا اور پھر وہاں سے کوفہ میں داخل ہوا، وہی عبدالرحمن بن ملجم مرادی تھا اور ادھر امامؑ کی فوج میں سے نو افراد شہید ہوئے اور لوگوں نے دیکھا کہ حضرت امیر علیہ السلام کی دی ہوئی خبر پوری کی پوری سچ ثابت ہوئی۔

ہائیسواں خصیصہ

حضرت ابو الفضلؓ کا ایک لقب ضیغم ہے

حَتَّىٰ إِذَا اشْتَبَكَ السُّيُوفُ وَصُوتُ
صَيْدِ الرِّجَالِ بَنَّا تَجُنُّ وَتَكْتُمُ
وَقَمَّ الْعَذَابُ عَلَىٰ جُيُوشِ أُمِّيَّةٍ
مِّنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ هُوَ فِي الْوَلَايِمِ مُنْعَمٌ
مَا رَأَوْهُمْ إِلَّا تَقَعُّمٌ ضَيْغَمٌ
غَيْرَ أَن يُضْجِعَ لَفْظُهُ وَيُدْمِغَهُ

”جب جنگ چھیدہ صورت اختیار کر لے اور رات کی تاریکی کی وجہ سے دشمن کو شمار کرتے وقت نشانے خطا ہو جائیں تو ایسے میں وہ بہادر لشکر بنو امیہ پر عذاب برپا کر دیتا ہے جس کی بہادری گھمسان کی جنگوں میں مشہور ہے۔ وہ ڈر کی وجہ سے پوری بات بھی منہ نہ کہہ سکے ہوتے کہ وہ مثل شیران کی صفوں میں گھس آتا ہے اور ان کو برباد کر دیتا ہے۔“

ضیغم کا معنی ہے شیر، یہ ایسے شجاع مرد پر بولا جاتا ہے جو جرأت و بہادری اور پیش قدمی کرنے کے حوالے مضبوط شہرت کا مالک ہو اور ابو الفضلؓ اپنی عظیم شجاعت، رعب اور کلائی کی سرعت کی وجہ سے لوگوں میں ضیغم کے لقب سے مشہور ہوئے۔ جب آپ دشمن کا سامنا اور مقابلہ کرتے تو ایسی ضرب لگاتے تھے جو دشمن کے لیے قضا بن جاتی تھی، لیکن وہ ضرب کلائی اور تلوار کی سرعت کی بدولت اتنی

برق رفتاری سے واقع ہوتی تھی کہ معروب کو پتا نہیں چلتا تھا کہ میرے ساتھ کیا گزر گئی ہے۔ پس اگر وہ کسی دشمن کی گردن کا نشانہ لیتے تو تلوار گردن کو کاٹ کر اتنی جلدی سے گزر جاتی کہ سرجسم کے اوپر ہی ٹکا رہتا تھا۔ دشمن اسے صرف ایک ضرب ہی سمجھتا اور بھاگنے کھڑا ہوتا لیکن جو نبی پہلا قدم اٹھاتا اس کا سر اس سے آگے بڑھ جاتا تھا یعنی سر مکمل کٹ کر آگے آگرتا تھا۔ اسی طرح اس کی موت واقع ہو جاتی۔

سید جعفر علی نے ابوالفضلؓ کے اس اندازِ حرب کو اپنے قصیدہ میں لکھا ہے:

مَا كَرَّ ذُو مِغْصٍ لَّهِ مُتَقَلِّبًا

إِلَّا وَقَرَّ وَرَأْسُهُ الْمُتَقَدِّمَ

”کوئی بھی بڑے سے بڑا جنگجو آپ کے سامنے ٹھہر نہ سکتا

تھا جو بھی آپ سے جنگ کرتا وہ فرار ہونے پر مجبور ہو جاتا

لیکن اس کا سر اس کے جسم سے بھی آگے نکل جاتا تھا۔“

ابوایوب ہمدانی

نصر بن حزام کی کتابِ مطہین میں آیا ہے کہ ابوایوب ہمدانی نے لشکرِ شام کی صفوں پر حملہ کیا۔ پھر واپس پلٹا، راستے میں اس کا سامنا ایک شامی سپاہی سے ہو گیا جو اہل عراق (فوجِ امیرؓ) پر حملہ کر کے لوٹ رہا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے پر وار کیے۔ ابوایوب نے بظاہر آہستگی سے تلوار اس کی گردن پر ماری لیکن اس کی گردن چلد کے ساتھ باقی رہی۔ ابوایوب نے غرہ لگایا کہ میں نے اس دشمن کا کام تمام کر دیا ہے لیکن لوگوں نے اس کی بات کا یقین نہ کیا۔ جب وہ دشمن فوجِ شام کے پاس پہنچا تو اس کا سر گر کر الگ ہو گیا۔

لوگوں کو اس منظر سے بہت تعجب ہوا۔ امیر المومنینؓ نے اس موقع پر فرمایا: بخدا مجھے اس شخص کے سر کے جسم پر ٹکے رہنے سے تعجب نہیں ہوا جتنا ضرب مارنے

والے کی ضرب سے ہوا۔ یہ ضرب شمشیر میں مہارت کی انتہا ہے۔ اگلی صبح کو جب ابوالیوب جنگ کے لیے جا رہے تھے تو مولا امیرؑ نے داد دیتے ہوئے فرمایا: تم ویسے ہی جنگجو ہو جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

وَعَلَّيْنَا الضُّرْبَ أَبَاؤُنَا

وَسَوْفَ نُعَلِّمُهُ أَيْضًا بَنِينَ

”ہمیں شمشیر زنی ہمارے آباؤ اجداد نے سکھائی اور اسی طرح ہم بھی یہ فن آگے اپنے بیٹوں کو منتقل کریں گے۔“

جنگ مصفین میں جناب عباسؑ کا قیام

کتاب ”کبریٰ مرتضیٰ“ وغیرہ میں ہے کہ حضرت عباسؑ جنگ مصفین میں اپنے بابا کے ساتھ شریک ہوئے اور اس زمانے کے مشہور سواروں کو اپنی تلوار سے گھائل کیا شاید اسی موقع کی بہادری کی وجہ سے لوگوں میں ضیغم کے نام سے مشہور ہو گئے۔ آپ کے مصفین کے جنگی کارناموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب معاویہ نے فرات پر قبضہ کر کے لشکرِ امامؑ پر پانی بند کر دیا اور کئی ہزار فوجی پانی کے پھرے پر متعین کر دیے حتیٰ کہ لشکرِ امامؑ کو شدتِ پیاس کا سامنا کرنا پڑا تو حضرت امیرؑ نے اپنے ساتھیوں کو اکٹھا کر کے ایک خطبہ دیا جس کا نام خطبہ حماسیہ ہے۔ آپؑ نے اپنے اصحاب کو دریا کا قبضہ واگزر کرانے کی ترغیب دلائی۔

امام حسینؑ نے فرات کے قلعوں سے نبرد آزما ہونے کی اجازت چاہی۔ اجازت ملنے پر سبطِ رسولؐ نے گھڑسواروں کا ایک دستہ لے کر دشمن پر حملہ کیا اور حضرت عباسؑ آپ کا بازو بنے ہوئے تھے۔ وہ حملہ اتنا شدید تھا کہ حمیش معاویہ بھاگ کھڑا ہوا اور حسینؑ و عباسؑ کا دستہ فرات میں اتر گیا۔ لیکن آپؑ نے معاویہ کی طرح دشمن پر پانی بند نہ کیا۔ پانی سب کے لیے مباح رکھا۔

زیب دیتا ہے اسے ساقی کوثر ہوتا

صفین کی جنگ میں حضرت عباسؓ کی ایک اور بھی مبارزت بہت مشہور ہے جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ آپؓ چہرے پر نقاب ڈالے میدان صفین میں اترے۔ لوگ قباب کی وجہ ڈر رہے تھے کہ پتہ نہیں کون جو ان ہے اور مقابلہ سے کئی کترارہے تھے۔ معاویہ نے اپنے نامی گرامی پہلوان ابوالفضلؓ کو مقابلے کے لیے اکسایا لیکن اس نے ٹکبر کرتے ہوئے کہا کہ یہ جو جسم اور قیافہ سے نوخیز لگ رہا ہے میں اس کے مقابلے میں خود نہیں جاؤں گا بلکہ اپنے سات بیٹوں میں سے کسی ایک کو بھیجتا ہوں جو اس جو ان کے لیے کافی رہے گا۔ مجھے تو اہل شام ایک ہزار گھڑ سوار کے مقابلے کے لیے تیار کر کے لائے ہیں۔ بہر حال جب اس نے اپنے ایک بیٹے کو بھیجا تو حضرتؓ نے اس کو فنی التار کر دیا، حتیٰ کہ اس کے سارے بیٹے مقابلے کے لیے آئے اور شہزادے نے سب کو پچھاڑ دیا۔ اپنے بیٹوں کی موت پر ابوالفضلؓ سخت غصے اور کینے سے میدان میں آیا اور کہا: میں ضرور اس کے ماں باپ کو اس کی کم سنی کی موت پر زلاؤں گا اور بڑی تیزی اور شدت سے شہزادے کی طرف بڑھا لیکن جب قریب آیا تو تلوار سے وار کرنا تو کچا تلوار اُپر اٹھانے کی مہلت بھی نہ پاسکا۔ شہزادے کی قضا بانٹنی ضرب شمشیر نے آنا واحد میں اسے اس کے سات بیٹوں کے ساتھ ملحق کر دیا۔

یہ منظر دیکھ کر لشکر معاویہ کے دلوں پر آپؓ کا رعب اور خوف طاری ہو گیا اور اس کے بعد کوئی بھی آپؓ کے ساتھ مقابلہ کرنے بلکہ آپؓ کی سمت بڑھنے کی بھی جرأت نہ کر سکا۔

یہ حالت تو تھی لشکر معاویہ کی، لیکن لشکر جناب امیرؓ کا ماحول بھی کچھ اور ہی تھا۔ سب تعجب کر رہے تھے کہ یہ اتنا جری نوخیز جو ان کون ہے، وہ بڑے شوق اور



تجسس سے آپ کی طرف لپکے۔ جب عباسؓ واپس آئے تو جناب امیرؓ ان کے پاس پہنچے اور مرجا کہتے ہوئے حسینؓ فرمائی۔ جب آپؓ نے اپنے چہرے سے غلاب ہٹائی تو لوگوں کو پتا چلا کہ تلوار کی یہ کاٹ کسی اور کی نہیں بلکہ اسد اللہ علی کے فرزند قرنی ہاشم عباسؓ کی تھی۔



www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

تینسواں خصیصہ

العبد الصالح

شاید حضرت ابو الفضل العباسؑ کے لیے سب سے اُدھی منزل، سب سے بلند مقام، سب سے بڑا نام، اور سب سے بڑا تمغہ ”عبد صالح“ کا لقب ہے جو امام جعفر صادق علیہ السلام نے انھیں عطا کیا ہے اور جو معروف زیارت میں ابو حمزہ ثمالی سے مروی ہے۔ زیارت کے الفاظ یہ ہیں:

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ الْمُطِیْعُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهِ
وَلَا مُبِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِمْ
وَسَلَّمَ

”اے عبد صالح، اے اللہ، رسول اللہ، امیر المؤمنین، حسن مجتبیٰ اور حسین شہید کربلا صلوات اللہ علیہم کے سچے اطاعت گزار، آپ پر میرا سلام ہو۔“

دو پرستی لفظ ”عبد“ اور ”صالح“ کو مرکب کر کے حضرت عباسؑ کے حق میں استعمال کر کے امام جعفر صادق علیہ السلام نے واضح فرمایا ہے کہ آپ اللہ کی عظیم معرفت کے ساتھ اس پر ایمان رکھتے تھے۔ ہر حالت میں اسی کا بندہ ہونے کا ثبوت دیا۔ اللہ کے حکم کے سامنے پورے اخلاص کے ساتھ سر تسلیم خم رکھا اور ہمیشہ خوب صورت ایثار اور پاکیزگی نفس کا مظاہرہ کیا کیوں کہ عبودیت (اللہ کا حقیقی عبد ہونا) بذات خود مصومین یعنی انبیاء و اوصیاء کی منزل ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کی مدح فقط لفظ ”عبد“ کے ساتھ کی ہے اور اسی طرح انبیاء و اولیاء نے بھی صرف ”عبد خدا“ ہونے

پر فخر کیا ہے اور جب عبودیت خدا، پرہیزگاری اور ہدایت کے ساتھ مزین ہو تو اس کی شادابی و جمال اور رخصت و کمال میں اور زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔

قرآن میں عباد صالحین کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں میں سے صرف صالح بندوں کو زمین کے وارث و مالک ہونے اور عدل و انصاف قائم کرنے والے ہونے کی خوش خبری دیتے ہوئے فرمایا:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ
يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (سورۃ انبیاء، آیہ ۱۰۵)
”اور ہم نے تو صیحت (توریت) کے بعد یقیناً زبور میں لکھ
دیا تھا کہ روئے زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں
گے۔“

شرح الآیات الباہرہ میں ہے کہ امام ابو جعفر علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے وہ صالح بندے آل محمدؐ ہیں اور سورۃ فاتحہ کی ان آیات اِٰهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ، صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (ہمیں صراطِ مستقیم کی ہدایت دے، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا) کی تفسیر امام حسن عسکریؑ نے اپنے آبا سے نقل کرتے ہوئے یوں فرمائی کہ ”ہمیں ان لوگوں کے راستے کی ہدایت فرما جن پر تو نے یہ انعام فرمایا ہے کہ ان کو اپنے دین اور اپنی اطاعت کی توفیق عطا فرمائی ہے اور یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

وَمَنْ يُؤْمِرِ اللَّهُ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ
عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ
وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ○ (سورۃ نساء، آیہ ۶۹)

”اور جس شخص نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی تو ایسے لوگ
ابن (حلیل) بھروسے کے ساتھ ہوں گے جنہیں اللہ نے اپنی
نصیحتیں دی ہیں یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور
یہ لوگ کیا ہی اچھے رفیق ہیں۔“

شرح الاقبات الباہرہ میں نبی اکرمؐ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:
النَّبِيُّ ع مراد میں ﷺ سے مراد میرے بھائی علیؑ، شہداء سے مراد میرے
صحابہ کرامؓ اور الصَّالِحِينَ سے مراد میری بی بی فاطمہؑ اور ان کے بیٹے حسنؑ و حسینؑ ہیں۔

استنباط اور نتیجہ

پہلی آیت میں عِبَادَ اللَّهِ الصَّالِحِينَ کی تفسیر میں امام ابو جعفر طبرسیؒ نے فرمایا: ہم آلِ محمدؐ ہیں۔ اس کا یہ امام جعفر صادقؑ طبرسی نے اپنے ہم
ابو الفضل کو معبود صالح کا یہ نام دیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ انہیں آلِ محمدؐ میں
شامل فرمایا ہے۔

اور دوسری آیت کے لفظ الصالحین کی تفسیر نبی کریمؐ نے اپنے اس کا مصداق
جناب فاطمہؑ اور جناب حسینؑ و شریعت کو قرار دیا ہے تو اس کا یہ نام کہہ سکتے ہیں کہ
امام جعفر صادقؑ طبرسی نے ابو الفضل بہتان کے لیے معبود صالح کا لفظ استعمال
کر کے ان کو اولادِ فاطمہؑ میں شمار کیا ہے۔

اور یہ بات کوئی عجیب بھی نہیں ہے کیوں کہ نبیؐ کی حدیث ہے: الْقَرِيبُ
مَنْ قَرَّبَتْهُ الْمَوَدَّةُ قُرَابَتِ دَارِهِ ہے جسے مودتِ قرابت دارِ ہوادے۔ اور جو
مودت و محبت حضرت عباسؑ نے اپنے امین و سیدین، رحمانین و سبطین رسول اللہؐ
حضرت حسینؑ و شریعت سے کی ہے اس سے بڑھ کر محبت کون کر سکتا ہے۔ اور معلوم
ہوتا چاہیے کہ آپؐ کی مودت و اخلاص اور کربلا میں آپؐ کا آزمائش و قربانی کو

جانتے ہوئے آپ بطور شکرانہ عباسؑ ان کے لیے بیٹے کا لفظ استعمال کرتی تھیں اور ان کو اپنی اولاد کے ذمے میں شمار کرتی تھیں۔

اور ایک مومن زائر (جو نکلی و پرہیزگاری اور خیر و تقویٰ میں مشہور تھا) کا قصہ بھی اس مفہوم کے شاہد کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے اور ثقہ علماء میں سے کسی ایک نے اسے نقل کیا ہے۔ یہ مرد مومن ہر دن میں دو یا تین مرتبہ روضہ امام حسینؑ کی زیارت کیا کرتا تھا اور کبھی کبھار دس دنوں میں ایک آدھ مرتبہ حضرت عباسؑ کے روضہ کی زیارت کو آتا تھا۔ ایک رات اس نے خواب میں جناب سیدہ فاطمہ الزہراءؑ کو دیکھا، ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا لیکن جناب سیدہؑ نے اس سے منہ پھیر لیا۔ اسے احساس ہو گیا کہ اس نے کوئی بڑا گناہ کیا ہے جس کی وجہ سے بی بیؑ ناراض ہیں، ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتے ہوئے عرض کرتا ہے کہ اے سیدہ عالم! میں اپنی تقصیر کا اعتراف کرتا ہوں اور گزارش کرتا ہوں کہ میری تقصیر سے مجھے آگاہ فرمائیں تاکہ آئندہ اس سے اجتناب کر سکوں۔

جناب سیدہؑ نے فرمایا: تم میرے بیٹے کی زیارت بہت کم کرتے ہو۔ بڑے وثوق سے عرض کرتا ہے کہ بی بیؑ! ہر دن میں ایک سے زیادہ مرتبہ زیارت امامؑ کو جاتا ہوں اور کبھی تو دن میں تین بار زیارت کرتا ہوں اور کبھی زیارت کو ترک نہیں کرتا ہوں۔ آپؑ نے فرمایا: ہاں ٹھیک ہے تم میرے بیٹے حسینؑ کی زیارت ایسے ہی کرتے ہو لیکن میرے بیٹے عباسؑ کی زیارت بہت کم کرتے ہو۔

واقعاً یہ بات صحیح ہے اور بعید از قیاس و عقل نہیں ہے۔ حضرت سلمان فارسیؑ کے بارے میں حضورؐ کی حدیث متواتر ہے۔

سَلَمَانُ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ ”سلمانؑ میرے اہل بیتؑ میں سے ہے۔“

اور یہ بھی تواتر سے حدیث ہے کہ آپؑ نے جناب سلمانؑ کو سلمان فارسیؑ

کے نام سے پکارنے سے منع فرمایا اور سلمان محمدی کہہ کر پکارنے کا حکم فرمایا ہے۔ تو جب حضرت سلمانؓ کی محبت و ولا، حسن کردار و افعال اور آزمائشوں میں سرخروئی کے اجر کے طور پر انھیں اہل بیت میں شامل کیا جاسکتا ہے تو حضرت عباسؓ کی میدانِ کربلا میں عظیم آزمائش، ان کے فی سبیل اللہ سختی و شفقت برداشت کرنے اور اپنے سید و سردار و ذی وقار بھائی امام حسینؓ کے لیے عظیم و جمیل قربانی دینے پر انھیں اہل بیتِ نبویؐ میں شمار کرنا بھی بعید و عجیب نہیں ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ، ایک عہدِ صالح

عہدِ صالح حضرت ابوالفضل العباسؓ کا ذکر کرتے ہوئے ایک اور عہدِ صالح کا ذکر بھی نہایت مناسب ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں عہدِ صالح کا اعزاز عطا فرمایا ہے اور نسب کے حوالے سے آلِ رسولؐ اور اولادِ قاطمہؑ میں سے ہیں یعنی امام موسیٰ کاظمؑ ابنِ جعفرؑ۔

مناقب میں کتاب الانوار سے نقل کیا گیا ہے کہ بادشاہ ہارون عباسی مختلف طریقوں اور حیلوں سے امام موسیٰ کاظمؑ کی شخصیت کو بے آبرو کرنے اور آپؑ کی اچھی شہرت و مقبولیت کو مخدوش کرنے اور خفیہ طریقے سے آپؑ پر تہمت لگانے اور افترا باعہ منہ کی کوششوں میں لگا رہتا تھا تاکہ اس کی سزا کے طور پر طمانیہ آپؑ کو شہید کر سکے۔ ایک مرجہ اس نے ایک نئی سازش تیار کی۔ اس نے ایک حسین و جمیل لوہڑی قید خانے میں آپؑ کی خدمت کے لیے بھیجی تاکہ اس کے ذریعے آپؑ پر گناہ کی تہمت لگائے۔ جب داروغہ جیل لوہڑی کو آپؑ کے پاس لایا تو آپؑ نے اسے قبول کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ مجھے اس کی اور اس جیسی کسی شے کی حاجت نہیں ہے اور سورۃ نمل کی یہ آیت پڑھی: **هَلْ أَنتُم بِمُهَيَّيئِينَ كُنُفَكُمْ تَقْتُلُونَ** کہ جب بلیں کا اچھی تھلے لے کر حضرت سلیمانؑ کے پاس آیا تو سلیمانؑ نے کہا کہ کیا تم

لوگ مجھے مال کی مدد دیتے ہو تو اللہ نے جو مال مجھے دے رکھا ہے وہ اس مال سے کہیں بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے۔

”(میں تو نہیں) بلکہ سہی لوگ اپنے حقے تحائف سے خوش ہوا کرو۔“

جب داروغہ نے واپس جا کر ہارون کو یہ خبر دی تو اس نے غیض و غضب کے ساتھ تلوار سونت لی اور چلا کر کہا: ”ان کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم نے آپ کو آپ کی مرضی سے پکڑ کر قید نہیں کیا ہوا۔ لوٹو ہی ان کے پاس چھوڑ کے آ جاؤ۔“

داروغہ لوٹو ہی کو امامؑ کے قید خانہ میں چھوڑ کر واپس ہو گیا۔ ادھر ہارون ہاپٹی جگہ سے اٹھا اور ایک خادم کو قید خانہ اور لوٹو ہی کی جاسوسی پر مقرر کر دیا۔ لیکن جاسوس نے لوٹو ہی کو حیران کن حالت میں دیکھا وہ اپنے پروردگار کے سامنے سر بسجود تھی اور بھدے سے اپنا سر نہیں اٹھا رہی تھی یہ اپنے رب کی مسلسل تسبیح و تقدیس ادا کر رہی تھی۔ اس کی زبان پر جاری تھا: قُلُّوْاْ مَنۢ مِّنۡ سُّبْحٰنَكَ سُبْحٰنَكَ

جاسوس نے جلدی جلدی آ کر ہارون کو اس واقعہ کی خبر دی اور جب ہارون نے دیکھا کہ اس کی چال تو الٹی پڑ گئی ہے وہ تو اس کے ذریعے امامؑ کی شخصیت کو داغ دار کر کے اس کی سزا میں انھیں سرعام شہید کرنا چاہتا تھا لیکن اس کی چال امامؑ کی تعریف و منقبت میں اضافے اور ان کے مقام و شخصیت کی بلندی کا باعث بن گئی ہے تو اس نے جواباً وہی جملہ کہا جو تمام قرون کے فرعون، الٰہی نمائندوں سے عاجز آ جانے پر کہتے رہے ہیں۔ اس نے تمام حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا کہ بخدا موسیٰ بن جعفرؑ نے اپنے جادو کے ذریعے اسے اپنی راہ پر لگا لیا ہے۔

پھر ہارونؑ کے حکم پر لوٹو ہی کو لایا گیا تو وہ ٹھٹھکی باعہ کر آسمان کی طرف دیکھے جارہی تھی۔ اس کے چہرے سے خوف خدا ظاہر تھا۔ ہارونؑ نے اسے ڈانٹ کر پوچھا: تجھے کیا ہوا ہے؟

لوٹری نے جواب دیا کہ میرے ساتھ بالکل جدید اور منفرد معاملہ پیش آیا۔ میں اس مسجد صالح کے پاس ٹھہری۔ وہ دن رات عبادتِ خدا میں مصروف رہے۔ جب وہ نماز ختم کر کے تسبیح و تہجد میں پروردگار میں مشغول ہوئے تو میں ان سے مخاطب ہوئی اور عرض کیا: اے میرے آقا! اگر میری کوئی ضرورت ہو تو حکم فرمائیں۔ انھوں نے فرمایا: مجھے تمھاری کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔

میں نے کہا: مجھے آپ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ انھوں نے قید خانہ کے ایک کونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ادھر دیکھو وہ کس لیے بنے ہیں۔

میں نے جب اس طرف نظر کی تو کیا دیکھتی ہوں کہ ایک نہایت ہی سربز اور پھولوں سے لدا ایک خوب صورت باغ میرے سامنے ہے۔ وہ اتنا وسیع و عریض تھا کہ نگاہ دوسرے کنارے تک نہ دیکھ سکتی تھی۔ اس کے اندر ایسی خوب صورت قیام گاہیں تھیں جو ریشمی کپڑوں اور نقش نگار والے ریشمی قالینوں سے حیرن تھی اور ان کے اسو پر ایسی حسین خادمائیں اور غلمان موجود تھے کہ ان جیسا کس میں نے کبھی نہیں دیکھا اور انھوں نے سبز ریشم کے لباس اور تاج پہن رکھے تھے جو یاقوت اور ہیروں سے مرصع تھے۔ ایسا لباس میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ ان کے ہاتھوں میں خوب صورت جام اور رومال تھے اور ہر قسم کا کھانا وہاں موجود تھا۔ پس میں اس کی عظمت اور حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سجدے میں گر گئی اور اعتراف کر لیا کہ وہ اللہ کے عظیم ولی ہیں اور اللہ نے انھیں عظیم کرامت اور انعامات سے نوازا ہے۔ پس اسی حالت سے تمھارا خادم مجھے یہاں لے آیا ہے۔ یہ سن کر ہارون کا غیظ و کینہ اور بھڑک اٹھا۔ اس نے اس عورت کے بیان کردہ حقائق کی اہمیت کو کم کرنے، حیران و ششدر لوگوں کی حیرانی دُور کرنے اور سامعین سے حقائق

چھپانے کے لیے بڑی کڑک دار آواز میں کہا: اے غبیث عورت! تو سجدے میں تھی وہیں تجھے نیند آگئی اور تو نے جو خواب میں دیکھا وہی قصہ ہمیں سنا دیا ہے اور یہ فقط ایسا الجھا ہوا خواب ہے جس کی کوئی تعبیر نہ ہو۔ اس کا خیال تھا کہ میرے ڈر سے میری کبھی ہوئی بات لوگوں کے سامنے ڈھرا دے گی لیکن اس کے برعکس وہ عورت یوں: میری آنکھیں نیند کی وجہ سے نہیں بلکہ اس حقیقی واقعہ کی وجہ سے چمکھائی ہوئی اور متاثرہ لگتی ہیں۔ اللہ کی قسم جو کچھ میں نے دیکھا وہ سجدہ کرنے سے پہلے دیکھا اور جو کچھ دیکھا اسی نے متاثر ہو کر سجدہ میں کر گئی۔

عورت کی یہ گفتگو سن کر ہارون غصے سے آگ بگولا ہو گیا اور خادم سے کہا: اسے قید میں ڈال دو تا کہ اس کی یہ گفتگو کوئی اور نہ سن سکے۔ خادم کہتا ہے کہ میں نے اس کو پکڑ کر زندان میں ڈال دیا اور وہ جاتے ہوئے عبادتِ خدا میں مصروف ہو گئی اور جب بھی اس سے استفسار کیا جاتا تو وہ جواب دیتی کہ میں نے اسی حالت میں ’عبد صالح‘ کو دیکھا تھا اور عبادت میں ویسے ہی کرتی رہوں گی۔

خادم نے اس سے پوچھا کہ امامؑ کے لیے لفظ ’عبد صالح‘ کیوں بار بار استعمال کر رہی ہو؟ عورت نے کہا: جب میں باغات اور حوران و فلان کا سارا منظر دیکھ چکی تو میرے قریب سے آواز آئی کہ خبردار! ہم یہاں موجود ہیں، اس ’عبد صالح‘ سے دور رہنا۔

وہ مومنہ جو پہلے لوٹھی تھی اپنی حالت پر برقرار رہی اور امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت سے کچھ دن پہلے وفات پا گئی اور بعید نہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی طرح اس مومنہ کو بھی خلیہ طریتے سے زہر دے کر شہید کر دیا گیا ہو۔

نماز میں حضرت عباسؑ پر سلام

جس طرح امام موسیٰ کاظمؑ علیہ السلام اولادِ جناب سیدہ فاطمہؑ اور آلِ رسولؐ

سے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کو 'عبد صالح' کے لقب سے پکارا ہے، اسی طرح حضرت ابو الفضل العباسؑ کو امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی دعا میں 'عبد صالح' کے نام سے پکارا ہے۔ تو گویا نماز کے دوسرے مخصوص سلام میں حضرت عباسؑ بھی شامل ہیں۔ جب ہر مسلمان دن میں پانچ مرتبہ بعد از تشهد اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہ کے بعد اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ کہتا ہے تو وہ فی الواقع حضرت عباسؑ کے لیے دعائے خیر کرتا ہے اور ان کے حضور ہدیہ سلام بھیجتا ہے۔ اور یہ بہت بڑی شان ہے کہ حضرات محمدؐ و آل محمدؑ کے بعد حضرت عباسؑ کی ذات ہی اس کی اہل ہو سکتی ہے۔

.....●.....

چوبیسواں خصیصہ

حضرت عباسؓ عابد کے لقب سے معروف ہیں

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

سَيَبْقَا لَهُمْ فِي وَجْهِهِمْ وَنَأْوَى الشُّجُودِ (سورۃ فتح، آیہ ۲۹)
 ”اللہ تعالیٰ نبی اکرمؐ اور ان کے بچے جاں نثار ساتھیوں کی
 تعریف اور صفات بیان فرما رہا ہے کہ وہ کافروں پر سخت اور
 آپس میں ہمدرد ہیں۔“

کثرتِ عباد کے اثر سے ان کی پیشانیوں میں گھٹے پڑے ہوتے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

أَفْضَلُ مَلِكٍ أَلَمَ الْعَقْلُ الْعِبَادَةَ

یعنی ”عقل انسانی کا سب سے افضل حراج اور فطرت عبادت ہے۔“

ثوابِ الاعمال میں شیخ صدوق نے حضرت عباسؓ کے حلق روایت کی ہے
 کہ آپؓ کی دونوں آنکھوں کے درمیان (پیشانی پر) سجدوں کے نشانات تھے۔
 قاسم بن اصبح بن ہادی جو جناب امیر المومنینؑ کے صحابی و حواری تھے ان سے
 شہدائے کربلا اور حضرت عباسؓ کے سرہائے مبارک کو کوفہ لائے جانے کی خبر اور
 روایت نقل کی گئی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس بنی دارم قبیلہ کا ایک شخص آیا جو شہادتِ امام
 حسینؑ کے وقت کربلا میں موجود تھا۔ اس کا چہرہ بالکل سیاہ تھا جبکہ پہلے وہ خوب
 صورت اور سفید چہرے والا ہوا کرتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تیرے چہرے کا

رنگ اتنا بدل کیوں گیا ہے کہ مشکل ہی سے پہچانا جاتا ہے؟

اس نے کہا: اپنے سیاہ عمل اور جھاکاری کی پاداش میں عذاب الہی میں گرفتار ہوں۔ میرے چہرے کے رنگ کا بدلنا اسی وجہ سے ہے۔ کہتا ہے کہ میں نے روز عاشورا کو میدانِ کربلا میں اصحابِ حسینؑ میں سے ایک ایسے روشن چہرے والے مرد کو قتل کیا کہ جس کی دونوں آنکھوں کے مابین کثرتِ عبادت کے نشانات تھے اور اس معجز کا سر میں ہی ابنِ زیاد کے پاس کوفہ لایا۔ یعنی اس ملعون نے جس سفید و روشن چہرے والے شہزادے کو شہید کیا وہ ابوالفضل العباسؑ تھے جن کی پیشانی پر عبادت پروردگار کی کثرت کی وجہ سے نشانات تھے۔

قاسم بن امیخ کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ وہ شخص (قاتلِ حضرت عباسؑ) اپنے گھوڑے پر یوں بیٹھا ہے کہ اس کا سر گھوڑے کے سینے کی طرف لٹک رہا ہے۔ میں نے اپنے والد سے کہا کہ یہ شخص اسے اونچا کیوں نہیں کرتا، یہ اتنا جھکا ہوا ہے کہ گھوڑے کا گھٹنا اسے لگ سکتا ہے اور ڈھکی کر سکتا ہے۔

میرے والد نے مجھ سے کہا کہ یہ تو کچھ بھی نہیں۔ بتول اس شخص کے کہ وہ اس سے بچی بڑی تکلیف اور عذاب میں گرفتار ہے۔ اس شخص نے میرے والد کو بتایا کہ جب سے میں نے عباسؑ بن علیؑ کو شہید کیا ہے ہر رات وہ میرے خواب میں آتے ہیں اور میرے بازو سے پکڑ کر مجھے جہنم کے کنارے پر لے جا کر اس کے اندر پھینک دیتے ہیں اور صبح تک میرے ساتھ یہی کیفیت رہتی ہے۔

قاسم کہتے ہیں کہ میرے والد کی بتائی ہوئی بات کی تصدیق اس ملعون کی ایک پڑوسی عورت نے بھی کی۔ ہم کچھ نوجوان اس عورت کے پاس گئے اور اس سے اس بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ یہ شخص رات کو حج و پکار کرتا رہتا ہے جس کی وجہ سے ہم بہت کم سو سکتے ہیں۔

نشانات عبادت دراصل نشانات حریت ہیں

سِنَّةَ الْعَبِيدِ مِنَ الْخُضُوعِ عَلَيْهِمُ
لِلّٰهِ اِنْ ضَمَّتْهُمْ الْاَسْكَارُ
فَاِذَا تَرَجَّلَتِ الصُّلْحٰى شَهِدَتْ لَهُمْ
بَيْنَهُ الصُّوَابِرِ اَنَّهُمْ اَحْرَارُ

”اللہ کے حقیقی عباد کے چہروں پر مسلسل شب بیداری اور
خشوع و خضوع کے ساتھ سجدہ کرنے کی وجہ سے نشانات و
عمراب پڑ جاتے ہیں لیکن جب دن چڑھتا ہے تو میدان جنگ
(میدانِ عمل) میں ان کی چمکتی ہوئی تلواریں گواہی دیتی ہیں
کہ حقیقی معنوں میں آزاد لوگ بھی تو ہیں۔“

سید حیدر علی نے اپنے ان اشعار میں بعض دوسرے محبت شعرا کی طرح بہت
خوب صورت اور اچھوتے انداز میں امام حسینؑ اور اہل بیتؑ و اصحاب امامؑ کی
منقبت لکھی ہے اور یہ قصیدہ دستانی سے اقتباس کیا گیا ہے جو امام المتعینؑ کے ایک
خطبے سے لیا گیا ہے کہ جو انھوں نے متقین کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا
اور وہ خطبہ آیت قرآنی کے مفہوم کی وضاحت ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی
عبادت ماسوا اللہ سے آزادی کے مساوی و مترادف ہے۔ اور عابدِ حقیقی معنی میں ایک
مردِ خُرد ہوتا ہے وہ اللہ کی عبادت کر کے اس کی بارگاہ سے کرامت و خودداری، حریت
و عزت نفس مانگتا ہے اور وہ کسی شے کے آگے خوف و طمع کی وجہ سے نہیں جھکتا اور نہ
عی ہوا و ہوس کو اہمیت دیتا ہے اور بڑے سے بڑے استغنائے و بلہیات اور شہدائے و
مصائب بھی اگر اسے گھیر لیں تو اس کے عزم و عقیدہ میں کمزوری واقع نہیں ہوتی۔
اور واقعاً حضرت ابوالفضل العباسؑ ایسے ہی حقیقی عبادت گزار اور پُر خلوص

زاہد تھے کہ ایک طرف کثرتِ یہود کی وجہ سے ان کی پیشانی پر نشانات نمایاں تھے اور دوسری طرف ہر قسم کے خوف اور لالچ سے ماوراءِ عبادت گزار تھے۔ کبھی وجہ ہے کہ میدانِ کربلا میں دشمنانِ اسلام و ایمان کی طرف سے پیش کی جانے والی امان اور جاہ و مقام کی متعدد پیشکشوں کو لہجہ انکارِ حسینؑ میں ٹھکرا دیا۔

کربلا والوں نے رہبانیت اور مادیت دونوں کی نفی کی ہے۔ یہ بات حقیقی نہیں کہ اسلام میں رہبانیت محض قطعاً نہیں ہے جیسا کہ نصاریٰ نے یہ بدعت اختیار کی ہے اور نہ ہی محض مادیت پرستی ہے جیسا کہ یہود کی اختراع ہے بلکہ دینِ اسلام مادیات اور معنویات کے مجموعے کا نام ہے۔ یہ دین روح و جسم ہے۔ یہ دنیا و آخرت کے احراج کا نام ہے۔ نبی اکرمؐ اور ان کی اہل بیت اطہارؑ نے ان دونوں حیثیتوں کو ایک ہی وقت میں جمع رکھ کر لوگوں کے سامنے غنائے دین و خدا کو آشکار کیا۔ محمدؐ و آلِ محمدؑ وقتِ واحد میں دنیا سے منہ موڑنے والے اور دُہد و تقویٰ الہی اختیار کرنے والے بھی نظر آئے اور امورِ دنیا اور کاروبارِ زندگی میں سیاست چلانے والے مدبر کے طور پر بھی دیکھے گئے۔ اس صفت و خصلت میں ان کی اقتداء کرنے والوں میں حضرت عباسؑ صلبِ اوّل میں نظر آتے ہیں۔ اپنے رب کی عبادت کرتے ہوئے، دنیا کو ترک کرتے ہوئے اُن کی ساری رات قیام و رکوع و سجود میں گزرتی تھی۔ تسلسلِ عبادت اور کثرتِ یہود کی وجہ سے وہ فرمانِ خداوندی *وَيُنِيبُهُمْ* و *يُخَوِّضُهُمْ* مِنَ آثَرِ الشُّجُودِ کے مصداق بن گئے اور جب دن چڑھا تو کبھی خیرِ خدا نظر آئے، کبھی لشکرِ حسینؑ کے پہ سالار دکھائی دیے۔ جب سے عہدِ ظہوریت سے باہر قدم رکھا تب سے لے کر ماضی کے کربلا تک پر جم حسینؑ اُنہی کے شانوں پر لہراتا ہوا نظر آیا۔

مخ مفید نے اپنی تصنیف ارشاد میں تحریر کیا ہے کہ وہ ماضی امام حسینؑ نے

ساری رات عبادتِ خدا، نماز، استغفار، دعا اور مناجات میں گزاری اور اسی طرح ان کے اصحاب نے بھی نماز و دعا و استغفار کرتے ہوئے رات بسر کی اور ہر فجر کی منزل میں حضرت عباسؓ بن سب اصحاب و انصار امامؑ میں پیش پیش تھے اور ساتھ ساتھ خیام حسینیؑ کی محافظت اور پاسداری بھی انجام دیتے رہے۔

سید ابن طاووس نے اپنی کتاب ”المہوف“ میں لکھا ہے کہ امام حسینؑ اور اصحاب امامؑ نے آخری تمام رات رکوع و سجود، قیام و سجود میں گزاری اور ان کے خیام سے عبادت پروردگار کی مسلسل آوازیں آتی تھیں کہ جیسے شہد کی ٹھیکوں کے چنے کے پاس آواز نکالتا آتی ہے اور اس کو سن کر لشکرِ ابنِ سعد سے جتنی خوش بخت انسانوں نے درسِ عبرت کیا۔ حق امامؑ کو پہچانا اور گم راہی و جہنم کی راہ کو چھوڑ کر فوجِ حسینیؑ میں شامل ہو گئے اور یومِ عاشوراء صرتِ امامؑ میں جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے اور ابدی حیات پا گئے۔ ان اصحابِ باوقا کی آواز مناجات میں سے ایک قوی ترین اور متاثر کن آواز حضرت عباسؓ کی بھی تھی جس نے ان افراد کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا اور انھیں اس وقت بیدار کر دیا جب وہ اجل کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے۔

جو عابد ہے وہی مطیع ہے

اَلْسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ

زیارتِ مقبولہ کے یہ الفاظ جو حضرت امام جعفر صادقؑ علیہ السلام نے حضرت ابراہیمؑ کے لیے فرمایا یہ واقعی ایک بہت بڑا تحفہ اور اعزاز ہیں۔ جتنا امام جعفر صادقؑ علیہ السلام وہ سچی ہیں جن کے ہاتھوں میں آسمانوں کے تار اوڑھیں۔

وہ عدلی و انصاف کو اس کے پورے حق کے ساتھ قائم کرنے والے ہیں۔ وہ کسی کو بھی اس کے استحقاق سے ذرا بھی زیادہ عطا کرنے والے نہیں ہیں۔ انھوں نے حضرت کو کلمہ عابد نہیں کہا بلکہ عبودیتِ خدا کی صفت کو صدق و صلاح کی صفت

کے ساتھ مقرون کر کے آپ پر اطلاق کیا ہے۔ کیوں کہ اللہ کے نزدیک جو عبودیت پسندیدہ ہے اور نئی اور ان کے اوصیاء کے نزدیک جو عبودیت ممدوحہ ہے وہ وہی ہے جو صدق و صلاح، پاکیزگی و پاک دہشی سے حریں ہو۔ اسی لیے امامؑ نے ’عبود صالح‘ کے ساتھ الْمُطِيعُ لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ وَلَا يُؤَيِّرُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ صَلَّي اللہُ عَلَیْہِمْ وَسَلَّم کے الفاظ کی تاکید ذکر فرمائی کیوں کہ خالص و صادق عبادت خداوندی خدا و رسولؐ اور آئمہ اہل بیت رسولؐ کی اطاعت ہی کا نام ہے جس کا افضل نمونہ اور اعلیٰ مثال حضرت ابوالفضلؑ نے پیش کی۔

تمغہ عبودیت در قرآن

عبادت خداوندی چونکہ اللہ اور عہد کے مابین ربط قائم کرتی ہے۔ غیر خدا سے اسے منقطع کرتی ہے اور غیر اللہ یعنی ہوس و شہوات نفس اور طاغوت و شیطین کی عبادت اور ان کے آگے جھکنے سے روکتی ہے، لہذا یہ سب سے بڑا تمغہ اور اعلیٰ ترین نشان ہے جس کا حصول صرف عطاے خداوندی سے ممکن ہے اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تمغہ و اعزاز اپنی مخلوق میں سے پسندیدہ ترین اور منتخب افراد ہی کو دیا ہے اور وہ افراد انبیاء ہیں اور ان میں سے سرفہرست و مقدم سرکار رسالت مآبؐ ہیں کہ جن کے صدقے اور جن کے اہل بیتؑ کی محبت میں اللہ نے اس کون و مکان کو وجود بخشا ہے، لہذا اللہ تعالیٰ اپنی محکم کتاب اور مبرم خطاب میں اپنے حبیب مصطفیٰؐ کے واقعہ معراج کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنَ الْإِبْرَةِ

”وہ اللہ (ہر محبوب سے) پاک و پاکیزہ ہے جس نے اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (۱) سبائی



مسجد) تک کی سیر کرائی جس کے چر گرد ہم نے ہر قسم کی برکت مویا کر رکھی ہے تاکہ اس کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔
(بنی اسرائیل، آیہ ۱)

اسی طرح ایک اور مقام پر اپنے نبی کے وصف عبادت اور ان کے ہاتھ پر جنات کے قبول اسلام کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَاذِبًا يُكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا
”اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کی عبادت کو کھڑا ہوتا ہے تو لوگ اس کے گرد جھوم کر کے گرے پڑتے ہیں۔“ (سورہ جن، آیہ ۱۹)

اور جیسا کہ ہمیں بھی اللہ نے علم دیا ہے کہ ہم اپنی نمازوں کے تشہد میں گواہی دیں کہ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، یعنی ہم حضور کے دو اوصاف و اعزازات میں سے عبودیت کا ذکر پہلے کریں اور اسے رسالت پر مقدم کریں۔
یعنی عہد ہونا رسالت سے بھی بڑا اعزاز ہے (اور مولا امیرؑ کی مناجات کا یہ جملہ بھی اس کا مؤید ہے کہ)۔

إِلَهِی تَعَالٰی بِنِیْ جَدِّا اَنْ اَكُوْنَ لَكَ عَبْدًا
”اے اللہ! میری عزت کے لیے یہ بات کافی ہے کہ میں تیرا عبد ہوں۔“

ایک اور مقام پر ارشاد پروردگار ہے:

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ
وَازْدَجَرُوا (سورہ قمر، آیہ ۹)

”ان سے پہلے نوح کی قوم نے بھی جھٹلایا تھا پس انھوں نے



ہمارے (خاص) بندے (نوحؑ) کو بھڑایا اور کہنے لگے: یہ تو
دیوانہ ہے اور ان کو جھڑکیاں بھی دی گئیں۔
فرمان الہی ہے:

وَإِذْ نُوهِیْنا اِبْرٰهٖمَ وَاِسْحٰقَ وَاٰیْمٰنَ اُولٰٓئِیْ
وَآلَہٗنْبَیْہٖا ۝ (سورہ ص، آیہ ۴۵)

”اور (اے رسولؐ) ہمارے بندوں میں ابراہیمؑ اور اسحاقؑ اور
یعقوبؑ کو یاد کرو جو قوت اور بصیرت والے تھے۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَإِذْ نُوهِیْنا کٰوُودَ ذَا الْاٰیْمٰنِ اِنَّہٗ اَوَّاہٗ (سورہ ص، آیہ ۶۱)
”اور ہمارے بندے داؤدؑ کو یاد کرو جو بڑے قوت والے
تھے (مگر مبر کیا) بے شک وہ (ہماری بارگاہ میں) بڑے
رجوع کرنے والے تھے۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَوَهَبْنَا لِذَاوُدَ سُلَیْمٰنَ نِعَمَ الْعَبْدِ اِنَّہٗ اَوَّاہٗ
”اور ہم نے داؤدؑ کو سلیمانؑ (جیسا بیٹا) عطا کیا، (سلیمانؑ
بھی) کیا اچھے بندے تھے بے شک وہ (ہماری طرف)
رجوع کرنے والے تھے۔“ (سورہ ص، آیہ ۴۰)

ایک اور مقام پر ارشاد باری ہے:

وَإِذْ نُوهِیْنا یٰوَسَّ اِذَا نَالٰی مَہِیْمَۃً اَنۡیَ مَسَّیَ الشَّیْطٰنُ
بِنَفْسِہٖ ۝ وَكَذٰلٰکَ (سورہ ص، آیہ ۶۲)

”اور (اے رسولؐ) ہمارے (خاص) بندے یوسفؑ کو یاد کرو

جب انہوں نے اپنے پروردگار سے فریاد کی کہ مجھ کو شیطان نے بہت اذیت اور تکلیف پہنچا رکھی ہے۔

اور حضرت عیسیٰ بن مریم کی بات کی روایت کرتے ہوئے قرآن یوں گویا ہے:

قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَنِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا

”(اس پر وہ بچہ قدرت الہی سے) بول اٹھا کہ میں بے شک

اللہ کا بندہ ہوں مجھے اسی نے کتاب (انجیل) عطا فرمائی ہے

اور مجھے نبی بنایا۔“ (سورہ مریم، آیہ ۳۰)

ان مذکورہ بالا آیات و روایات کے علاوہ بھی اور بہت ساری آیات و

احادیث ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ عبودیت کی منزل اور اعزاز صرف انبیاء و اوصیاء کے

لیے اور ان لوگوں کے لیے مخصوص ہے جو حضرت عباسؓ کی طرح انبیاء و اوصیاء کے

نقش قدم پر چلتے ہیں۔

.....●.....

طیار کا لقب

لفظ طیار باب طائرُ یُطیِّرُ اُنَّا (یعنی پرواز کرنا) سے ماخذ کا صیغہ ہے اور آج کل کی اصطلاح میں شعبہ ہوا بازی کے قائد اور مدیر پر بولا جاتا ہے، یعنی جو پائلٹوں کا سربراہ اور ایک ماہر و پیشہ ور ہوا باز ہو۔

لیکن رسول اللہ نے لفظ طیار کا اطلاق اپنے عم زاد بھائی حضرت جعفر بن ابی طالبؓ پر کیا اور فرزند رسولؐ حضرت امام علیؓ زین العابدینؓ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ علم دارؓ پر بولا۔ پس اسی وجہ سے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور حضرت عباسؓ بن علیؓ طیار کے لقب سے مشہور ہیں۔ دونوں کا ایک ہی لقب میں اشتراک اس وجہ سے ہے کہ دونوں کی قربانی اور راہِ خدا میں شہادت کی کیفیت میں بہت مماثلت پائی جاتی ہے۔

طیارِ اوّل

حضرت جعفر طیار ابن ابی طالبؓ رسول اللہ کے چچا زاد بھائی، حضرت امیر المومنین علیؓ ابن ابی طالبؓ کے سگے بھائی اور بحکم رسول اللہ جیشہ کی طرف ہجرت کرنے والے مسلمانوں کے رئیس تھے۔ اُن کے طفیل سر زمین جیشہ میں اسلام داخل ہوا اور بادشاہ نجاشی اسلام کی طرف راغب ہوا، جو کہ اسلامی تاریخ کا ایک مشہور و معروف واقعہ ہے۔

جب حضرت جعفر طیارؓ جیشہ کی کامیاب مہم سے واپس آئے تو یہ وہ وقت تھا جب ان کے بھائی حضرت امام امیر المومنینؓ کے ہاتھوں جگہ خیر فتح ہو چکی تھی۔

آنحضرتؐ نے آگے بڑھ کر آپؐ کو گلے لگایا اور جوشِ مسرت و محبت سے آپؐ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا: میں فیصلہ نہیں کر پا رہا کہ فتحِ خیبر اور جعفر بن ابی طالبؓ کی کامیابی میں سے زیادہ خوش کن بات کون سی ہے۔

حضرت جعفرؓ کو حضورؐ نے بادشاہِ روم ہرقل کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے موت کی طرف روانہ کیا۔ آپؐ کو لشکر کی قیادت اور علم عطا کیا اور آپؐ کے ساتھ حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو بھی بھیجا اور فرمایا: اگر جعفرؓ شہید کر دیے جائیں تو زید بن حارثہؓ قیادت کریں اور اگر زیدؓ بھی شہید کر دیے جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ قیادت کے فرائض سنبھال لیں۔ اگر وہ بھی جنگ میں کام آجائیں تو مسلمان باہمی رضامندی سے اپنے میں سے کسی کو منتخب کر لیں۔

یہودیوں میں سے ایک شخص نے کہا: اگر واقعاً محمدؐ نبی ہیں (جیسا کہ وہ کہتے ہیں) تو یہ تینوں افراد جنگ میں قتل کر دیے جائیں گے کیوں کہ جب بھی کسی پیغمبرؐ خدا نے کوئی فوجی دستہ بھیجا اور سالار کے بارے میں کہا ہے کہ اگر یہ قتل ہو جائے تو فلاں، وہ قتل ہو جائے تو اس کے بعد فلاں تو وہ ضرور جنگ میں قتل کر دیے گئے اور پھر انھوں نے دیکھا کہ واقعی ایسا ہوا کہ تینوں سالاران لشکر منزلِ شہادت پر فائز ہوئے۔

حضورؐ کا جنگِ موتہ کے احوال بیان کرنا

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ دن آیا جب اہر جنگِ موتہ ہوئی تو حضورؐ نے ہمارے ساتھ نمازِ فجر ادا کی اور پھر روقیٰ افروز ہوئے اور آپؐ نے ”محکم خدا میدانِ جنگ کا منظر دیکھتے ہوئے“ فرمایا: آپؐ کے بھائیِ مشرکین کے ساتھ نہرِ دُرّا نہا ہو چکے ہیں۔ پس اس طرح آپؐ نے ان کے ایک دوسرے پر حملے کرنے کے احوال بتانا شروع کیے کہ اب یہ ہوا..... اب یہ ہوا۔ اور اب جعفر بن ابی طالبؓ نے علم تھا اور جنگ کے لیے روانہ ہوئے، پھر آپؐ روئے اور فرمایا: اب جعفرؓ کا

ایک ہاتھ شہید ہو گیا اور انھوں نے علم دوسرے ہاتھ میں تھام لیا۔ پھر فرمایا: اب ان کا دوسرا ہاتھ بھی شہید ہو گیا اور انھوں نے علم اپنے سینے سے لگا لیا اور پھر آپؐ نے ان کی شہادت کی خبر دی اور بہت روئے اور جو مسلمان وہاں موجود تھے وہ سب رونے لگے۔ حضرت علیؓ اس وقت مسجد میں داخل ہوئے تو حضورؐ نے فرمایا: علیؓ پر اپنے بھائی کی خبر شاق گزرے گی، لہذا چپ کر جاؤ، سب خاموش ہو گئے۔ لیکن جب امیر المومنین آئے اور آپؐ نے لوگوں کے چہروں پر نظر کی تو حضورؐ سے پوچھا ہیں: یا رسول اللہ! کیا آپؐ کے پاس میرے بھائی جعفرؓ کی کوئی خبر ہے؟

آپؐ نے فرمایا: اے ابوالحسن! اللہ آپؐ کو جعفرؓ کی شہادت کا اجر دے وہ شہید ہو چکے ہیں۔ یہ خبر سن کر امیر المومنینؓ نے گریہ فرمایا اور پڑھا: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آہ! میرا زور کمر بھائی مجھ سے جدا ہو گیا۔

حضور جعفرؓ کے گھر میں

پھر نبی اکرمؐ منبر سے اترے اور حضرت جعفرؓ کے گھر تشریف لائے اور ان کے بیٹے عبداللہؓ کو اپنی گود میں لیا اور سر پر ہاتھ پھیرا۔ ان کی والدہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپؐ تو میرے بیٹے کے سر پر یوں ہاتھ پھیر رہے ہیں جیسے کہ یتیموں کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔ حضورؐ کی آنکھیں چھلک پڑیں اور فرمایا: ہاں جعفرؓ شہید ہو گئے۔ شہادت سے قبل ان کے دونوں بازو بھی شہید ہو گئے۔ یہ سن کر حضرت اسماءؓ رونے لگیں۔

حضورؐ نے فرمایا: نہ روئیں مجھے جبرئیلؑ نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے بازوؤں کے عوض سبز درمرد کے دو پتہ عطا کر دیے ہیں اور وہ بہشت میں اپنی مرضی سے ملائکہ کے ساتھ عروج پدا ز ہیں۔ یہ سن کر اسماء سکون پذیر اور خاموش ہو گئیں۔ پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! میری خواہش ہے کہ یہ بات عوام الناس کو بھی بتائی

جائے۔ آپؐ نے ان کی اس سوچ پر انہیں داد و تحسین دی۔ آپؐ منبر پر تشریف لے گئے اور حالت یہ تھی کہ مجسمہ غم و حزن بنے ہوئے تھے۔ فرمایا: ہائے جعفر جیسا بھائی شہید ہو گیا۔ ہاں اللہ نے ان کو جنت میں دو پر عطا کیے ہیں جن کے ساتھ وہ جنت میں اڑتے پھرتے ہیں۔ پھر آپؐ منبر سے اترے اور اپنے بیت الشرف میں تشریف لے گئے اور جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے فرمایا: تین دن اسابت عمیسؑ کے گھر کھانا پہنچائیں۔ پھر فرمایا: اب جائیں اور میرے امین عم جعفرؑ پر گریہ و بکا کریں۔ پس خود اسٹا کے گھر مستورات جمع ہو گئیں۔ سب گریہ و بکا کر رہی تھیں اور ان کو تعزیت و تسلیت پیش کر رہی تھی۔ جناب سیدہ واعتناہ کے بین کر رہی تھیں۔ نبی اکرمؐ اتنا رو رہے تھے کہ ریش مبارک سے آنسوؤں کی لڑی جاری تھی اور فرما رہے تھے کہ رونے والوں کو جعفر بن ابی طالبؑ جیسے شہید پر ضرور رونا چاہیے۔ آپؐ ساتھ ساتھ یہ دعا بھی فرما رہے تھے کہ اے اللہ! جعفرؑ حیرے پاس حسن ثواب اور بلند مقام کو پہنچ گئے تو ان کی ذریت اور پسماندگان کو بھی احسن مقام اور اجر جزیل عطا فرما۔

حضرت جعفر طیارؑ کی ہستی وہ مقدس ہستی ہے کہ جن کی ثنا خود باری تعالیٰ اور رسول اللہؐ نے فرمائی اور ان کے بعد حضرت امیر المومنینؑ اور صحیح ائمہ اطہارؑ نے بھی تحسین فرمائی۔

نَحْ البلاغہ میں جناب امیر معاویہ بن ابوسفیان کے نام خط میں فرماتے ہیں:

إِنَّ قَوْمًا قُطِعَتْ أَيْدِيهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ، وَلِكُلِّ فَضْلٍ حَتَّى إِذَا فَعُلُوا بِوَاحِدِنَا مَا فَعُلَ بِوَاحِدِهِمْ قِيلَ لَهُ:
الطَّيَّارُ فِي الْجَنَّةِ وَذَوُ الْجَنَاحَيْنِ

”راہِ خدا میں بہت سارے لوگوں کے ہاتھ قلم ہوئے، اگرچہ سب کے لیے فضیلت و اجر ہے لیکن جب یہی ہمارے بھائی

کے ساتھ پیش آیا تو ان کے لیے طیارہ فی الجنة اور ذوالجناحین کہا گیا (یعنی حضور نے ان کی معرفت و غلوس زیادہ ہونے کی وجہ سے انہیں امتیازی القابات سے نوازا)۔

طیارہ ثانی

طیارہ ثانی حضرت عباسؓ ابن امیر المومنین ہیں جو حضرت امام حسین علیہ السلام کے بھائی، ان کے خالوادہ کے کفیل، ان کے علم بردار، ان کے لشکر کے قائد اور سرفہرست جنگجو، ان کے محافل کے محافظ، ان کے اہل حرم کے پیاسوں کے ساتھی، ان کا سب سے قیمتی سرمایہ، ایک قلعہ بھائی، ایک شفیق مدافع اور ایک باوقار سپہ سالار تھے۔ جب امام علیہ السلام کے تمام قلعہ اصحاب و اہل بیت شہید ہو گئے اور آپؓ تہوارہ گئے تو حضرت عباسؓ کے لیے امام کی یہ حالت برداشت سے باہر ہو گئی۔ آپ پہلے قومِ اشقیاء کی طرف گئے اور انہیں راہِ رشد و ہدایت کی طرف دھت و نصیحت فرمائی لیکن جب ان پر کوئی اثر نہ ہوا تو امامؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورے ادب و تواضع کے ساتھ اجازت جنگ طلب کی لیکن امامؓ نے اجازت نہ دی بلکہ شدید گریہ کرتے ہوئے فرمایا:

بھائی عباسؓ! آپ تو میرے علم بردار ہیں، آپ میرے لشکر کی نشانی ہے، سرکارِ عباسؓ نے بڑی عاجزی و التماس کے ساتھ عرض کیا: مولاً! ان منافقوں نے میرا سینہ تنگ کر دیا ہے۔ میں ان سے جہاد کرنا چاہتا ہوں۔ امامؓ نے فرمایا: (اگر ضرور جانا چاہتے ہو تو) میرے کم سنوں کے لیے پانی لینے جاؤ۔ امامؓ کا یہ کہنا تھا کہ سرکار اپنے مرکب پر سوار ہوئے، مشکیزہ اٹھایا اور دریا کی طرف روانہ ہوئے۔ گھاٹی پر بندش آب کے لیے مامور چار ہزار سپاہیوں نے آپ کے گرد گھیرا ڈالا، آپؓ نے ہر طرف سے آنے والے تیروں کی پروانہ کی اور دشمن پر ایسے زوردار حملے کیے کہ ان

کو گھاٹ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ پانی کے اصلی مالک نے دریا پر قبضہ بحال کیا اور دریا میں داخل ہو گئے۔

لوائے حمد آپ کے ہاتھوں میں تھا جس کا پھر بڑی فاتحانہ شان سے آپ کے سر پر لہرا رہا تھا۔ اب کسی میں ہمت نہ تھی کہ قریب آئے۔ ایک روایت میں ہے کہ گھاٹ کے محافظوں نے آپؐ پر چھے زوردار حملے کیے لیکن ان کا ہر حملہ پسپا ہوا اور چھٹے حملے کے بعد گھاٹ پر ان کا نہیں بلکہ حضرت عباسؑ کا قبضہ تھا۔

فراٹ عباسؑ کے قبضے میں

حضرتؑ نے دریا پر ایسا کامل قبضہ کیا کہ بہت سارے نامی جنگ جھوؤں کے قمرء اجل بن جانے کے بعد اب کسی میں ہمت نہ رہی کہ اب دوبارہ قبضے کی کوشش کرے یا آپؐ کو پانی پینے سے یا ٹھک پڑ کرنے سے روکے لہذا آپؐ نے بڑے اطمینان اور تسلی سے مکینزہ پڑ کیا اور اپنی شدتِ پیاس بھانے اور سلگتے ہوئے جگر کو سیراب کرنے کے لیے پانی چلو میں بھرا لیکن جب پانی کو منہ کے قریب کیا تو پیاس امامؑ کا خیال آیا اور اپنے بابا امیر المومنینؑ کی وصیت یاد آئی کہ حضرت امیرؑ نے فرمایا تھا: پینا عباسؑ! جب عاشورا کا دن آئے اور تم گھاٹ میں اتر جاؤ تو ہرگز پانی نہ پینا کیوں کہ تمہارا بھائی حسینؑ اس وقت پیاسا ہوگا۔

پس شہزادے نے پانی پھینک دیا اور فرمایا: بخدا! جب تک میرے سید و سردار امام حسینؑ پیاسے ہیں، ہرگز پانی نہ پیوں گا، پھر اپنے آپؐ سے خطاب ہوئے:

يَا نَفْسُ مِنْ بَغْيِ الْحُسَيْنِ هَوْنِي
وَبَعْدَهُ لَا كُنْتُ أَنْ تَكُونِي
هَذَا الْحُسَيْنُ وَارِدُ الْمُنُونِ
وَتَشْرِيبُ بَارِدِ الْمَعِينِ

تَاللّٰهِ مَا هَذَا قِیَالٌ وَیَنۢنِیْ
وَلَا قِیَالٌ صَادِقِی الْقِیۢنِ

اے قس میرے مولا و آقا حسینؑ کے بعد اپنے غم فط کرنا، دیکھو! مولا تو شدتِ پیاس کے سبب موت کے نزعہ میں ہیں اور تم بہتا ہوا ٹھنڈا پانی لو۔ بخدا یہ ایک دین دار اور سچے یقین والے مرد کے لیے سزاوار نہیں ہے۔ یہ کہہ کر آپؑ نے مشکیزہ بھرا اور اپنے مرکب پر سوار ہو کر خیام کی جانب روانہ ہوئے۔ سپاہِ یزید سید راہ ہوئی لیکن علیؑ کا لال دشمنوں کے سراڑا، ان کے اجسام سے ناپاک رو میں کھینچا، راستے صاف کرتا خیام حسینؑ کی جانب محو سفر ہوا، زبان پر یہ کلمات تھے:

لَا أَرْهَبُ الْمَوْتَ إِذَا الْمَوْتُ نَزَّاعًا
حَتَّى أُوَارِثَ فِي الْمَصَالِمِ لَقِي
نَفْسِي لِيَسْبِغَ الْمُنْظَفَى الطَّهْرَ وَقَا
لِنِّیْ أَنَا الْعَبَّاسُ أَخَذُوا بِالسَّقَا
وَلَا أَخَافُ الشَّرَّ یَوْمَ الْمُنْظَفَى

”میں موت سے خوف نہیں کھاتا بلکہ موت کو مسرت جاتا ہوں اور مشہور بہادروں کے جنگوں میں کس جاتا ہو، میری جان نبی مصطفیٰ کے پاکیزہ فرزند کی حفاظت کے لیے ہے، میں عباسؑ ہوں جو پانی لانے کے لیے نکلا ہوں اور لڑائی میں دشمن کا سامنا کرنے سے ڈرتا نہیں ہوں۔“

یزید دشمنوں کی مکاری

جب دشمن نے جان لیا کہ ہم عباسؑ کا سامنا اور مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں اور دوسری طرف وہ پانی کے خیام میں پہنچ جانے کو بھی ایک بڑا جنگی نقصان سمجھ رہے

تھے، لہذا انھوں نے بزدلی اور کمینگی پر مبنی ایک منصوبہ بنایا یعنی چھپ کر وار کرنا جو کہ اصولِ حرب کے خلاف تھا (ہر دور کی طرح آج بھی چھپ کر اور دھوکے سے حملہ کرنا بزدلی ہی شمار ہوتا ہے)؟ بس انھوں نے اسی کمینگی کو اختیار کیا اور سب سے زیادہ شقی القلب، بدخلق اور مٹل کلب حریس لوگوں کو اس چال پر عمل درآمد کرنے کے لیے منتخب کیا۔

وہ کمینہ زید بن رقاد دھننی تھا جو ایک کجور کی کمین گاہ میں چھپ کے بیٹھ گیا اور اس کا معاون حکیم بن طفیل سنسی تھا۔ جب حضرت عباسؓ پاس سے گزرے تو زید نے چھپ کر آپ کے داہنے بازو پر وار کیا جس سے آپ کا داہنا ہاتھ شہید ہو گیا۔ آپ نے تلوار اپنے بائیں ہاتھ میں سنبھالی اور جنگ جاری رکھی۔ آپ فرما رہے تھے:

وَاللّٰهُ اِنْ قَطَعْتُمُوْا يَمِيْنِيْ
اِنِّيْ اَحَامِيْ اَبْدًا عَنْ دِيْنِيْ
وَعَنْ اِمَامٍ صَادِقٍ الْيَقِيْنِ
نَجْلِ النَّبِيِّ الطَّاهِرِ الْاَمِيْنِ

”اللہ کی قسم! اگرچہ تم نے میرا داہنا ہاتھ شہید کر دیا ہے۔ میں پھر بھی ہمیشہ اپنے دین اور اپنے صادق یقین امامِ طاہر و امین نبی کے نواسے کی حفاظت کروں گا۔“

پھر کمین میں چھپے دوسرے ملعون حکیم بن طفیل نے کجور کے پیچھے سے آپ کے بائیں بازو پر زوردار وار کیا۔ بائیں ہاتھ بھی کٹ گیا لیکن آپ نے علم اپنے سینے کے ساتھ لگا لیا اور زبان پر یہ الفاظ تھے:

يَا نَفْسُ لَا تَخْشِي مِنَ الْكُفَّارِ
وَابْشِرِي بِرَحْمَةِ الْجَبَّارِ

مَعَ النَّبِيِّ السَّيِّدِ الْمُخْتَارِ
 قَدْ قَطَعُوا بِبَغْيِهِمْ يَسَارِي
 فَأَصْلَبَهُمْ يَا رَبِّ حَزَّ النَّارِ

”اے دل! کافروں سے مت ڈر اور اپنے آپ کو رحمتِ خداوندی کی بشارت دے کہ تم نبی علیہ السلام کے آغوش میں پہنچے والے ہو، ان یزید یوں نے دھوکے سے میرا یاں بازو بھی شہید کر دیا ہے۔ اے اللہ! ان کو دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ میں جمویک دے۔“

دشمنانِ خدا و رسولؐ لا شہ عباسؑ کی بے حرمتی اور پامالی کرتے ہیں جب حضرتؑ کے دونوں بازو شہید ہو گئے تو وہ بزدل دشمن آپؐ کی شمشیر اور نیزہ کے خوف سے پسپائی و فرار اختیار کر چکے تھے، اب ان کا خوف و ڈر ہو گیا تھا اور بقول شاعر:

وَهَلْ يَمْلِكُ الْمُتَوَكُّرُ قِتَامَ سَيْفِهِ
 يَمْدَحُهُ عَنْهُ الضَّيْمُ وَهُوَ بِلَاكِهِ

”کیا ایسا مجاہد اپنے اوپر بل پڑنے والے دشمن کو ہٹانے کے لیے تلوار اٹھا سکتا ہے جس کے ہاتھ ہی نہ ہوں۔“

ہر طرف سے اعدا اپنے غتے اور انقام کی آگ بجھانے کے لیے اُٹھ پڑے اور آپؐ کے اعضا بدن کو کاٹنے لگے۔ آپؐ پر تیروں کی بارش کر دی گئی۔ ایک تیر منگیزے کو آگ اور سارا پانی بہ گیا۔ ایک اور تیر جھا آیا جو آپؐ کے سینہ مبارک میں لگا۔ دوسرا آپؐ کی آنکھ میں پیوست ہو گیا۔ ایک ظالم نے حملہ کیا اور آپؐ کا دایاں پاؤں شہید کر دیا۔ ایک دوسرے ملعون نے آپؐ کے بائیں پاؤں پر وار کیا اور اسے

شہید کر دیا۔ پھر ایک تیسرے عالم نے ایک آہنی گرز سے آپ کے سر مبارک کا نشانہ لیا جس سے آپ کی پیشانی مبارک ٹکڑے ہو گئی اور یہی وہ لمحہ تھا جب آپ زینِ مرکب پر قائم نہ رہ سکے اور خاکِ کربلا پر آپڑے اور ندا دی:

يَا أَخَاةَ أَذْرِكُ أَخَاكَ

”بھیا! اپنے بے کس بھائی کی مدد کو پہنچے۔“

مولا حسینؑ جلدی سے بڑھے، آپؑ اونچی آواز میں بکا کر رہے تھے:
 وا أخاه و اعباساه، ہائے بھیا! ہائے عباس! اب میری کمر لٹ گئی، میری تدبیریں کم پڑ گئیں اور میرا دشمن میری مصیبت پر خوش ہونے لگا۔ آپؑ فرما رہے تھے:

تَعَدَّيْتُمْ يَا شَرَّ قَوْمٍ يَبْغِيكُمْ
 وَخَالَفْتُمْ دِينَ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ
 أَمَا كَانَ خَيْرُ الرُّسُلِ أَوْصَاكُمْ بِمَا
 أَمَا نَحْنُ مِنْ نَجْلِ النَّبِيِّ الْمُسْلِمِ
 أَمَا كَانَتْ الرَّهْمَاءُ أُمِّي دُونَكُمْ
 أَمَا كَانَ مِنْ خَيْرِ الْبَرِيَّةِ أَحْمَدُ
 لَعْنَتُمْ وَأَخْزَيْتُمْ بِمَا قَدْ جَنَيْتُمْ
 فَسَوْفَ تَلَاقُوا حَرَّ نَارٍ تَوْقِدُ

”اے بدترین قوم! تم بغاوت و ظلم میں مدد سے بڑھ گئے ہو اور تم نے دینِ نبیؐ کی مخالفت کی ہے۔ کیا نبی خیر الرسلؐ نے ہمارے متعلق تمہیں وصیت نہیں فرمائی تھی؟ کیا ہم راست گو نبیؐ کے نواسے نہیں ہیں؟ کیا خیر البشرؐ کی اکلوتی بیٹی سیدہ زہراؑ

میری مادر نہیں ہیں؟ تم نے بربریت اور ظلم کے ذریعے اپنے لیے لعنت و رسوائی کسب کی ہے، عن قریب تم بھڑکی ہوئی آگ میں بیچ جاؤ گے۔“

روایت ہے کہ حضرت امام حسینؑ شہزادہ ابوالفضل العباسؑ کے قتل میں بچے اور ان کو زخموں سے پھور اور خاک و خون میں غلطان دیکھا تو ان کے پاس خاک پر بیٹھ گئے۔ ان کے سر کو اپنی جھولی میں رکھا۔ ان کی آنکھ میں لگے تیر کو کھینچا، ان کی آنکھوں سے خاک و خون صاف کیا۔ شہزادے میں ابھی زندگی کی کچھ سانسیں باقی تھیں، آنکھیں کھولیں، امامؑ کی طرف دیکھا اور گریہ کیا۔ امامؑ نے دیکھی دل کے ساتھ پوچھا:

بسیا عباسؑ! آپؑ کو کس چیز نے رُلا یا ہے؟

شہزادے نے اُکھڑتی ہوئی کمزور آواز میں عرض کیا: مولّا! میں کیسے نہ روؤں، میرے پاس تو آپؑ تشریف لے آئے ہیں، میرے سر کو خاک سے اُٹھایا ہے اور اپنی جھولی مبارک میں رکھا ہے لیکن تھوڑی دیر بعد آپؑ رہوار کی زین سے اتریں گے تو آپؑ کا سر خاک سے کون اُٹھا کر اپنی جھولی میں رکھے گا اور آپؑ کے چہرے کو خاک و خون سے کون صاف کرے گا۔ بس یہی شہزادے کی آخری گفتگو تھی۔

حضرت عباسؑ کی آنکھ میں تیر لگنے والی روایت

مرحوم آیت اللہ سید محمد ابراہیم قزوینی سے منقول ہے کہ آپؑ روضہ سرکار و قافا کے صحن میں نماز پڑھایا کرتے تھے اور نماز کے بعد ایک مشہور خطیب اور داعیِ شیخ محمد علی الخراسانی مجالس پڑھتے تھے۔ ان راتوں میں وہ اکثر حضرت عباسؑ کی شہادت کے واقعات پڑھا کرتے اور بالخصوص آنکھ میں تیر لگنے والی روایت ضرور پڑھتے۔

جب آیت اللہ نے یہ روایت سنی تو بہت گریہ کیا لیکن جب شیخ خراسانی مجلس پڑھ کر منبر سے اترے تو ان سے فرمایا: اے شیخ! میں آپ کی خدمتِ عالیہ میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس قسم کی روایت جو اگرچہ بڑی غم آور ہیں لیکن چونکہ ان کی کوئی اصل اور قوی سند نہیں ہے، اس لیے ان کے پڑھنے سے گریز کیا کریں۔

ایک دن تو یہ کہا مگر دوسرے دن خود آکر شیخ خراسانی سے ملے اور اپنی بات پر معذرت کی۔ شیخ نے پوچھا کہ آغا کیا سبب ہے۔ کل آپ نے خود ہی منع فرمایا اور آج معذرت کر رہے ہیں تو آیت اللہ نے جواب دیا کہ رات میں نے سرکار ابوالفضل العباس کی خواب میں زیارت کی۔ مجھے ان کی خدمت میں حاضری اور ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ میری خوش قسمتی کہ انھوں نے مجھے آگاہ فرمایا۔ حضرت میری طرف متوجہ ہوئے اور گزشتہ واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اے سید! تم نے شیخ خراسانی کی اس رولیتِ مصائب پر اعتراض کیسے کیا حالانکہ تم واقعہ کر بلا کے وقت موجود نہیں تھے اور جو کچھ مجھ پر گزری اس کو دیکھا نہیں۔

اے سید! جان لو کہ جب یزیدیوں نے مکاری اور دھوکے سے میرے دونوں بازو شہید کر دیے تو ہر طرف سے مجھ پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ جو تیر بارش کے قطروں اور آگ کی چنگاریوں کی مثل مجھ پر برسائے گئے، انہی میں سے ایک تیر میری آنکھ کے وسط میں پگھست ہو گیا۔ میرے ہاتھ تو تھے نہیں، میں نے اپنے سر کو زور سے ادھر ادھر حرکت دی۔ اس کوشش میں میرا عمامہ میرے سر سے گر گیا لیکن تیر نہ نکلا۔ پھر میں نے سر کو زانو کے قریب کیا تاکہ زانو سے دبا کر اور سر کو پیچھے کھینچ کر تیر نکالوں لیکن جونہی میں نے اپنا سر جھکایا، ایک آہنی گرد میرے سر میں آن لگا جس کے بعد میں راہوار کی پشت پر سنبھل نہ سکا۔

سید کہتے ہیں: میں بہت رویا اور اسی حزن و اندامت کے سبب میری آنکھ کل

مئی۔ اب مجھے علم ہو گیا ہے کہ اعتراض کرتے وقت میں نے اشتباہ کیا ہے، اب میں اپنے لیے پراس্তغفار اور توبہ کرتا ہوں۔

مقتل عباس سے اٹھنے کے بعد امام کی حالت

امام حسین ابو الفضل العباس کے قتل سے اٹھے اور خیام کی طرف چل پڑے۔ حالت یہ ہے کہ خود بھی ٹوٹے ہوئے ہیں اور دل بھی شکستہ ہے، غمگین ہیں، آہ و اہلک کوڑے ہیں۔ پھر اپنی عبا کی آستینوں سے اپنے آنسو پونچھتے ہیں۔ امام کوشش کرتے ہیں کہ اپنے چہرے سے شہادت عباس کے دکھ بھرے آثار ظاہر نہ ہونے دیں۔ مخدرات کو ابھی اس (بہت بڑے) دکھ کی خبر نہیں ہے کیوں کہ قتل اور خیام کے درمیان لوگ حائل ہیں۔

ایام اتنی اونچی آواز میں عراباند کرتے ہیں جسے سب سن لیتے ہیں:

أَمَّا مَنْ مُفِيئْتٌ يُفِيئُنَا ، أَمَّا مَنْ مُجِيرٌ يُجِيرُنَا ، أَمَّا مَنْ
طَالِبٌ حَقٍّ يَنْصُرُنَا ، أَمَّا مَنْ خَائِفٌ مِنَ النَّاسِ فَيَلْدُبُ عَنَّا ؟

”ہے کوئی جو ہماری فریاد و رسی اور حمایت کرے؟ ہے کوئی حق کو

طلب کرنے والا جو ہماری مدد کرے؟ ہے کوئی جہنم کی آگ

سے ڈرنے والا جو ہمارا دفاع کرے؟“

بچپن کب آپ کی لاڈلی سیکنہ آپ کے پاس آتی ہے اور رہوار کی باگ پکڑ کر

پوچھتی ہے: بابا! چچا عباس نے اتنی دیر کیوں لگا دی ہے، وہ ہمارے لیے پانی لینے

کے لیے

جان نام فرماتے ہیں: بیٹی! میٹوں میں لوٹ جاؤ اور صبر کرو، تیرے ثابت قدم

رہنے والے چچا جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔ آپ کی یہ بات جناب سیدہ زینب

سن لیتی ہیں۔ اپنے دکھ پر ضبط نہیں رکھ سکتیں، فرماتی ہیں:

وا اخاء و اعباسا و اضيعتنا بعدك
 ”ہائے بھیا عباس! تیرے بعد تیری بہنیں کیسے شہدہ اور امن پائیں گی۔“
 سب مستورات کا گریہ بلند ہوتا ہے اور امام حسینؑ کے ضبط کا بند پھر ٹوٹ جاتا ہے۔ بلند بین کر کے بھائی کی شہادت پر گریہ کرتے ہیں:

نَادَى وَقَدْ مَلَأَ الْبَوَادِىَ صَيْحَةً
 صَمَّ الصُّخُورُ لَهْوَلَهَا تَتَأَلَّمُ
 أَلْحَى مَنْ يَخْوى بَنَاتِ مُحَمَّدٍ
 إِذْ حِصْنٌ يَسْتَرْحِمْنَ مَنْ لَا يَرْحَمُ

”امامؑ نے اتنا گریہ و بکا کیا کہ پورا صحرائے کربلا آپؑ کے
 لوحوں سے گونج اٹھا، آپؑ کے درد بھرے بین پہاڑوں سے
 ٹکرا کر واپس سنائی دیے۔ آپؑ رو کر فرماتے تھے: اے بھیا
 عباس! تیرے بعد کون رہ گیا ہے جو رسول اللہؐ کی بیٹیوں کی
 حفاظت کرے گا۔ بھیا! وہ وقت کتنا مشکل ہوگا جب وہ بے
 رحم مگرمی میں رحم کی اپیلیں کریں گی لیکن کوئی رسولؐ زادوں پر
 رحم نہیں کرے گا۔“

حضرت عباسؑ اور حضرت جعفرؑ: دو طیار

حضرت عباسؑ کی شہادت اپنے چچا جعفر طیارؑ کی شہادت کی مثل ہے کہ جن
 کے دلوں بازو پہلے شہید کر دیے گئے بلکہ حضرت عباسؑ کی شہادت کی تفصیل زیادہ
 دل خراش ہے کیوں کہ کینہ پرور شامی دشمنوں نے آپؑ کے بازو شہید کرنے کے بعد
 آپؑ کے قدمین مبارک بھی ظلم کے ساتھ شہید کر دیے۔ آپؑ کے سر اقدس پر لپک
 ورنی آہنی گرز مارا گیا جس نے آپؑ کی پیشانی کو شکافہ کر دیا اور رہوار سے گرنے

کے بعد آپؐ کے جسم اطہر کو تلواریں کے ساتھ ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔

امام زین العابدین علیہ السلام جب بھی اپنے چچا عباسؓ کو یاد کرتے تھے تو گریہ و بکا بلند کرتے تھے۔ پھر اپنے عم حضرت جعفر طیارؓ کو بھی یاد کر کے روتے تھے۔

امامی شیخ صدوقؒ میں ابو حمزہ ثمالی سے روایت ہے کہ ایک دفعہ فرزند حضرت عباسؓ، حضرت عبید اللہؒ پر امام سجادؒ کی نظر پڑی تو آنکھوں سے آنکھ رواں ہو گئے اور فرمایا: رسول اللہؐ پر سب سے مشکل وقت وہ آیا جب اللہ اور رسولؐ کے شیر حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ شہید ہوئے اور پھر جب اس کے بعد جب موتہؓ میں ان کے چچا کے بیٹے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ شہید ہوئے لیکن کوئی دن اتنا سخت اور مشکل نہیں آیا جتنا میرے بابا حسینؑ پر عاشورا کا دن مشکل گزرا کہ جب تیس ہزار لوگ آپؐ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہو گئے۔ وہ سب کے سب اپنے آپ کو اُمت محمدیہ میں سے سمجھتے تھے اور امامؑ کے قتل کو قرب الہی کا ذریعہ جانتے تھے۔ آپؐ ان کو وحط و فصحت فرماتے لیکن وہ اس کا کوئی اثر نہ لیتے تھے۔ حتیٰ کہ انھوں نے اپنے ظلم و بغاوت پر قائم رہتے ہوئے آپؐ کو شہید کر دیا۔

پھر آپؐ نے فرمایا: اللہ رحمت کرے میرے چچا عباسؓ پر، جنھوں نے جب گربلا میں وفاداری و بہادری کا مظاہرہ کیا اور آزمائش کی اس منزل کو کمال ایمار و جاں فدا سے عبور کیا۔ آپؐ کے دونوں ہاتھ قطع کر دیے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں حضرت جعفر طیارؓ کی مثل دو ملکوئی پڑ عطا فرمائے۔ جن کے ذریعے جنت میں وہ ملائکہ کے ساتھ پرواز کرتے ہیں اور حضرت عباسؓ کو اللہ تعالیٰ نے وہ خاص منزل اور مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے کہ قیامت کے دن سب شہداء اس پر رفق کریں گے۔

مذکورہ بالا فرمانِ معصوم میں لفظ ”جمع شہداء رفق کریں گے“ قابلِ توجہ ہے۔ لفظ جمع عمومیت رکھتا ہے اور یہ تمام غیر معصومین شہداء کو شامل ہے حتیٰ کہ

حضرت امیر حمزہؓ اور حضرت جعفر طیارؓ بھی اس میں شامل ہیں۔

واقعاً حضرت عباسؓ کی یہ عظمت ان کے بلند ایمانی درجہ پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اوپر ڈھائے جانے والے مظالم کے پہاڑ میں عظیم صبر و استقامت کی وجہ یہ ہے کیوں کہ کربلا میں لشکرِ بنی امیہ نے حضرت عباسؓ پر اپنی بربریت کی انہما کر دی۔ ابھی آپؓ زندہ تھے کہ آپؓ کے اعضاء بدن کاٹ لیے گئے۔ آپؓ کے بازو اور آپؓ کے قدم شہید کر دیے، آپؓ کی پیشانی پر آہنی گرز مارا۔ آپؓ کے جسم اطہر کو تلواروں سے کاٹا، آپؓ پر اتنے تیر برسائے کہ جلد کا کوئی حصہ چھلنی ہونے سے محفوظ نہ رہ سکا۔ یہ مظالم دوسری طرف ان بزدل دشمنوں کے کینہ کو بھی ظاہر کرتے ہیں جو ان کی سلامتی میں تو ان کی شجاعت کے رعب کی وجہ سے قریب تک آنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔

بنو امیہ کی شقاوت قلبی

لشکرِ بنو امیہ کے شقی القلب ہونے کی دلیل ہے کہ انھوں نے حضرت عباسؓ کی روح پرواز کرنے سے پہلے آپؓ کے اعضاء مبارک کاٹ کر شہید کیے اور آپؓ کے بدن اطہر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

ہم ذیل میں ایک واقعہ نقل کرتے ہیں:

تاریخ میں آیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عباسؓ کی ضریح مبارک کی زمین کچھ بیٹھ گئی جس کی وجہ سے روضہ مبارک کی تعمیر نو کی ضرورت پیش آئی۔ یہ علامہ سید محمد مہدی بحر العلوم کے زمانہ کی بات ہے جنھوں نے تیرہویں صدی ہجری کے اوائل میں وفات پائی۔

آپ ان کہارِ شیعہ علما میں سے تھے جنہیں اکثر امام زمان عجل اللہ فرجہ الشریف کی زیارات ہوتی تھیں اور جنہیں اہل بیت و علیہ السلام کے نزدیک

بلند مقام حاصل تھا۔ حضرت علامہ السید کو حضرت کے روضہ مبارک کی حالت کی خبر دی گئی۔ آپ نے ایک ماہر معمار کو بلایا اور معمار کے ہم راہ اس سرداب میں اترے جہاں پر حضرت کی قبر مبارک واقع ہے۔ جب معمار کی نظر قبر مبارک پر پڑی تو حیران ہو جاتا ہے کہ قبر کی جسامت اور حجم متوسط لوگوں کی قبور سے بھی بہت چھوٹا ہے۔ معمار کہتا ہے کہ قبلہ اگر اجازت ہو تو اک سوال پوچھ لوں۔ فرمایا: ضرور پوچھو۔ وہ تعجب بھرے لہجے میں کہتا ہے کہ ہم نے سنا اور پڑھا ہے کہ حضرت ابو الفضلؓ بڑے طویل القامت شہزادے تھے کہ جب اپنے قوی الجہد رہوار پر سواری کر رہے ہوتے تو ان کے قدم زمین پر خط کھینچتے جاتے تھے اور قبر عام قبور سے بھی بہت چھوٹی ہے۔ آپ ذرا یہ مسئلہ حل فرمائیے کہ جو کچھ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اسے صح مانوں یا جو کچھ پڑھ یا سن رکھا ہے اسے صح تسلیم کروں۔

معمار یہ سوال کر کے خاموش ہو گیا لیکن کافی دیر تک آغا کی طرف سے سوائے شدید گریہ و بکا کے کوئی جواب نہ آیا، پھر فرمایا: تم نے حضرت عباسؓ کی جسامت و قامت کے بارے جو کچھ سن اور پڑھ رکھا ہے وہ بالکل صحیح ہے لیکن یہ قبر مطہرہ کا چھوٹا ہونا لشکر بنی امیہ کی قساوت و شقاوت قلبی کی وجہ سے ہے۔ ان خالموں نے شہزادے کے دونوں ہاتھ اور پاؤں قطع کر دیے تھے اور کھواروں کے ساتھ جسم اطہر کھڑے کھڑے کر دیا تھا اور بڑے دکھ اور مصائب کے ساتھ امام زین العابدینؓ نے اپنے ہاتھوں سے چچا کے بدن کے بکھرے ہوئے اور کٹے ہوئے اعضا کو جمع کیا اور اپنے ہاتھوں سے کھودی ہوئی قبر میں اتارا تھا۔

امام زین العابدینؓ قبیلہ بنی اسد کے ہم راہ

حضرت عباسؓ علم دار کی قبر مبارک کا مختصر ہونا جہاں بنو امیہ کے ظلم و بربریت اور حضرت کے عظیم امتحان و قربانی کو ظاہر کرتا ہے وہاں امام سجاد علیہ السلام کی عظیم

مصیبت کو بھی واضح کرتا ہے جو شہادت کے تین دن بعد میدانِ کربلا میں تشریف لائے اور اپنے ہاتھوں سے اپنے بابا، اپنے چچاؤں، اپنے بھائیوں، اہل بیت و اصحاب امام حسینؑ کے مقدس لاشوں کو دفن کیا کیوں کہ ماضی کے تین دن بعد لشکرِ یزید کربلا سے روانہ ہوا۔ انھوں نے آلِ رسولؐ کے لاشوں کو دفن کے قابل بھی نہ سمجھا اور ان کے شر سے کوئی دوسرا بھی قریب نہ آ سکا۔ تیسرے دن جب لوگوں نے لشکرِ بنی امیہ و امین زیاد سے امن پایا تو قبیلہ بنی اسد کے مرد اور خواتین دفن کی غرض سے آئے لیکن چونکہ یزیدی شہداء کے مقدس سروں کو اپنے نیزوں کی زینت بنا کر کوفہ و شام کی طرف لے جا چکے تھے۔ بنی اسد کے لیے شہداء کی پہچان مشکل تھی۔ امام سجادؑ بطریقِ معجزہ کربلا میں تشریف لائے۔ آپ ایک ایک کر کے لاشِ شہید کی پہچان کرواتے جاتے تھے اور بنی اسد شہداء کو دفن کرتے جاتے۔ وہ گریہ و بکا کر رہے تھے، ان کی خواتین نوے بھی پڑھ رہی تھیں اور اپنے چہروں پر ماتم بھی کر رہی تھیں۔ پھر امام سجادؑ چلتے چلتے اپنے بابا کی لاش کے پاس آئے اور بہت روئے۔ پھر زمین سے کچھ مٹی ہٹائی تو ایک کھدی ہوئی قبر نظر آنے لگی۔ امامؑ نے بابا کی کمر کے نیچے ہاتھ رکھے اور بابا کی لاش کو اٹھایا۔ زبان پر یہ کلمات جاری تھے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَعَلَىٰ مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ،
صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ

اَللّٰهُمَّ الْعَظِيْمِ

اور تن تھا امامؑ کے جدِ اطہر کو لحد میں اتارا۔ جب بنی اسد مدد کے لیے آئے بڑھے تو آپؑ نے انھیں یہ کہہ کر منع فرمایا: میرے ساتھ کوئی ہے جو میری معاونت کر رہا ہے۔ جب بابا کے جنازے کو قبر میں اتار چکے تو ان کے کٹے ہوئے گلے پر رخسار رکھا اور فرمایا:

طَوْبِي لِأَرْضٍ تَضَمَّنَتْ جَسَدَكَ الطَّاهِرَ ، فَإِنَّ الدُّنْيَا
بَعْدَكَ مُظْلِمَةٌ وَالْآخِرَةُ بِنُورِكَ مُشْرِقَةٌ أَمَا اللَّيْلُ
فَمَسْهَدٌ وَالْحُزْنُ سَرْمَدٌ أَوْ يَخْتَارُ اللَّهُ لِأَهْلِ بَيْتِكَ
كَأَرْكَ الَّتِي أَنْتَ بِهَا مُؤَيَّمٌ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا بَنَ رَسُولِ
اللَّهِ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ

”کتنی اعلیٰ مقدر ہے وہ سر زمین جس نے آپؐ کے جسدِ طاہر کو
اپنے آغوش میں لے لیا ہے۔ آپؐ کے بعد دنیا تاریک ہے
اور آپؐ کے نور کے ساتھ آخرت چمک رہی ہے۔ ہماری
راتیں بے خواب اور ہمارا دکھ دائمی ہے۔ اللہ آپؐ کے اہل
بیت کو بھی اس گھر میں پہنچائے جہاں آپؐ کا بئرا ہے۔ یا بن
رسول اللہ! آپؐ پر سلامتی، اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔“

پھر آپؐ نے قبر کی مٹی پر شہادت والی اہلی کے ساتھ لکھا:
هَذَا قَبْرُ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ الَّذِي قَتَلُوهُ
عَطَشًا غَرِيبًا

”یہ حسین ابن علیؑ ابن ابی طالبؑ کی قبر ہے جنہیں یزید یوں
نے پردیس میں پیاسا شہید کر دیا۔“

امام زین العابدینؑ لاشہ عباسؑ کے پاس

پھر امام زین العابدینؑ علیہ السلام بنی اسد کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ
کیا سارے شہداء دفن ہو چکے؟ انھوں نے عرض کیا: مولاً! علقمہ کے نزدیک ایک مجاہد
کی لاش ابھی دفن ہونا باقی ہے۔ وہ لاش یزید یوں کی تلواروں سے اس قدر کھوڑے
کھوڑے ہے کہ ہم ایک طرف سے اٹھاتے تھے تو دوسری طرف سے گر پڑتی تھی۔

جب امامؑ نے بنی اسد کی یہ بات سنی تو آپؑ کی چٹخیں بلند ہو گئیں۔ آپؑ نے فرمایا: اے بنی اسد! آپؑ کو پتا ہے وہ لاشہ کس کا ہے؟ وہ لاشہ میرے چچا عباسؑ کا ہے۔ پھر آپؑ چل کر لاش عباسؑ پر آئے جب نظر پڑی تو اپنے آپؑ کو چچا کی لاش پر گرا دیا۔ ان کے کٹے ہوئے گلے پر بوسہ دیا اور فرمایا:

”اے قمر بنی ہاشم! آپؑ کے بعد دنیا اندھیر ہے۔ اے شہید

راؤ خدا! آپؑ پر میرا سلام، اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔“

پھر امامؑ نے اپنے ہاتھوں سے قبر کھودی اور امام حسینؑ کے لاشہ کی مثل لاشہ عباسؑ کو بھی اکیلے لحد میں اتارا اور بنی اسد سے فرمایا: ”میرے ساتھ کوئی ہے جو اس کام میں میری مدد کر رہا ہے۔“

معصوم کے امور کفن و دفن صرف معصوم ہی انجام دیتا ہے

امام سجاد علیہ السلام نے اپنے بابا اور ان کے جاں نثاروں کے اجساد طاہرہ کو دفن کرنے کے لیے شہادت کے بعد تیسرے دن کا انتخاب کیا اور بطریق مجزہ کربلا میں تشریف لائے جب کہ بظاہر اس دن آپؑ کوفہ میں محمدرضا خانوادہ عصمت کے ساتھ ابن زیاد کی اسیری میں تھے۔ آپؑ نے تیسرے دن کا انتخاب اس لیے فرمایا کیوں کہ آپؑ کو علم تھا اسی دن قبیلہ بنی اسد کے نوجوان اور عورتیں قتل شدہ میں آئیں گے اور اجساد طاہرہ کو دفن کرنے کی کوشش کریں گے اور وہ اس عظیم امر اور شرعی فریضے کی انجام دہی کے لیے بہترین معاون ہوں گے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ امام سجاد علیہ السلام نے باقی شہداء کے اجساد طاہرہ دفن کرنے میں بنی اسد کی نظر رہنمائی اور معاونت فرمائی لیکن امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ کی لاشوں کی تدفین یہ کہہ کر کہ **إِنَّ مَعِيَ مَنْ يُعِينُنِي** خود بفر و فرید انجام دی۔

جہاں تک امام حسینؑ کے جسدِ اطہر کی تدفین کا معاملہ ہے وہ تو بہت واضح ہے کہ مصومؑ کی تدفین ایک مصوم ہی کر سکتا ہے کوئی اور نہیں کر سکتا۔ امام حسینؑ بھی مصومؑ اور امام سجادؑ بھی مصوم۔ لیکن امام سجادؑ کا اپنے چچا عباسؑ جو کہ مصومین علیہم السلام میں شامل نہیں ہیں، کے جنازے کو تنہا دفن کرنا اس بات کو ظاہر اور واضح کرتا ہے کہ آپؑ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت عظیم مقام اور بلند رُتبہ رکھتے ہیں اور اہل بیت علیہم السلام کے نزدیک بھی اتنی قدر و شان رکھتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عباسؑ کو صوبِ مصومین میں شمار کیا ہے۔ ان کی تدفین کے وقت ان کو مکمل امامِ مصوم افرادیت دی گئی۔

اور جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا کہ امام حسنؑ کی تعمیل میں بھی آپؑ نے امام حسینؑ کے ساتھ مشارکت فرمائی۔ وہ امر بھی حضرت عباسؑ کی عزت و شرف کی بلندی کا ثبوت ہے کیوں کہ کسی مصومؑ کو کوئی مصوم ہی غسل دے سکتا ہے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ مرنے والی قدر اشیخ محمد طہ نجفی نے اپنی کتاب ’الاتقان‘ میں لکھا: ”عباس ابن امیر المومنین علی ابن ابی طالب“ اس سے بلند ہیں کہ انھیں یہاں (یعنی غیر مصومین میں) ذکر کیا جائے بلکہ مناسب ہے کہ ان کا تذکرہ مصومین کے ساتھ کیا جائے۔



حضرتؑ کا ایک لقب شہید ہے

شہید اسے کہتے ہیں جو اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جائے اور شہید زعمہ ہوتا ہے اور اپنے رب کے پاس رزق پاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ شہید کو شہید اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے ملائکہ اس کے جنت میں جانے کے شاہد ہوتے ہیں۔ اور شہادت افضل ترین امتی کے لیے ہے اور افضل ترین امتی وہ ہیں جو اللہ کی راہ میں قتل کر دیے جائیں۔ شہید کی فضیلت تمام مخلوق سے امتیازی و انفرادی ہے۔ اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے:

فَوَجَّيْنٰ بَنَاتَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ (سورہ آل عمران، آیہ ۱۷۰)

”اللہ نے جو جو فضل و کرم ان پر کیا ہے اس (کی خوشی) سے

پھولے نہیں ساتے۔“

ایک قول یہ ہے: ”شہید کو شہید اس لیے کہتے ہیں کہ وہ مرا نہیں ہے بلکہ زعمہ

ہے گویا کہ وہ شاہد و حاضر ہے۔“

ایک قول یہ ہے کہ اس کو شہید اس لیے کہتے ہیں کیوں کہ ملائکہ رحمت اس کے پاس آتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کیوں کہ وہ اللہ کے امر کی پیروی کرتے ہوئے حق کی شہادت کے لیے قیام کرتا ہے حتیٰ کہ قتل ہو جاتا ہے۔

اور ایک قول شہید کی وجہ تسمیہ کے بارے میں یہ بھی ہے کہ چونکہ اللہ کی راہ میں قتل ہو جانے والے کے لیے اللہ نے جو عظیم اجر اور کرامت تیار کر رکھی ہے، اس کو دیکھ لیتا ہے۔

لقب شہید کی عظمت

وہ ہستیاں جن کو شہید جیسے ساوی تمنہ سے نوازا گیا اور تمام شہداء کی موجودگی میں لقب شہید جن کے لیے خصوصی طور پر بولا گیا وہ ہستیاں ہیں:

ایک ہستی کا تعلق آئمہ اہل بیت مصومین علیہم السلام سے ہے جو سید الشہداء ہیں جو ابوالاحرار ہیں، جو سبط رسولؐ اور روحانہ رسولؐ ہیں۔ جو سید شباب اہل البیت ہیں، یعنی امام حسینؑ۔ جو آئمہ اہل بیتؑ میں شہید کے نام سے معروف ہیں۔

یہ سچ ہے کہ چہارہ مصومین سوائے حضرت امام المہدیؑ کے تمام کے تمام راوہ خدا میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے جیسا کہ فرمان مصومؑ ہے کہ مَا وَدَّ إِلَّا مَقْتُولٌ أَوْ مَسْمُومٌ، یعنی ہم میں سے ہر ایک مقتول ہے یا مسوم ہے۔ لیکن جن کو مطلقاً شہید کہا جاتا ہے وہ امام حسینؑ ہی ہیں کیوں کہ حضرت رسولؐ اکرم نے امام حسینؑ کے متعلق فرمایا:

أَنْتَ شَهِيدٌ هَذَا الْأَمَّةِ ”اے حسینؑ تو میری امت کا شہید ہے۔“

اور دوسری ہستی وہ ہیں جو خاصان آئمہ اطہارؑ میں سے ہیں۔ ان کے بچے یرہ، حاملہ لوہ اور امام حسینؑ کے بطل عظمیٰ حضرت عباسؑ ہیں جنہوں نے حمایت و نصرت امامؑ میں ایثار و قربانی کی آخری حدود کو چھو لیا۔

اور جیسا کہ پہلے گزر چکا کہ امام زین العابدینؑ جب بھی حضرت عباسؑ کو یاد کرتے تو فرمایا کرتے کہ اللہ کے نزدیک میرے عم عباسؑ کا وہ مقام و منزلت ہے کہ قیامت کے دن جمع شہداء ان پر رشک کریں گے۔

اور آپؑ نے اپنے چچا کی لاش اطہر کو دفن کرتے ہوئے یہ فرمایا:

عَلَيْكَ وَمِنِّي السَّلَامُ مِنْ شَهِيدٍ مُحْتَسَبٍ

امام سجادؑ کا لفظ شہید کا حضرت ابوالفضل العباسؑ پر اطلاق کرنا ایک بہت اعلیٰ

اور آسانی تمغہ ہے کیوں کہ مصوم کے پاس تمام آسانی معیار اور وحی کے تراز و موجود ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مصوم کو یہ امر تفویض کیا ہے کہ حق دار کو اس کا حق عطا کریں اور مستحق کو مساوی تمغات بخش دیں اور چونکہ حضرت عباسؓ اولیائے خدا سے دلائے عظیم رکھتے تھے۔ آپؓ اچھائی درجہ کے اخلاص کے ساتھ راجہ خدا میں عظیم آزمائش سے گزرے اس لیے امامؓ نے انھیں لقب شہید عطا کیا، نہ صرف یہ کہ شہید کہا بلکہ فرمایا: آپؓ ایسے شہید ہیں جنہوں نے لقاء اللہ کی نیت اور جذبے سے جامِ شہادت نوش کیا اور ایسا مقام و منزلت حاصل کیا کہ قیامت کے دن تمام شہداء اس پر رشک کریں گے۔

عباسؓ شہید مظلوم

کربلا میں حضرت عباسؓ کا مقام و منزلت بہت بلند ہے۔ اس کی بہترین اور روشن دلیل حضرت امام زین العابدینؓ کا دیا ہوا امر از الشہید المہتسب ہے۔ اور اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی زیارت معروفہ میں آپؓ کو یوں خطاب فرمایا:

أَشْهَدُ أَنَّكَ قُتِلْتَ مَظْلُومًا ”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؓ کو مظلومی حالت میں قتل کیا گیا۔“

تو گویا آپؓ صرف شہید نہیں بلکہ مظلوم بھی ہیں کیوں کہ (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے) جب آپؓ نے اذنِ جہاد مانگا تو امام حسینؓ نے آپؓ کو جنگ کی اجازت نہ دی بلکہ فرمایا: پیاسے بچوں کے لیے پانی لے آؤ اور یہ بات بڑی واضح ہے کہ دشمن اور مدِّ مقابل سے جنگ کرنے اور پانی کے حصول کے لیے جانے میں بڑا فرق ہے کیوں کہ جو مجاہد صرف قتل کے لیے جاتا ہے اس کا ذہن باقی ہر فکر سے آزاد اور خالی ہوتا ہے اور اس کی پرواز کے لیے کوئی سمت اور جہت بھی متعین نہیں ہوتی جبکہ

جو شخص پانی لینے کی غرض سے جا رہا ہو، اس کے لیے اہم ترین امر بڑے سورا
دشمنوں کو قتل کرنا نہیں بلکہ صرف پانی کے سامنے رکاوٹوں کو ہٹا کر گزرنا ہوتا ہے اور
بہر خصوص راستوں سے واپس آنا ہوتا ہے۔ اسی لیے حضرت قاتکوں سے انتقام
لے کر اپنا سینہ شہداء نہ کر سکے اور مظلومی کی حالت میں شہید کر دیے گئے۔

علاوہ ازیں جب بزدل دشمن حضرت کے سامنے آ کر مقابلہ کرنے سے عاجز
آ گئے تو دھوکا زنی سے کام لیتے ہوئے کہیں گاہوں میں چھپ کر بیٹھ گئے اور اچانک
دار کر کے آپ کے دونوں بازو قلم کر دیے اور پھر ایک یا دو ضربوں پر انکشاف نہیں کیا
بلکہ تلواروں سے آپ کے جسم اطہر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ آپ کی آنکھ میں تیر مارا
اور آپ کے سر کو اسی گرز سے شگافہ کر دیا اور مظلومی کی حالت میں شہید کر دیا۔ اسی
لیے امام جعفر صادق علیہ السلام نے آپ کو شہید مظلوم کہہ کر پکارا:

کوئی سوار جب گھوڑے سے گرتا ہے

جناب مقرر کی کتاب ”مقتل الحسین“ میں ہے کہ ایک عالم فاضل خطیب
اشیخ کاظم اسمعیلی کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک بزرگ اور باذوق عالم تشریف لائے
اور فرمایا: میں حضرت عباسؓ کا پیغام آپ کے پاس لایا ہوں۔ میں نے خواب میں
ان کی زیارت کی ہے وہ آپ پر ناراض ہو رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ شیخ کاظم
سحق میری مصیبت کا ذکر نہیں کرتا ہے۔ میں نے عرض کیا: مولاً! میں نے اکثر اس
کی زبانی آپ کا ذکر مصیبت سنا ہے۔ حضرت نے فرمایا: باقی واقعات پڑھتا ہے
لیکن میری غرض ہے کہ میری یہ مصیبت بھی لوگوں کے سامنے بیان کیا کرے کہ:
”جب کوئی سوار اپنے رومار سے گرتا ہے تو اپنے ہاتھوں کے سہارے زمین پر گرتا
ہے لیکن جب کسی سوار کے سینے میں تیر پیوست ہوں اور اس کے دونوں ہاتھ کٹ
چکے ہوں تو وہ کیسے زمین پر اترے گا۔“

یہ امر بھی حضرت ابو الفضلؓ کی شدتِ مظلومیت و مصائب کی عکاسی کرتا ہے۔ جیسا کہ ”فقہ الزہراء“ میں ہے کہ مظلوم پر گریہ و بکا کرنا مستحب ہے اور رونے والوں کے ساتھ ان کے گریہ میں شریک ہو جانا بھی مستحب ہے۔ کیوں کہ یہ مظلوم کی تائید و نصرت میں شمار ہوتا ہے۔

جب حضرت امیرِ حمزہؓ شہید ہوئے اور ان کی بہن حضرت صفیہ گریہ و بکا و فریاد کر رہی تھیں تو حضور اکرمؐ نے بھی اپنی چھوٹی بہن حضرت صفیہ کے ساتھ گریہ فرمایا۔ اور فضیلتِ زیارتِ امام حسینؓ میں وارد ہوا ہے کہ جب جناب سیدہ فاطمہ زہراؓ زائرینِ حسینؓ پر نظر کرتی ہیں تو آپؐ کے ساتھ ہزار انگلیاں، ہزار صدیق، ہزار شہید اور ایک لاکھ فرشتے ہوتے ہیں۔ وہ گریہ و بکا کرتے آپؐ سے تعزیت کر رہے ہوتے ہیں۔ جناب سیدہ زائرین کو دیکھ کر گریہ بلند کرتی ہیں تو آسمانوں میں موجود تمام ملائکہ آپؐ کی آواز کو سن کر رونے لگ جاتے ہیں۔

مقامِ شہید اور اجرِ شہادت

اللہ کے نزدیک شہداء کا مقام و مرتبہ کیا ہے، اب ہم اس حوالے سے کچھ آیات و احادیث پر نظر ڈالتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ

”بے شک اللہ ان لوگوں سے اُلُفّ رکھتا ہے جو اس کی راہ

میں لڑتے ہیں۔“ (سورہ صف، آیہ ۴)

دوسری جگہ سورہ آل عمران میں فرماتا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ

أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ

فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ وَنِ خَلْفَهُمْ

الَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ
رَبِّهِمُ اللَّهُ وَفَضْلٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِلُّ أُمَّةَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

”اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں انہیں مردہ ہرگز نہ سمجھنا بلکہ وہ لوگ جیتے (جاگتے موجود) ہیں۔ اپنے پروردگار کے ہاں سے وہ (طرح طرح کی) روزی پاتے ہیں اور اللہ نے جو جو فضل ان پر کیا ہے اس (کی خوشی) سے پھولے نہیں سماتے اور جو لوگ ان سے پیچھے رہ گئے اور ان میں آکر شامل نہیں ہوئے ان کی نسبت یہ (خیال کر کے) خوشیاں مناتے ہیں کہ (یہ بھی شہید ہوں تو) ان پر نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ آزرده خاطر ہوں گے۔ اللہ کی نعمت اور اس کے فضل (و کرم) اور اس بات کی خوش خبری پا کر کہ اللہ مومنین کے ثواب کو برباد نہیں کرتا وہ تو نہال ہو رہے ہیں۔“ (آل عمران، آیہ ۱۶۹ تا ۱۷۱)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

أَشْرَفُ الْمَوْتِ قَتْلُ الشَّهَادَةِ

”سب سے افضل و اشرف موت شہادت کی موت ہے۔“

حدیث بخیر ہے:

قَوِيَ كُلُّ بَرٍّ بَرٍّ، حَتَّى يُقْتَلَ الرَّجُلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
فَإِذَا قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فَلَيْسَ فَوْقَهُ بَرٌّ

”ہر نیکی سے اُدپر ایک نیکی ہے لیکن جب کوئی (مومن) راہِ خدا میں قتل (شہید) ہو جائے تو اس سے اُدپر کوئی نیکی نہیں۔“

ختمی مرتبت کی حدیث ہے:

إِنَّ أَوَّلَ مَنْ قَاتَلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ، إِبْرَاهِيمُ الْخَلِيلُ
حِينَئِذٍ أَسْرَتِ الرُّومُ لُوطًا ، فَغَفَرَ إِبْرَاهِيمَ ، وَاسْتَنْقَذَهُ
مِنْ أَيْدِيهِمْ

”اللہ کی راہ میں سب سے پہلا جہاد حضرت ابراہیمؑ نے کیا۔

جب رومیوں نے حضرت لوطؑ کو اسیر کر لیا تو حضرت ابراہیمؑ

جلدی سے گئے اور ان کے ہاتھوں سے حضرت لوطؑ کو چھڑایا۔“

ایک اور حدیث پیغمبرؐ ہے:

مَا مِنْ قَطْرَةٍ أَحَبَّ إِلَى اللَّهِ مِنْ قَطْرَةٍ دَمٍ فِي سَبِيلِ
اللَّهِ أَوْ قَطْرَةٍ دَمٍ فِي بَحْثِ اللَّيْلِ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ

”کوئی قطرہ اللہ کو اتنا پسند نہیں کہ جتنا اللہ کی راہ میں بہنے

والے خون کا قطرہ یا آدمی رات کو خوفِ خدا سے بچنے والا

آسو کا قطرہ (اللہ کو پسند ہے)۔“

پیغمبرؐ اسلام کی ایک اور حدیث ہے:

أَجْوَدُ النَّاسِ مَنْ جَادَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

”سب سے زیادہ اچھے شخص وہ ہے جو اپنے نفس اور مال کے

ساتھ راہِ خدا میں شہادت کرے۔“

اور مولائے کائنات حضرت امیر المومنینؑ کا قول ہے کہ ”سب سے پہلے

فحش جنسوں نے راہِ خدا میں جہاد کیا وہ حضرت ابراہیمؑ تھے۔ جب رومیوں نے

حضرت لوطؑ کی بستی میں لوٹ چائی اور انھیں قید کر لیا تو حضرت ابراہیمؑ جلدی سے

گئے، ان پر غلبہ پا لیا اور ان کی قید سے حضرت لوطؑ کو نجات دلائی۔ حضرت ابراہیمؑ

نے عیساؑ سے پہلے علم بنایا، ان پر افضل سلام ہو۔
شیخ طوسیؒ نے تہذیب میں حضرت امام علی بن الحسینؑ سے ایک حدیث رقم کی ہے جو انھوں نے اپنے آباؤں کے طاہرینؑ سے نقل فرمائی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

لِلشَّهِيدِ مَنَبِعُ خِصَالٍ مِّنَ اللَّهِ "اللہ کی طرف سے شہید کے لیے سات خصالتیں اور انعام مقرر ہیں۔"

اول: جب شہید کے خون کا پہلا قطرہ بہتا ہے تو اس کے سارے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

دوم: شہید کا سر زمین پر نہیں گرتا بلکہ خوب صورت آنکھوں والی حور کی گود میں آتا ہے جو اس کی زوجہ ہوتی ہے، جو اس کے سر سے گرد و خبار صاف کرتی ہے اور اسے خوش آمدید اور مرحبا کہتی ہے اور شہید بھی اسے یہی الفاظ کہتا ہے۔

سوم: شہید کو جنتی لباس پہنایا جاتا ہے۔

چہارم: جنت کے خزانہ دار ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہوئے ہر قسم کی طیب خوشبو لے کر اس کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو بھی آپ کو پسند ہو وہ رکھ لیں۔

پنجم: وہ جنت میں اپنا مکان اور منزل دیکھ لیتا ہے۔

ششم: شہید کی روح سے کھاجاتا ہے کہ جس طرح چاہو جنت میں گھومو پھرو۔

ہفتم: شہید اللہ کے چہرہ کی زیارت کرتا ہے، یعنی اس پر اللہ کی خصوصی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ (یہ ایسا انعام ہے) جس سے ہر نبی اور شہید کے دل کو راحت اور شغذک ملتی ہے۔

لقب صدیق کی توضیح

صدیق وہ ہے جو ہمیشہ اور دوام کے ساتھ سچائی کی تصدیق کرے۔ اسے بھی صدیق کہتے ہیں جو اپنے عمل کے ذریعے سے اپنے قول کی تصدیق کرے۔ ایک قول یہ ہے کہ صدیق وہ ہے جو صداقت میں انتہا کو پہنچا ہوا ہو۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ صدیق وہ ہے جو ہر امر الہی کی اس طرح تصدیق کرے کہ کسی معاملے میں بھی شک اسے الجھانہ سکے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ نبی کی تصدیق بھی کرے۔

یہ معانی تو لغت اور عربی دان ملا کے بیان کردہ ہیں۔ ذیل میں ہم دیکھتے ہیں کہ اصطلاح قرآنی، سنت نبوی اور احادیث اہل بیت رسول میں صدیق کے کتے ہیں:

سورۃ حدید آیہ ۱۹ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ
وَالشَّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ

”اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے یہی لوگ اپنے پروردگار کے نزدیک صدیقوں اور شہیدوں کے درجے میں ہوں گے ان کے لیے انہی (صدیقوں اور شہیدوں) کا اجر اور انہی کا نور ہوگا۔“

سورۃ نساء کی آیت ۶۹ میں ارشاد ہے:

وَمَنْ يُؤْمِرِ اللَّهُ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ
عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّادِقِينَ وَالشَّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ

وَحَسَنَ أَوْلَئِكَ رَفِيقًا ۝

”اور جس شخص نے اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کی تو ایسے لوگ ان (مقبول) بندوں کے ساتھ ہوں گے جنہیں اللہ نے اپنی نعمتیں دی ہیں یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور یہ لوگ کیا ہی اچھے رفیق ہیں۔“

اور خصال میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ ”صدیق تین ہیں: علی ابن ابی طالب، حبیب نجار اور مومن آلِ فرعون۔“

عیون الاخبار میں حدیث پیغمبرؐ ہے:

لِكُلِّ أُمَّةٍ صِدِّيقٌ وَقَارُوقٌ وَصِدِّيقُ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَقَارُوقُهَا عَلِيُّ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ

”ہر نبی کی امت کا ایک صدیق اور قاروق ہے اور اس امت کا صدیق اور قاروق علی ابن ابی طالب ہے۔“

اور ”روضۃ الکافی“ میں جناب امیرؑ (اپنے خطبہ میں فرماتے ہیں) جو خطبہ الوسیلة کے نام سے مشہور ہے:

وَإِنِّي النَّبِيُّ الْعَظِيمُ وَالصِّدِّيقُ الْاَكْبَرُ

”میں ہی نبی عظیم اور صدیق اکبر ہوں۔“

اور ”شرح الآیات الباہرة“ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آباؤ طاہرین کے توسط سے امیر المومنینؑ کی ایک طویل حدیث روایت کی ہے کہ ”ہمارے شیعہ جو مرجاتے ہیں وہ صدیق و شہید مرتے ہیں (کیوں کہ) وہ ہمارے امر کی تصدیق کرتے ہیں، ہماری خاطر ہی وہ محبت کرتے ہیں اور ہمارے لیے ہی کسی سے بغض و دشمنی رکھتے ہیں، وہ اپنے اس عمل کے ذریعے اللہ کا قرب

چاہتے ہیں، وہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھنے والے ہیں۔“

(پھر اپنی گفتگو کی تائید میں مولا امیرؑ نے یہ آیت پڑھی)

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصّٰدِقُونَ
وَالشّٰهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ

اور ”محسن البرقی“ میں امام حسین علیہ السلام کی مسند حدیث ہے:

مَا مِنْ شَيْعَتِنَا إِلَّا صِدِّيقٌ شَهِيدٌ
”ہمارا ہر شیعہ صدیق اور شہید ہے۔“

اور ”مزار ابن قلوئے“ میں معتبر سند کے ساتھ حضرت امام جعفر صادق علیہ

السلام کی زیارت موجود ہے جس میں آپؑ ہمیں اپنے عم بزرگوار حضرت ابوالفضلؑ کی زیارت کی تعلیم فرماتے ہوئے یوں فرماتے ہیں:

السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْوَلِيُّ الصَّالِحُ النَّاصِحُ الصِّدِّيقُ
”اے صالح ولی خدا اور پاک دل مخلص صدیق آپؑ پر میرا
سلام ہو۔“

ایک دوسری زیارت میں امام جعفر صادق علیہ السلام آپؑ کے بارے میں فرماتے ہیں:

أَشْهَدُ لَكَ بِالتَّسْلِيمِ وَالتَّضَلُّعِ
”یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ نے خدا اور رسولؐ و اہل بیتؑ کی تصدیق کی اور ان کے امر کے سامنے ہمیشہ سر تسلیم خم رکھا۔“

حضرت عباسؑ لغت اور اصطلاح ہر حوالے سے صدیق ہیں

حضرت ابوالفضل لغوی طور پر بھی صدیق ہیں کیوں کہ آپؑ نے ساری زندگی خدا و رسولؐ و امامؑ کی تصدیق کی۔ آپؑ کے عمل نے آپؑ کے قول کی تصدیق

کی۔ آپ صدقات و سخائی کی ابتغا پر فائز تھے۔ نیز اللہ کے کسی امر کی بجا آوری کرتے ہوئے کبھی کوئی ایسا شک آپ کے قلب میں پیدا نہیں ہوا جو عمل کے جذبے کو کمزور کرے اور سوچ میں الجھاؤ پیدا کرے۔

صدیق کا اصطلاحی مفہوم بھی آپ پر کاملاً منطبق ہوتا ہے۔ کیوں کہ آپ اللہ و رسول پر ایمان رکھنے والوں اور خدا و رسول کی اطاعت کرنے والوں کے لیے آئمہ طاہرین کے بعد افضل ترین نمونہ عمل ہیں۔ آپ صحابان اہل بیتؑ میں سر فرست اور ان کی اتباع کرنے والوں میں آگے نظر آتے ہیں کیوں کہ شیعہ وہ ہے جو حضرت امیر المومنین علیؑ اور آئمہ طاہرین کی اتباع و پیروی کرے کہ جن کو قرآن نے اہل بیت کے نام سے پکارا ہے اور ان کی اتباع اور ان کی ہدایت کی روشنی میں زندگی گزارنے کو لازم قرار دیا ہے۔

حضرت ابو الفضل العباسؑ نے ایمان و اطاعت کا حق ادا کیا ہے اور ایسا ہوتا بھی کیوں نہ؟ آپؑ نے ذاتی اور خدا داد کمالات کے ساتھ ساتھ امامین ہامین فرزدان رسول جناب حسین شریفین علیہم السلام کی آغوش میں اپنا بچپن گزارا اور ان کی گود سے عظیم اخلاقی و ملی تربیت حاصل کی تھی اور انہی کے احسان و تاکید کی بدولت انسانی بلندی اور اعلیٰ ترین اور فتح مند شہادت کے رُجے کو حاصل کیا، لہذا آپ لغوی و اصطلاحی معنی میں صدیق ہیں۔

جنہوں نے لقب صدیق اپنے لیے مخصوص کر لیا

دو شخصیات ایسی ہیں جنہوں نے صدیق کا لفظ اور اعزاز اپنے ناموں کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے: پہلی ہستی حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ ہیں کہ جنہیں رسول اللہؐ نے لقب صدیق عطا فرمایا۔

رسول اللہؐ کی حدیث ہے کہ ”صدیق تین ہیں: علی بن ابی طالبؑ، حبیب

الحجار اور مومن آل فرعون“۔ اور جیسا کہ خود جناب امیر علیہ السلام نے خطبہ الوسیلة میں فرمایا:

”بے شک میں ہی نباءِ عظیم اور صدیقِ اکبر ہوں۔“

اور دوسری عظیم ہستی حضرت ابوالفضل العباسؑ ہیں کہ جن کے صدیق ہونے

کی گواہی صادق آلِ محمدؐ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی زیارات میں دی ہے۔

.....●.....

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

اٹھائیسواں خصیصہ

لقب قادى (فدا ہونے والا)

حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام نے اپنے عم محترم حضرت
ابو الفضل العباسؑ کے متعلق فرمایا:

رَحِمَ اللَّهُ عَتَى الْعَبَّاسِ فَلَقَدْ اَثَرَ وَأَتْلَى وَفَدَى أَخَا
بِنَفْسِهِ

”اللہ تعالیٰ میرے چچا عباسؑ پر رحم فرمائے جنہوں نے میدان
جنگ میں کمال جرأت اور ایثار کا مظاہرہ کیا اور اپنے آپ کو
اپنے محترم بھائی پر قربان کر دیا۔“

امامؑ کا یہ کلام حضرتؑ کے قادى ہونے کو ثابت کرتا ہے اور قادى کا لغوی
معنی بھی یہی ہے کہ ”جو کسی ذات کے لیے اپنا مال، جان اور خون دے دے اور
اسے قتل و گرفتاری سے نجات دلائے، بالفاظ دیگر جو اپنا جان و مال تصدق کر کے
دوسرے کی زندگی خرید کرے اور اسے چار اطراف سے گھیرے ہوئے خطرات سے
چھڑالے۔“

عظیم قربانی

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے محبوب فرزند حضرت
اسحاقؑ کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کریں لیکن پھر حضرت ذبح کو بچا بھی لیا اور فرمایا:
وَقَدْ يَنْتَازِعُ بَيْنَهُمْ عَظِيمٌ۔

میون الاخبار میں مامن آمنہ حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت غلیلؑ کو اپنے بیٹے حضرت ذبح کی جگہ پر ایک گوسفند کو ذبح کرنے کا حکم دیا تو حضرت غلیلؑ نے تمنا کی کہ کاش میرا بیٹا ہی ذبح ہوتا اور گوسفند اس کا بدل قرار نہ دیا جاتا تا کہ میرے دل پر وہ کیفیت گزرتی جو اپنے عزیز ترین بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنے والے والد پر گزرتی ہے اور اس مصیبت کے عوض میں میں اہل ثواب کے ارفع درجات کا مستحق ٹھہرتا، تو اللہ کی طرف سے فوراً ان پر وحی نازل ہوئی کہ اے ابراہیم! میری مخلوق میں تمہارے نزدیک سب سے محبوب کون ہے؟

عرض کیا: پالنے والے امیری تمام مخلوقات سے زیادہ محبوب میرے نزدیک تیرا محبوب محمدؐ ہے۔

خدا نے فرمایا: اے غلیلؑ! میرے حبیبؑ سے زیادہ محبت کرتے ہو یا اپنے آپ سے؟

عرض کیا: پروردگار! حبیبؑ خدا مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔

اللہ نے فرمایا: میرے حبیبؑ کا بیٹا تجھے زیادہ محبوب ہے یا اپنا بیٹا؟

حضرت غلیلؑ نے عرض کیا: تیرے حبیبؑ کا بیٹا یقیناً مجھے زیادہ محبوب اور عزیز

ہے۔

پھر اللہ نے پوچھا: اے غلیلؑ! یہ بتاؤ کہ ان دو باتوں میں سے کون سی بات تمہارے لیے زیادہ درد آمیز ہے۔ تمہارے بیٹے کا تمہارے ہاتھوں ذبح ہو جانا یا میرے حبیبؑ کے بیٹے کا دشمنوں کے ہاتھوں مظلومی سے ذبح کر دیا جانا۔

حضرت غلیلؑ نے عرض کیا: پروردگار! یقیناً حبیبؑ خدا کے بیٹے کا مظلومیت کے ساتھ ذبح کر دیا جانا میرے دل پر زیادہ شاق ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے

ابراہیم! سنو! ایک گروہ ہوگا جو اپنے آپ کو امیر محمدیہ میں سے سمجھتا ہوگا لیکن میرے حبیب کے وصال کے بعد ان کے بیٹے حسین کو انتہائی ظلم و برہیت سے شہید کر دے گا، ایسے جیسے کہ کوسفند کو ذبح کیا جاتا ہے اور اس طرح وہ لوگ میرے غم سے اور عذاب کے مستوجب ٹھہریں گے۔

یہ سن کر حضرت ظیل نے دل پر ہاتھ دھر لیا اور زور زور سے آہ و بکا شروع کر دی۔ جب اس نبی نے امام حسین پر گریہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابراہیم! میں نے حسین پر تمہارا گریہ قبول کیا اور اس کے طفیل وہ گریہ بھی قبول کیا جس کی تم تمنا کر رہے تھے (اپنے بیٹے کے حقیقی طور پر ذبح ہو جانے کی صورت میں) اور میں نے تمہارے لیے اہل ثواب کے ارفع درجات لکھ دیے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَدَيْنَاهُ بِذَنبِهِ عَظِيمٍ

اس قصہ میں قادی (نذاکار) حضرت ظیل ہیں، قربانی وہ کوسفند ہے جسے حضرت جبریل جنت سے لائے اور مفیدی (جس پر تصدق ہوا) حضرت اسماعیل ہیں لیکن کربلا کے سانحہ میں قادی حضرت عباس ہیں۔ قربانی ان کا نفس زکیہ اور مقدس خون ہے اور مفیدی امام حسین ہیں۔ اس طرح حضرت عباس اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے اور اپنا خون نصرتِ امام میں بہا کر حیاتِ امام حسین کے خریدار بن گئے۔

سرکارِ وفا کی اپنے پدرِ بزرگوار سے مشابہت

حضرت ابو الفضل العباس جناب امیر سے مشابہت رکھتے ہیں کیوں کہ آپ نے اپنے نفس کو حضرت سید الشہداء پر ایسے ہی قربان کر دیا جیسے وہ ہجرت جناب امیر رسول اللہ کے بستر پر سو گئے تھے۔ جو اس رات بسترِ خواب نہیں بلکہ بسترِ موت تھا۔ شیخ طوسی نے اپنی کتاب المال میں امام زین العابدین کی سند سے روایت کی ہے کہ جب حضرت نے فرشتے رسول پر رات بسر کی تو آپ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُغْشِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ
 ”اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو اپنا نفس اللہ کی رضا چاہتے
 ہوئے چھپاتے ہیں۔“

اور ”شرح الآيات الباہرۃ“ اور اس جیسی دوسری کئی کتب تفسیر میں ذکر ہے
 کہ ”جب اللہ کے نبیؐ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا اور راتوں رات قار کی طرف نکل
 جانے کا پروگرام بنایا تو قرض ادا کرنے اور کفار کی امانتیں واپس کرنے کے لیے
 حضرت علیؑ کو وہیں چھوڑا اور یہ فرماتے ہوئے اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا:

اے علیؑ! میں آپ کو خبر دے رہا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کا ان
 کے ایمان اور دینی منزل کے اعتبار سے امتحان لیتا ہے۔ پس سب سے زیادہ جن کو
 اعلا و آزمائش میں ڈالا جاتا ہے وہ انبیاء ہیں پھر وہ جو ان کی حش ہوں اور اے
 میرے بھائی! اللہ کو تمہارا امتحان مقصود ہے اور حیرے امتحان کے ذریعے اس نے
 مجھے آزمایا ہے۔ جیسا کہ اس نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کا امتحان لیا۔
 پس اے میرے بھائی! تم مبر کرنا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت احسان کرنے والوں
 کے قریب ہے۔ پھر حضرتؑ نے جناب امیر علیہ السلام کو اپنے بیٹے کے ساتھ لگا لیا
 اور گریہ کیا اور جناب امیرؑ بھی فراق رسولؐ کے تصور سے بہت روئے۔ حضورؐ نے
 وصیتیں فرمائیں، مبر کی تلقین فرمائی۔ مغرب و عشا کی نماز پڑھنے کے بعد سخت تاریکی
 میں گھر سے نکلے جب کہ آپؐ کے گھر کے ارد گرد قریش گھات لگائے ہوئے بیٹھے
 تھے اور علیؑ فراش رسولؐ اللہ پر شہادت کے لیے تیار ہو کر سو گئے۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ
 نے حضرت جبرائیلؑ و میکائیلؑ کی طرف وحی فرمائی کہ اے میرے کز و بیہ! میں نے تم
 دونوں کو آپس میں بھائی بنایا ہے اور ایک کی عمر میں نے دوسرے سے زیادہ قرار دی
 ہے۔ تم میں سے کون ہے جو اپنی زندگی اپنے بھائی پر قربان کرنے کو تیار ہو۔ دونوں

نے اپنی زندگی کو اختیار کیا۔ اللہ نے فرمایا: تم علیؑ کی مثل کیوں نہ ہوئے۔ میں نے علیؑ و محمدؐ کے مابین مواخات قائم کی ہے۔ وہ دیکھو علیؑ اپنے نفس کو خدا کر کے اپنے بھائی کے فراش پر محو استراحت ہے۔ پس زمین پر اتر جاؤ اور اس کی حفاظت پر مامور ہو جاؤ۔ یہ سن کر دونوں اتر آئے۔ جبریلؑ ان کے سر کی جانب اور حضرت میکائیلؑ ان کے پاؤں کے پاس کھڑے ہو گئے۔ حضرت جبریلؑ کہہ رہے تھے:

بِأَمْرِ بَعَثَ مِنْ وَفْدِكَ يَا عَلِيُّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ يَا أَبَا هُوَ
الْمَلَكُوتُ

”مبارک ہو، مبارک ہو، اے علیؑ ابن ابی طالبؑ، آپ کی مثل کون ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے ملائکہ سے نفرد مہابت کر رہا ہے کہ اپنی مواخات بھی دیکھو اور معیار مواخات علیؑ بھی دیکھو۔“

اسی اثناء میں کہ جب حضورؐ مدینہ کی طرف محو سفر تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؑ کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ

قادی بزعیم نصاریٰ

سچوں کا یہ عقیدہ ہے حضرت عیسیٰ ابن مریم قادی ہیں کیوں کہ انھوں نے اپنے مقدس خون کو انسانیت و بشریت پر قربان کیا۔ پھر وہ اس سے نتیجہ یہ اخذ کرتے ہیں کہ اب ان کے تمام گناہان و مصیبات، جرائم و جثایات معاف ہو گئے ہیں کیوں کہ قتلِ مسیح بشر کی تمام خطا کاروں کا کفارہ بن گیا ہے، جب کہ عیسائیوں کا یہ زعم و عقیدہ چند وجوہات کی بنا پر درست نہیں ہے:

① اولاً: حضرت مسیحؑ کو نہ تو قتل کیا گیا اور نہ ہی صلیب پر لٹکایا گیا بلکہ انھیں

اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف (یعنی آسمانوں کی طرف) اٹھالیا، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:

وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ
اِخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ
الظُّلُمِ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۝ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ
عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ (سورہ نساء، آیہ ۱۵۷-۱۵۸)

”نہ تو ان لوگوں نے اسے قتل کیا اور نہ سولی دی مگر ان کے لیے (ایک دوسرا شخص عیسیٰ کے) مشابہ کر دیا گیا اور جو لوگ اس بارے میں اختلاف کرتے ہیں یقیناً وہ لوگ اس کے حالات کی طرف سے دھوکے میں (پڑے) ہیں ان کو اس واقعہ کی خبر ہی نہیں مگر فقط اٹھل کے پیچھے (پڑے) ہیں اور عیسیٰ کو ان لوگوں نے یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انھیں اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ تو بڑا زبردست حکمت والا ہے۔“

تفسیر مجمع البیان میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ و مریمؑ کی دعا سے ان لوگوں کے چروں کو مسخ کر دیا جو ان پر سب و شتم کرتے تھے تو یہ خبر اس الیہود یہود ایک پہنچی اور اسے خوف پیدا ہوا کہ کہیں عیسیٰ و مریمؑ میرے لیے بھی بددعا نہ کر دیں۔ لہذا اس نے قوم یہود کو جمع کیا اور سب حضرت مسیحؑ کے قتل کے منصوبے پر متفق ہو گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی حماقت اور مدد کے لیے حضرت جبرئیلؑ کو بھیجا اور یہ بات اللہ کے اس فرمان وَاَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُّسِ سے مستفاد ہے۔

پس یہودی حضرت عیسیٰ کے گرد جمع ہو گئے تاکہ انھیں قتل کر دیں لیکن حضرت

جبرئیلؑ نے انھیں اٹھا کر گھر کے اندر ایک کھڑکی میں داخل کیا جس کی چھت پر ایک روشن دان تھا۔ پھر اسی روشن دان سے نکال کر آسمان کی طرف اٹھالیا۔ یہودانے اپنے ایک ساتھی طیطانوس نامی کو بھیجا کہ وہ اس الماری یا کھڑکی میں داخل ہو کر حضرتؑ کو قتل کر دے۔ طیطانوس کو کچھ دیر لگ گئی تو انھوں نے سمجھا کہ اس نے حضرتؑ کو الماری کے اندر قتل کر دیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے طیطانوس کا چہرہ حضرتؑ سے مشابہ کر دیا۔ جب وہ باہر نکلا تو اس کے ساتھیوں نے اسے مسیح سمجھ کر قتل کر دیا اور سولی پر لٹکا دیا اور یہ بھی قول ہے کہ طیطانوس کا صرف چہرہ بدلتا تھا اس کا باقی جسم ویسا ہی رہا۔ اس لیے قوم یہود نے کہا کہ چہرہ تو عیسیٰؑ کا ہے لیکن جسد طیطانوس کا ہے۔ بعض نے یہ کہا کہ اگر یہ عیسیٰؑ ہے تو طیطانوس کہاں ہے اور اگر طیطانوس ہے تو پھر عیسیٰؑ کہاں ہے اور اس طرح ان پر معاملہ مشتبه ہو گیا اور جنھوں نے قتل کی ذمہ داری اٹھائی تھی اور منصوبہ بنایا تھا، خود ان پر واضح نہیں تھا کہ مصلوب و مقتول دراصل کون ہے۔ پس یہ ایسا عقیدہ ہے کہ جس کی بنیاد ہی حیران کن اور مشکوک ہے۔

ثانیاً: جب اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی ہے کہ عیسیٰؑ قتل نہیں ہوئے تو ان پر قادی کا لقب ہی صادق نہیں آتا۔

ثالثاً: مسیحیوں نے جو عقیدہ کفارہ گناہ کا گھڑ لیا ہے اس سے حضرت مسیحؑ کی شان میں نقص لازم آتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ ہدایت بشر کے اعلیٰ و رفیع مقام و عہدے پر فائز ہیں۔ نسل انسانی کو گناہ سے بچانے کے لیے آئے تھے نہ کہ تکفیر جرائم کی ضمانت سے جرائم کے احساس کو ختم کرنے کے لیے کہ جو چاہو کرتے پھر دو، دم عیسیٰؑ ہمارے گناہوں کا کفارہ بن چکا ہے۔

مسلمانوں کے نزدیک قادی

مسلمانوں کے ہاں قادی جناب امیر المومنین ہیں جنھوں نے اپنی جان

رسول اللہ پر غار ہونے کے لیے پیش کر دی۔ پھر ان کے بعد فرزند امیر المومنین حضرت ابو الفضل العباس ہیں جو اپنے بھائی امام عالی مقام امام حسینؑ پر فدا ہو گئے؟ اول الذکر قادی کی فداکاری اس لیے تھی کہ رسول اللہ کو اعدا کے نرغے سے نجات دلائی جائے تاکہ وہ دُعا و سلامت رہیں اور پہنچ رسالت خداوندی اور ہدایت بشری کر سکیں اور مؤخر الذکر قادی کی فداکاری فرزند رسول اللہ کی حفاظت کے لیے تھی۔

اس فرزند رسولؐ کی حفاظت کے لیے جو اللہ کے دین کو بچانے کے لیے اپنا سب کچھ لٹانے کا عزم لیے ہوئے تھے جنہوں نے اپنے جد بزرگوار کی مخلوق اور مشقتوں کی بھرپور محافظت کی جنہوں نے انسان کے سوئے ہوئے عقل و ضمیر کو بیدار کیا، ان کے شعور کی لو کو تیز کیا تاکہ انھیں خدا تک، اس کے دین حنیف اور صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی مل سکے۔ جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے زیارتِ امام حسینؑ کرتے ہوئے فرمایا:

وَبَكَدَ مُهْجَتَهُ فِينَكَ يَفْتَنُوقُدُ عِبَادَكَ مِنَ الْجَهْلَالَةِ
وَحَيْرَةِ الضَّلَالَةِ

”اور اے اللہ! امام حسینؑ نے حیرتی خاطر اپنی جان لٹا دی
تاکہ تیرے بندے جہالت اور گم راہی سے نجات پائیں۔“

موازنہ

ان دو قسم کی فداکاریوں میں بڑا واضح فرق ہے ایک یہ کہ اپنے مقدس خون کے ساتھ تمام انسانوں کے گناہوں کے لیے کفارہ بن جانا جیسا کہ عیسائی جناب مسیحؑ کے بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں۔

اور دوسری یہ کہ اپنی جان پر ہر طرح کے ظلم سہتے ہوئے جان جان آفرین

کے سپرد کر دینا صرف اس لیے کہ مغرور انسانوں کی اصلاح ہو، انھیں صراطِ قوم و مستقیم کی طرف ہدایت ملے۔ وہ جہالت و بے تہذیبی کے گھناؤپ اندھیروں سے نکل کر علم و ثقافت کے نور میں آجائیں اور باطل اور گم راہی سے چھٹکارا پا کر حق و ہدایت کی پناہ گاہ میں پناہ لیں۔ یہ وہ اعتقاد ہے جو مسلمان حضرت امیر المومنینؑ اور ان کے سہوت حضرت ابوالفضلؑ کے بارے میں رکھتے ہیں۔

عیسائیوں کا عقیدہ دراصل حضرت مسیحؑ کی بلند شان میں گراوٹ اور کمی کرنے کے مترادف ہے۔ بالفاظِ دیگر وہ فداکاری نہیں ہے بلکہ ظلم و جرم کی ترویج کرنا اور قبیحہ ظالمین و مذبذبین اور محصیت کاروں کی ہمت بڑھانا اور ان کے اعمالِ قبیحہ کو نیکی قرار دینا ہے کیوں کہ جس شخص کو معلوم ہو کہ اس کی زندگی بھر کی قہاحتوں اور خباثتوں کا کفارہ ادا ہو چکا ہے وہ یقیناً اپنے ظلم و جور کی انتہا کو پہنچے گا اور بدکاریوں میں غرق اور مُغرر رہے گا۔

جناب امیر المومنینؑ اور حضرت ابوالفضلؑ کی جاں نثاری ان کے عظیم مرجہ کے شایان بھی ہے اور اہل ایمان کے لیے ایک خصوصی مطالبہ بھی ہے۔ ان کی قربانی عدل و احسان اور فضیلت و احتمال کی ترویج بھی ہے اور وہ نیکوکاروں، وفا شعاروں اور جاں نثاروں کے لیے ہمت افزائی اور اعمالِ صالحہ بجالانے کی ترغیب بھی۔ کیوں کہ جو شخص اپنے امامؑ اور ان کے سہوت کی نصرت دین اور حق و ہدایت کے لیے اس فداکاری پر غور کرے گا یقیناً اس کے دل میں لوگوں کو علم و عدالت کی طرف ہدایت کرنے اور خیر و تقویٰ کی ترغیب دلانے کا جذبہ پیدا ہوگا۔



آپ ”ایثار گر“ ہیں

”ایثار“ ایک عظیم اخلاقی صفت ہے۔ ایثار کے معنی ہیں: اپنی ضروریات کو پس پشت ڈال کر دوسروں کو اپنے اوپر مقدم رکھنا اور دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینا۔ قرآن کریم میں ہے کہ جب برادرانِ یوسف نے اپنے بھائی کو پہچان لیا اور انھیں حقیقتِ حکومت پر جلوہ گن دیکھا تو انھوں نے حضرت یوسفؑ سے یہ کہا:

لَقَدْ آتَوْنَاكَ اللَّهُ عَلَيْنَا (یوسف، آیہ ۹۱)

”خدا نے آپ کو ہم پر فضیلت دی ہے۔“

اس آیت میں لفظ ”ایثار“ فعلیت کے معنی میں ہے۔

عربی زبان کا مقولہ ہے: آتَوْنَا عَلَيْنَا عَلٰی نَفْسِي ”میں نے فلاں کو اپنے اوپر ترجیح دی ہے۔“

لفظ ایثار کا متضاد ”استعار“ ہے۔ عربی زبان کا مقولہ ہے: اسْتَكَوَرْتُ بِالشَّيْءِ خَلِي خَلِيْدٌ، یعنی فلاں شخص نے اپنی ذات کو دوسروں پر ترجیح دیتے ہوئے فلاں چیز پر قبضہ کر لیا۔“

اگر ہم الفاظ دیں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ”ایثار“ دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر مقدم رکھنے کو کہا جاتا ہے اور اجتماع و معاشرہ میں اس صفت کی بڑی اہمیت ہے اور جس میں یہ صفت ہو اس سے لوگ محبت کرتے ہیں اور اس کے برعکس ”استعار“ اپنی ضروریات کو دوسروں پر مقدم رکھنے کا نام ہے اور یہ صفت سراسر خود پسندی اور کُحْظِ ذات کی مظہر ہوتی ہے۔

حُب ذات

حُب ذات خالصاً انانیت کی پیداوار ہے اور اسے مذموم صفات میں شمار کیا جاتا ہے اور یہ شدید قسم کی حُب نفس کا ثمر ہوتی ہے۔ حُب نفس مذموم بھی ہے اور مذموم بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص میں حُب ذات کا جو ہرودیت کیا ہے اور اس میں بھی بڑی مصلحت مضمر ہے۔ اگر ہر شخص میں حُب ذات کا عنصر موجود نہ ہوتا تو زمین کی آباد کاری مشکل تھی۔ علی ارتقا صنعتی ترقی اور جدید اختراعات کے پس پردہ بھی حُب ذات کا عنصر موجود ہوتا ہے اور یہی حُب ذات طلب آخرت کا ذریعہ بھی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ فطری طور پر ہر شخص اپنی ذات سے محبت کرتا ہے اسی لیے وہ اپنے لیے منفعت کو حاصل کرنا چاہتا ہے اور نقصان سے بچنا چاہتا ہے۔ جب یہ صفت ایک دین دار شخص میں آتی ہے تو وہ اس صفت کی وجہ سے جنت کو حاصل کرنے اور عذاب دوزخ سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

حُب ذات انسانی سعادت و ترقی کا جہاں زینہ ہے وہاں اس کا اعتدال سے نکل جانا بڑے بڑے نقصانات کا سبب بھی ہے۔ جب حُب ذات اعتدال سے باہر نکلتی ہے تو اس کے نتیجے میں انانیت اور اھکبار پھڑپھڑاتا ہے اور جب یہ اھکبار آخری سرحد پر پہنچ جائے تو پھر یہ فرعونیت کا روپ دھار کر آتا رہبکم الاعلیٰ (میں ہی تمہارا رب اعلیٰ ہوں) کا نعرہ بلند کرتا ہے۔

اسی اھکبار سے مدھوش ہو کر یزید نے یہ کہا تھا:

لَوِیْتُ هَاهُنَا بِالْمَلِكِ فَلَا وَحْيَ جَاءَهُ وَلَا خَبْرَ نَزَلَ

”میں ہاں نے حکومت کا ڈھونگ رچایا تھا ورنہ تو کوئی وحی

نازل ہوئی تھی ورنہ آسمان سے کوئی خبر اتری تھی۔“

عبادت، ذات اور انانیت روحانی گھٹن کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے اور عبادت

ذات میں منہمک شخص ریٹیم کے کیڑے کی طرح سے ہے جو اپنے آپ کو ریٹیم میں اتا پیٹ لیتا ہے کہ اس سے اس کا دم گھٹ جاتا ہے اور اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ عبادت، ذات اور صفت انانیت میں جلا شخص ایک ایسی لاش ہے جو محتاج کفن ہو۔ ایسا شخص خواہ اقتدار کے اعلیٰ ترین درجہ پر ہی کیوں نہ فائز ہو جائے پھر بھی روحانی طور پر وہ مردہ ہی رہتا ہے۔

زمانے کی تاریخ گواہی دیتی ہے کہ انا پرست لوگوں نے ہر دور میں انسانیت پر ظلم ڈھائے اور ان کی انانیت کی وجہ سے مثبت اقدار تباہ ہوئیں اور فضائل اور مکارم اخلاق معاشرہ سے رخصت ہوئے۔ جنگِ اُحد سے بھاگنے والوں کی نفسیاتی بیماری بھی یہی حُبِّ ذات تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَكَافَّةً قَدْ أَكْهَنَتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ (آل عمران، آیہ ۱۵۴)
 ”ایک گروہ ایسا تھا جنہیں اپنی جانیں بڑی عزیز تھیں۔“

انا پرست دین اور معاشرے کے لیے خطرہ ہیں

انانیت میں جلا افراد جب دین اسلام کے متعلق اپنے نظریات کو بیان کریں گے تو دین کی نصوص کو مسخ کر کے پیش کریں گے اور دین کے اصول کا حلیہ بدل دیں گے۔ وہ اپنے علاوہ تمام لوگوں کو دوزخ کا ایندھن قرار دیں گے اور خود کو عذابِ الہی سے محفوظ تصور کریں گے۔

ایسے افراد اپنی ذات کے خول میں ڈھکے ہوئے ہوتے ہیں اور اپنی ناک سے آگے کچھ دیکھنے کے عادی نہیں ہوتے۔ قرآن میں سے انہیں صرف اپنے من پسند مطالب سے سروکار ہوتا ہے اور انہیں اسلام کی صرف وہی تعبیر بھلی لگتی ہے جس سے ان کے مفادات کی تکمیل ہوتی رہے اور اگر دین سے ان کے مفادات پر ضرب لگتی ہو تو پھر انہیں دین سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

الغرض انا پرستی دین و دنیا کے لیے باصفا و بال ہے۔ جب تک اس مرض کا بچہن سے علاج نہ کیا جائے کوئی شخص اپنے آپ کو اس کے شعلوں سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔

والدین کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے بچے کی اس طرح سے تربیت کریں کہ وہ اپنے مفادات کے ساتھ ساتھ دوسروں کے مفادات کا بھی خیال رکھنے کے قابل بن سکے۔

اسلام اور ہادیان اسلام نے ہمیشہ یہ تعلیم دی ہے کہ انسان کو حُب ذات (فس پرستی) کے غول سے باہر آنا چاہیے اور اسے اپنے مفادات کے ساتھ ساتھ دوسروں کے مفادات کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔

نبی البلاغہ میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے نام ایک وصیت درج ہے جس میں آپؑ نے اپنے فرزند اور جہند کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

”پیارے فرزند! اپنی ذات کو اپنے اور دوسروں کے درمیان ترازو بنا لو۔ دوسروں کے لیے وہی کچھ پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو اور دوسروں کے لیے وہی کچھ ناپسند کرو جو تمہیں اپنے لیے ناپسند ہو۔ جس طرح سے تم خود ظلم کا نشانہ نہیں بننا چاہتے اسی طرح سے دوسروں کو اپنے ظلم کا نشانہ نہ بناؤ۔ تم اپنے لیے جس طرح کی بھلائی چاہتے ہو دوسروں سے بھی اسی طرح کی بھلائی کرو اور جو چیز تمہیں دوسروں کی طرف سے ناپسند محسوس ہو وہ اپنے لیے بھی ناپسند کرو۔ جس چیز کو اپنے لیے پسند کرتے ہو دوسروں کے لیے بھی اسے پسند کرو۔ اور

جس چیز کا علم نہ ہو وہ منہ سے نہ نکالو اور وہی کچھ کہو جسے تم جانتے ہو اور جو بات تم اپنے لیے سننا پسند نہیں کرتے وہ بات دوسروں کے لیے بھی پسند نہ کرو۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ایک حامل محمد بن ابوبکر کے نام ایک خط میں یہ الفاظ لکھے تھے:

”اپنی رعیت کے عام افراد کے لیے وہی کچھ پسند کرو جو تم اپنے لیے اور اپنے گھر والوں کے لیے پسند کرتے ہو اور جو چیز تمہیں اپنے اور اپنے گھر والوں کے لیے ناپسند ہو وہ دوسروں کے لیے بھی ناپسند کرو۔ اس سے حجت ثابت ہوتی ہے اور رعیت کی اصلاح ہوتی ہے۔“

اسلام نے لوگوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ وہ اتانیت (خود پرستی) سے پرہیز کریں اور احتمال کے حدود میں رہیں۔ اسلام نے اس سے بڑھ کر یہ پیغام دیا ہے کہ انسانوں کو ایثارگری سے کام لینا چاہیے اور دوسروں کو اپنی ذات پر مقدم رکھنا چاہیے۔

آنرہ معصومین علیہم السلام ایثار کے پیکر تھے اور ان ذوات طاہرہ کے بعد حضرت ابوالفضل العباس بن علی علیہ السلام ایثار کا مکمل نمونہ تھے۔

قرآن و حدیث میں ایثار کی ترغیب

ایثار اعلیٰ ترین اخلاقی صفت ہے اور یہ مکارم اخلاق اور بلند ترین آداب میں شامل ہے۔ اگر ایک شخص کسی کو ایسی چیز عطا کرتا ہے جس کی اسے ضرورت نہ ہو تو ایسا انسان قابل تعریف ہے اور اگر کوئی شخص خود ضرورت مند ہو اور اپنی ضرورت پر دوسروں کو مقدم رکھے تو ایسا شخص ”ایثارگر“ ہوتا ہے۔ ایثارگر ہونا ہر شخص کے بس

میں نہیں ہے۔ ایثار پیشہ افراد ہر زمانے میں نایاب ہوتے ہیں۔ قرآن وحدیث اور آئمہ ہدئی کے فرامین میں ایثار کی مدح کی گئی ہے اور اہل ایثار سے ثواب عظیم کا وعدہ کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَيُؤْتُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر: ۹)

”وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود

ضرورت مند ہوتے ہیں۔“

مہمان کے لیے ایثار

کتاب ”شرح آیات باہرہ“ میں اس آیت مجیدہ کی تفسیر میں مذکور ہے کہ ایک شخص رسول خدا کی خدمت میں آیا اور اس نے اپنی بھوک کا آپ سے شکوہ کیا۔ رسول خدا نے اپنی ازواج کی طرف پیغام بھیجا کہ اگر تمہارے پاس ایک مہمان کی غذا موجود ہو تو بھیج دو۔

تمام ازواج نے کہا: ہمارے گھر میں پانی کے علاوہ کچھ موجود نہیں ہے۔ اس وقت اس حضرت نے مسجد میں موجود حاضرین سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ہے جو اس شخص کو آج رات اپنے ہاں مہمان ٹھہرائے؟

حضرت علیؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اسے مہمان ٹھہراؤں گا۔

حضرت علیؓ مہمان کو اپنے ساتھ لے گئے اور آپؐ نے اپنی زوجہ دختر رسولؐ خدا سے پوچھا کہ کیا آپؐ کے پاس آج رات کھانے کے لیے کچھ ہے؟ بی بیؓ نے عرض کیا: میرے پاس میری ایک بچی کی غذا موجود ہے لیکن ہم اپنے مہمان کو اپنے اوپر ترجیح دیں گے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: بنت رسولؐ! آپؐ بچی کو سلا دیں اور چراغ بجھا دیں۔

حضرت علیؓ جیسے ہی مہمان کے پاس کھانا لے کر آئے تو بی بیؓ نے

چراغ بجھا دیا۔ آپؐ نے وہ کھانا مہمان کے سامنے رکھا اور خود منہ منہ کو ہلاتے رہے تاکہ مہمان سمجھے کہ میزبان بھی میرے ساتھ کھانے میں شریک ہے۔ آپؐ نے اس طعام میں سے کچھ نہ کھایا۔ مہمان سیر ہو گیا تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ صبح ہوئی تو امیر المومنین علیؑ علیہ السلام رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

آپؐ نے فرمایا: خدا نے مجھے تمہارے رات کے عمل کی خبر دی ہے اور اس نے تمہارے حق میں یہ آیت نازل کی ہے:

وَيُؤْتُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر: ۹)

”وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود ضرورت مند ہوتے ہیں۔“

جبریلؑ نے ایثار علیؑ کی خبر دی

”شرح آیات باہرہ“ میں مرقوم ہے: ایک مرتبہ حضرت علیؑ اور فاطمہؑ کے گھر میں فاقے تھے۔ خاتون جنت سلام اللہ علیہا نے اپنے شوہر سے کہا کہ آپؐ رسولؐ خدا کے پاس جائیں، وہ مدد کریں گے۔

حضرت علیؑ رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آں حضرتؑ نے انھیں ایک دینار دیا اور فرمایا کہ جاؤ اس سے اپنے خاندان کی غذا خریدو۔

حضرت علیؑ دینار لے کر چلے۔ راستے میں مقدادؑ سے ملاقات ہوئی۔ آپؐ نے مقدادؑ سے حال پوچھا تو اس نے کہا: گھر میں فاقہ ہے اور بچے کئی دنوں سے فاقے سے ہیں۔ میں بچوں کی یہ حالت نہیں دیکھ سکتا تھا اسی لیے گھر سے باہر آ گیا۔ حضرت علیؑ نے وہ دینار مقدادؑ کے حوالے کیا اور خود مسجد میں آکر لیٹ گئے۔ آپؐ کافی دیر تک مسجد میں لیٹے رہے، جب رسولؐ خدا مسجد میں تشریف لائے

تو انہیں حرکت دے کر فرمایا: تم نے کھانے کا کیا انتظام کیا ہے؟
حضرت علیؑ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں کھانے کی اشیا لینے کے لیے
بازار کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں مقدادؓ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے اپنے
فقروفاقہ کی حکایت کی تو میں نے وہ دینار اس کو دے دیا۔

رسول خداؐ نے فرمایا: جبرئیلؑ نے مجھے تمہارے اس عمل کی خبر دے دی ہے
اور اللہ نے تمہارے لیے یہ آیت نازل کی ہے:

وَيُؤْتُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر: ۹)

”وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود
ضرورت مند ہوتے ہیں۔“

اے علیؑ! تو اہل ایمان کا یعسوب ہے

شرح آیات باہرہ میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ
رسول خداؐ کے پاس کچھ مال اور کچھ کپڑے آئے۔ آپؐ نے وہاں پر موجود صحابہ میں
وہ سارے کپڑے اور مال تقسیم کر دیا یہاں تک کہ آپؐ کے پاس کچھ بھی باقی نہ بچا۔
اس کے بعد ایک غریب مہاجر صحابی آیا تو رسول خداؐ نے فرمایا: تم میں سے

کون ایسا ہے جو ایسا کرتے ہوئے اپنا حصہ اس غریب صحابی کو دے دے؟

حضرت علیؑ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اپنا حصہ دینے کو تیار ہوں چنانچہ
آپؐ نے اپنا حصہ اس غریب صحابی کو دے دیا۔ بعد ازاں رسول خداؐ نے فرمایا: اے
علیؑ! اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ہر نیکی میں سبقت کرنے والا بنایا ہے۔ خدا نے آپؐ کو سخی
بنایا ہے۔ آپؐ مومنین کے یعسوب ہیں، جب کہ مال و دولت ظالموں کی یعسوب
ہے اور ظالم وہ ہیں جو آپؐ سے حسد کرتے ہیں۔ وہ آپؐ کے خلاف زیادتی کریں
گے اور میرے بعد آپؐ کو آپؐ کے حق سے محروم رکھیں گے۔

اے علی! آپ کو بشارت ہو

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مقول ہے کہ ایک دن رسول خدا اپنے اصحاب کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں حضرت علیؑ مسجد میں تشریف لے آئے۔ آپؑ نے پٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

حضرت علیؑ رسول اکرمؐ کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ اس حضرتؑ نے انہیں دیکھا اور آپؑ نے وَيُؤَيِّدُونَنَا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ کی آیت مجیدہ تلاوت فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا: علیؑ! آپ تمام اثار پیشہ افراد کے امام اور سردار ہیں۔

پھر آپؑ نے فرمایا: تمہاری وہ خلعت کہاں لگی جو میں نے آپ کو دی تھی؟ حضرت علیؑ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کا ایک صحابی میرے پاس آیا تھا اور اس نے مجھ سے اپنی برہنگی کی شکایت کی۔ مجھے اس پر رحم آ گیا۔ میں نے آپؑ کی عطا کردہ خلعت اسے دے دی اور میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس سے بہتر خلعت پہنائے گا۔

رسول خداؐ نے فرمایا: اے علیؑ! آپؑ نے بالکل سچ کہا۔ میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور انہوں نے مجھ سے کہا: اللہ نے آپؑ کے لیے جنت میں استبرق کا لباس تیار کیا ہے جس میں یا قوت و زبرد کے موتی مرقع ہوئے ہیں۔ تمہارے رب کی مسانگی بہترین مسانگی ہے۔ تمہیں اس پٹے پرانے لباس پر صبر مبارک ہو۔

یہ سنا تو حضرت علیؑ علیہ السلام بے حد مسرور ہوئے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا: مفلس فحش کا صدقہ افضل ہے۔ کیا تو نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا:

وَيُؤْتُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

ایثار پسندوں کا رہبر

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علیؓ تمام کرم پیشہ افراد کے رہبر و امام ہیں۔ آئمہ معصومینؑ کے بعد حضرت ابوالفضل العباسؑ ایثار کا مکمل نمونہ تھے۔ آپؑ کے ایثار کی گواہی حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے ان الفاظ میں دی تھی:

رَحِمَ اللَّهُ عَنِي الْعَبَّاسَ فَلَقَدْ آثَرَ

”اللہ میرے چچا عباسؑ پر رحم کرے انھوں نے ایثار سے کام لیا تھا۔“

مقصد یہ ہے کہ کربلا میں حضرت امام حسینؑ خدا اور رسولؐ خدا کی نمائندگی کر رہے تھے اور حضرت عباسؑ نے خدا و رسولؐ کے نمائندہ پر اپنی جان و مال نچھاور کیا اور بھائیوں کو قربان کیا تھا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے حضرت عباسؑ علم دارؑ کی ایک زیارت منقول ہے اور اس زیارت میں آپؑ نے حضرت عباسؑ کو مخاطب کر کے یہ الفاظ کہے تھے:

أَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَالَفْتَ فِي النَّصِيحَةِ وَأَعْطَيْتَ غَايَةَ الْمَجْهُودِ

”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ نے آخری دم تک امام حسینؑ کی خیر خواہی کی اور اس کے لیے بھرپور کوششیں کیں۔“

مقصد یہ ہے کہ حضرت عباسؑ نے اللہ کے دین کے تحفظ اور اپنے امام زمانہؑ کی زندگی کی حفاظت کے لیے ہر امکائی کوشش کی۔

حضرت عباسؓ کے ایثار کے چند نمونے

جی ہاں، حضرت عباسؓ علم و اثار اپنی زندگی کے آغاز ہی سے ہر مقام پر امام مظلومؑ کے لیے ایثار کرتے رہے۔ آپؓ کی عادت تھی کہ جب تک حضرت امام حسینؑ علیہ السلام سے اجازت نہ لے لیتے اس وقت تک اُن کے سامنے نہیں بیٹھتے تھے۔ پھر اجازت مل جاتی تو آپؓ حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کے حضور اس طرح سے بیٹھتے تھے جس طرح سے غلام اپنے آقا کے سامنے بیٹھتا ہے۔

آپؓ نے پوری زندگی حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کو ”بھائی جان“ کہہ کر خطاب نہیں کیا تھا۔ آپؓ جب بھی حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کو مخاطب کرتے تو آپؓ انھیں یَا سَيِّدِی، یَا مَوْلَاہِی اور یَا بَنِ رَسُوْلِ اللہ کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ آپؓ نے پوری زندگی اپنے آپ کو حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کا غلام کہلایا۔ البتہ شہادت کے وقت حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کے اصرار پر انھیں ”بھائی جان“ کہہ کر پکارا تھا۔

آپؓ کی یہ عادت تھی کہ جب کبھی آپؓ کو کوئی اچھی چیز ملتی تو آپؓ اپنے آقا و مولاؑ کو اس پر مقدم رکھتے تھے۔ ایک بار آپؓ کو عمدہ انگوروں کا کچھا ملا تو آپؓ دوڑ کر دلہیز عصمت پر گئے۔ پوچھا گیا کہ آپؓ کیا چاہتے ہیں؟ آپؓ نے کہا کہ میں عمدہ انگوروں کا کچھا اپنے آقا و مولا حسینؑ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

یہ آپؓ کا ایثار ہی تھا کہ آپؓ نے اپنے آقا و مولاؑ کی حفاظت کے لیے مدینہ چھوڑا اور مدینہ سے لے کر مکہ تک امام مظلومؑ کی حفاظت کرتے رہے۔ پھر مکہ سے لے کر عراق تک ہر مشکل مقام پر اپنے امام کی حفاظت کا فریضہ بطریق احسن سرانجام دیتے رہے۔

یہ سفر کوئی آسان سفر نہ تھا۔ یہ سترق و دق صحراؤں کا سفر تھا اور دشمن ہر وقت گھات میں تھا۔ قدم قدم پر بنی اُمیہ کی دھمکیاں مل رہی تھیں اور بنی اُمیہ کے جاسوس ایک ایک لکھ کی رپورٹ دے رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سید العہد امام حسین علیہ السلام نے مدینہ چھوڑا تو آپؐ نے بطور استشہاد یہ آیت پڑھی:

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ (القصص، آیہ ۲۱)

”موسیٰ ڈرتا اور سہتا ہوا گھر سے نکلا۔“

ایثار کی بلند وبالا چوٹیاں

حضرت ابوالفضلؑ نے اپنی وفاداری کی وجہ سے ایثار کی بلند وبالا چوٹیوں پر قدم رکھا تھا اور اس کا مظاہرہ اس وقت ہوا جب امام مظلومؑ کا قافلہ کربلا پہنچا اور جوں جوں روزِ عاشور قریب آتا گیا حضرت عباسؑ کے جذبہ ایثار میں اتنا ہی اضافہ ہوتا گیا۔ جب بنی اُمیہ نے دریا پر پھرے لگائے اور قافلہ حبشی پر پانی بند کیا اور خیام میں الْعَطَشُ الْعَطَشُ کی صدائیں بلند ہوئیں تو حضرت عباسؑ نے اپنے حصے کا پانی امامؑ کے مصوم بچوں میں تقسیم کر دیا۔

آپؑ کا جذبہ ایثار اس وقت عروج پر دکھائی دیتا ہے جب عبداللہ بن ابی اُحکل بن حزام کا غلام کزمان کربلا پہنچا تو وہ ابن زیاد کی طرف سے حضرت عباسؑ اور ان کے بھائیوں کے لیے امان نامہ لکھوا کر آیا۔

واضح رہے کہ عبداللہ بن ابی اُحکل حضرت عباسؑ کی والدہ ماجدہ حضرت اُم البنینؑ کا بھتیجا تھا اور وہ کوفے میں ابن زیاد کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ میری پھوپھی کے بیٹے حضرت امام حسینؑ کے ساتھ کربلا میں موجود ہیں۔ میری خواہش ہے کہ وہ زندہ رہیں، لہذا تم ان کے لیے امان نامہ لکھ دو۔

ابن زیاد نے عبداللہ بن ابی اُحکل کی سفارش پر حضرت عباسؑ اور آپؑ کے

تین بھائیوں کے لیے امان نامہ لکھ دیا۔

عبداللہ بن ابی اُحبل نے وہ امان نامہ اپنے قلام ”کزمان“ کو دیا اور اسے ہدایت کی کہ تم کوفہ سے کربلا چلے جاؤ اور وہاں میری پھوپھی کے بیٹوں سے کہو کہ ان کے لیے امان نامہ موجود ہے اور انھیں چاہیے کہ حضرت امام حسینؑ کی رفاقت چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں۔ چنانچہ کزمان وہ امان نامہ لے کر کربلا آیا۔ اس نے وہ تحریر حضرت ابوالفضلؑ کے سامنے پیش کی اور کہا کہ آپؑ کے مادری رشتہ دار نے یہ امان نامہ بھجوایا ہے۔

اس کے جواب میں حضرت عباسؑ علمِ دارؑ نے فرمایا: ہمارے ماموں کو ہمارا سلام پہنچانا اور اس سے کہنا کہ ہمیں ابنِ زیاد کی امان کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ کی امان ابنِ سمیہ کی امان سے بہتر ہے۔

اسی ایثار کا مظاہرہ آپؑ نے اس وقت بھی کیا جب نو محرم الحرام کے دن شمر لعین کربلا پہنچا۔ وہ بھی حضرت عباسؑ اور آپؑ کے بھائیوں کے لیے امان نامہ لکھوا کر لایا تھا اور اس کے علاوہ لشکر کی سالاری اور مالِ دنیا کے لالچ کے وعدے بھی لکھوا لایا تھا۔ وہ آگے بڑھا اور مظلوم کربلا کے لشکر کے سامنے آیا اور آواز دے کر کہا: ہمارے بھانجے کہاں ہیں؟ عباسؑ اور اس کے بھائی کہاں ہیں؟

حضرت عباسؑ اور آپؑ کے بھائیوں نے اس سے منہ پھیر لیا اور جواب دینا پسند نہ کیا۔ حضرت امام حسینؑ علیہ السلام نے فرمایا: اگرچہ یہ فاسق ہے مگر بھی تم لوگ اسے جواب دو۔

حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کا فرمان سن کر چاروں بھائی اُٹھے اور اسے مخاطب کر کے کہا: شمر! تو کیا چاہتا ہے؟

شمر نے پُر فریب لہجے میں کہا: میرے بھانجوا تمہارے لیے میں امان لایا

ہوں اپنے آپ کو حسینؑ کے ساتھ ہلاکت میں مت ڈالو اور امیر المومنینؑ یزید کی اطاعت کے دائرے میں آ جاؤ۔

پھر اس لعین نے انھیں لالچ دیا اور کئی جھوٹے وعدے کیے۔ اس کے جواب میں حضرت عباسؑ نے پوری حکمت اور وقار سے فرمایا:

لَعْنَتُ اللّٰهَ وَلَعْنُ اَمَانَتِكَ اَلْتَّوَمُنُنَا وَاِبْنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَا اَمَانَ
لَهُ وَتَاْمُرُنَا اِنْ نَدْخُلُ فِي طَاعَةِ اللّعْنَاءِ وَاَوْلَادِ اللّعْنَاءِ؟
”تجھ پر اور تیری امان پر خدا کی لعنت ہو۔ تو ہمیں امان دیتا
ہے اور فرزند رسولؐ کے لیے کوئی امان نہیں ہے اور تو ہمیں
ملاہین اور نسل ملاہین کی اطاعت میں داخل ہونے کا مشورہ
دیتا ہے؟“

اس جواب سے شمر کو مایوسی ہوئی اور وہ سمجھ گیا کہ ان ہستیوں کو فریب کے جال میں پھنسانا ممکن نہیں ہے۔ اس کے بعد اس کو مزید کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی اور وہ واپس چلا گیا۔

عباسؑ اپنے دو بیٹوں پر امام کو ترجیح دیتے ہیں
فطرت کا تقاضا ہے کہ ہر شخص کو اولاد سے بے پناہ محبت ہوتی ہے۔ حدیث
شریف میں یہ الفاظ وارد ہیں: اولادنا اکبادنا ”ہماری اولاد ہمارا جگر ہے۔“
اسی مفہوم کو کسی شاعر نے ان الفاظ سے بیان کیا تھا:

اولادنا اکبادنا تمشي على الارض
”ہماری اولاد ہمارے جگر کے کٹڑے ہیں جو زمین پر چل رہے ہیں۔“
اولاد کی مصیبت کسی پر مردہ ماں اور باپ سے پوچھنی چاہیے۔ کائنات میں
سب سے بڑی مصیبت اولاد کی موت ہے۔ اگر کوئی دین دار باپ اپنی اولاد کو اللہ

کی راہ میں شہادت کے لیے بھیج دے اور اولاد شہید ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس باپ کو اجر عظیم عطا کیا جاتا ہے۔

حضرت عباس علم دار سے بڑا ایثار پیشہ انسان آج تک چشم فلک نے نہیں دیکھا۔ آپؑ نے اپنے آقا و مولاؐ پر اپنے دو بیٹے میدانِ کربلا میں قربان کیے جن کے نام محمدؑ اور عبداللہؑ تھے۔

لطف یہ ہے کہ آپؑ نے اپنے بیٹے اپنی زندگی ہی میں قربان کیے تھے۔ آپؑ کے ایثار کی اگر مثال ملتی ہے تو شہزادی نعب کبریٰ کے ہاں ملتی ہے۔ بی بی نے بھی اپنے دو بیٹے اپنے بھائی پر قربان کیے تھے جن کے نام عونؑ و محمدؑ تھے۔ بی بی نعبؑ کے صبر کا کمال یہ تھا کہ آپ بیٹوں کی قتل میں نہیں لگی تھیں اور نہ ہی آپؑ نے اپنے بیٹوں پر شکن کیے تھے اور نہ ہی آپؑ نے ان کا مرثیہ پڑھا۔ آپؑ نہیں چاہتی تھیں کہ بیٹوں کا مرثیہ پڑھ کر امام مظلومؑ پر احسان چڑھانے کا کوئی گمان ہو۔ شہزادی نعب کبریٰ نے حضرت زہراءؑ کا دودھ پیا تھا۔ اسی لیے انھوں نے صبر کیا۔ سلام ہو حضرت عباسؑ پر کہ انھوں نے بت زہراءؑ کی سنت پر حرف بحرف عمل کیا تھا اور بیٹوں کی موت کا زبان پر ذکر تک نہ لائے۔

عباسؑ اپنے بھائیوں پر امامؑ کو ترجیح دیتے ہیں

دعا کے کردگار حضرت عباسؑ کے ایثار کا اس بات سے پتا چلایا جاسکتا ہے کہ آپؑ نے امام حسینؑ پر اپنے تین پدری اور مادری بھائیوں کو قربان کیا تھا۔ جب آپؑ نے دیکھا کہ اصحاب شہید ہو چکے ہیں اور خاندانِ مصطفیٰؐ میں سے بہت سے افراد شہید ہو چکے ہیں تو آپؑ نے اپنے تینوں بھائیوں عبداللہؑ، جعفرؑ اور عثمانؑ سے فرمایا: فرزندِ ان یادِ را آگے بڑھو میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم اللہ اور رسولؐ کے وقار ہو۔

یہ کہا اور عبداللہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ سن میں آپؐ سے چھوٹے اور باقی دو بھائیوں سے بڑے تھے اور ان سے فرمایا: بھائی! آگے بڑھیں میں تمہیں راہِ خدا میں شہید دیکھنا چاہتا ہوں اور تمہاری موت پر جو ممبر کروں گا اس کا میں خدا سے بدلہ چاہوں گا۔ چنانچہ اولادِ اُمّ المہنینؑ میں سے حضرت عبداللہؑ پہلے شہید ہیں۔

اخبار الطوال کے مؤلف لکھتے ہیں: حضرت ابوالفضلؑ نے اپنے بھائیوں سے فرمایا: بھائی! میں تم پر قربان! آگے بڑھو اور اپنے آقا و مولاً کا دفاع کرو اور ان کے سامنے شہادت کا جام نوش کرو۔

اس فرمان کے بعد آپؐ کے بھائی میدان میں آئے اور سب کے سب عروسی شہادت سے ہم کنار ہوئے۔

حضرت عباسؑ نے اپنے رحیم و کریم والد سے شفقت میراث میں حاصل کی تھی۔ جب آپؐ نے اپنے بھائیوں کو تیروں، تلواروں میں گھرا ہوا دیکھا ہوگا تو نہ جانے آپؐ کے دل پر کیا گزری ہوگی تو خدا جائے جب بھائیوں کو خاک و خون میں قحطان دیکھا ہوگا تو اس وقت آپؐ کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ لیکن آپؐ نے دینی فریضہ کو اپنی اولاد اور اپنے بھائیوں پر ترجیح دی۔ اس وقت سب سے بڑا دینی فریضہ امام زمانہؑ کی حفاظت کا تھا اور اس فریضہ کے لیے آپؐ اپنے جان و مال، بھائیوں اور اولاد کو قربان کرنے پر تیار تھے۔

آپؐ جانتے تھے کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کو مومنین کی جانوں پر متصرف بنایا ہے اور رسولؐ خدا نے اپنے بارہ جانشینوں کو اہل ایمان کی جانوں پر حق تصرف دیا ہے۔ آپؐ کو معلوم تھا کہ جب امامؑ کا وجود خطرے میں ہو تو پھر امامؑ کے دفاع کے لیے جان و مال، اولاد اور بھائیوں کو قربان کر دینا چاہیے۔ چنانچہ آپؐ نے قرآن اور ایمان کے تقاضوں پر مکمل عمل کیا اور ہر چیز امام زمانہؑ پر قربان کر دی۔

عباسؑ کی زندگی کا آخری ایثار

جب آپؑ نے اپنے اصحاب و اہل بیتؑ کے لاشوں کو دیکھا تو آپؑ کا سینہ ٹگ ہو گیا اور آپؑ زندگی سے ٹگ آگئے اور آپؑ اپنے بھائی اور اپنے آقا و مولا حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے جنگ کی اجازت طلب کی اور دشمنوں سے انتقام لینے کی خواہش کا اظہار کیا۔

امام عالی مقامؑ نے آپؑ کو جنگ کی اجازت نہ دی اس کے بجائے آپؑ سے فرمایا: تم بچیں اور پردہ داروں کے لیے پانی لے آؤ۔

اس حساس موقع پر بھی حضرت عباسؑ نے پورے ایثار کا ثبوت دیا اور امامؑ کی رضا کو اپنی رضا پر مقدم رکھا۔ آپؑ نے دشمنانِ خدا سے جنگ پر پانی لانے کو ترجیح دی۔ اگر دشمن گھات لگا کر آپؑ پر حملہ آور نہ ہوتے تو آپؑ خیام آلِ محمدؑ تک پانی پہنچانے میں ضرور کامیاب ہو جاتے۔ دشمنوں نے چھپ کر وار کیا جس کی وجہ سے آپؑ کی شہادت واقع ہوئی اور آپؑ خیام تک پانی نہ لاسکے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے آپؑ کے ایثار و فداکاری کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

”رحم اللہ صلی العباس فلقد آثر و اہلی و فدی اخاه بنفسه
 ”اللہ میرے چچا عباسؑ پر رحم کرے، انھوں نے ایثار سے کام
 لیا اور آزمائشوں کا مقابلہ کیا اور بھائی پر اپنی جان نچھاور
 کر دی۔“

آپؐ ہم درد اور غم خوار ہیں

کسی شاعر نے کہا تھا:

احق الناس ان يبكي عليه فتى ابكى الحسين بكربلا
اخوه وابن والده علي ابو الفضل المفرج بالدماء
ومن واساه لا يثنيه شيء وجاد له علي ظمأ بماء

”انسان کا حق ہے کہ اس جوان پر گریہ کرے جس نے کربلا کے صحرا میں حسینؑ (اپنے غم میں) کو زلایا تھا۔ وہ امامؑ کے بھائی اور آپؐ کے والد کے فرزند ابو الفضلؑ ہیں جو خون میں غوطہ کھانے والے تھے۔ جس نے حضرت امام حسینؑ کی غم خواری کی تھی اور خود پیاسا ہو کر حرمِ حسیؑ کو پانی پلانے کی کوشش کی تھی۔“

(مؤلف نے یہاں کچھ عربی کے مرثیٰ نقل کیے ہیں جنہیں ہم بغرض اختصار

حذف کر رہے ہیں۔ من العرجم)

ہم دردی کا تمغہ

حضرت امام جعفر صادقؑ علیہ السلام سے حضرت عباسؑ کی زیارت منقول ہے جس میں آپؐ نے حضرت ابو الفضلؑ کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

اشهد لقد نصحت لله ولرسوله ولا خيلك فنعم الاخ المواسي

”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ نے اللہ اور اس کے رسولؐ اور

اپنے بھائی کی خیر خواہی کی تھی۔ آپؐ بہترین ہم درد اور
غم خوار بھائی تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے چچا کو ”ہم درد“ کے بہترین
تمغہ سے نوازا ہے۔ ”ہم درد“ کا بہترین تمغہ صرف حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام
نے ہی حضرت ابوالفضلؑ کو نہیں دیا تھا۔ امام ہادی علیہ السلام نے بھی اپنے چچا کو
دار کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنے چچا کو اس تمغہ سے نوازا تھا۔ چنانچہ امام
ہادیؑ کی جانب سے ۲۵۲ ہجری میں جو زیارت جاری ہوئی اس میں امام علیہ السلام
نے یہ الفاظ کہے:

السلام علی ابی الفضل العباس المواسی اخاہ بنفسہ
الآخذ لعداہ من اعداہ الواقی لہ الساعی الیہ بمائتہ
المقطوعة یداہ

”ابوالفضل العباسؑ پر سلام، جنھوں نے اپنی جان دے کر
اپنے بھائی سے ہم دردی کی تھی جس نے آنے والے کل کے
لیے گزشتہ دن سے زاوراہ حاصل کیا تھا اور جو اس کے محافظ
تھے۔ جنھوں نے امامؑ تک پانی پہنچانے کی کوشش کی تھی اور
اس کوشش میں ان کے بازو قلم ہوئے تھے۔“

دو معصوم آدمیؑ کی طرف سے حضرت عباسؑ کو ”ہم درد“ کا تمغہ عطا ہوا۔ اس
تمغہ کا ملنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تمغہ آپؑ کو خدا کی طرف سے ملا تھا اور یہ تمغہ دین
خداوندی اور معرفت امامؑ کے لیے حضرت عباسؑ کی گہری بصیرت پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت عباسؑ کو حضرت علیؑ نے ہم دردی کی وصیت کی تھی

حضرت علیؑ علیہ السلام نے اپنے فرزند ارجمند حضرت ابوالفضل العباسؑ کو

حضرت امام حسینؑ کی حفاظت کی وصیت کی تھی اور آپؑ نے اپنے والد ماجد علیہ السلام کی وصیت پر پورا پورا عمل کیا تھا۔ چنانچہ محالی اسلمین اور دیگر کتب تاریخ میں مذکور ہے: اکیس ماہ رمضان ۴۰ ہجری کی رات امیر المومنین حضرت علیؑ علیہ السلام کی زندگی کی آخری رات تھی۔ اس رات آپؑ نے اپنے تمام خاندان کو الوداع کیا اور انھیں وصیتیں کیں۔ اس دوران آپؑ اپنے فرزند ابوالفضلؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور انھیں اپنے قریب بلایا اور انھیں اپنے سینہ سے لگایا اور پھر فرمایا:

”بیارے فرزند عباسؑ! خیال رکھنا جب دسویں محرم کا دن آئے اور تم پانی میں داخل ہو جاؤ اور گھاٹ پر قبضہ کر لو تو اس وقت پانی کا ایک قطرہ تک نہ چٹا کیونکہ تمہارا بھائی اس وقت پیاسا ہوگا اور اگر تم نے میرے کہنے پر عمل کیا تو قیامت کے دن تمہاری وجہ سے میری آنکھوں کو خشک نصیب ہوگی۔“

حضرت عباسؑ نے روزِ عاشور اپنے والد کی وصیت پر حرف بہ حرف عمل کیا۔ جب آپؑ پانی لینے گئے اور گھاٹ پر قبضہ کر لیا اور پانی میں داخل ہوئے تو اس وقت آپؑ سخت پیاسے تھے لیکن آپؑ کو اپنے والد کی وصیت یاد تھی اور امامؑ کی پیاس کا خیال تھا۔ اسی لیے آپؑ نے چلو پانی کا بھر کر دوبارہ دریا میں ڈال دیا اور مٹک بھری اور خود پیاسے پانی سے مراد ہوئے۔

حضرت عباسؑ عقلیۃ القریش کا انتخاب تھے

حضرت علیؑ علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں حضرت عباسؑ کو حضرت امام حسینؑ کی ہم دردی ہی کی وصیت نہیں کی تھی۔ آپؑ نے انھیں اپنی صاحب زادی عقلیۃ القریش خلیفہؑ کر بلا کی ہم دردی کی بھی وصیت فرمائی تھی۔ جب اکیس ماہ رمضان کی رات ہوئی اور حضرت علیؑ نے اپنی شہادت کو جینی

سمجھ کر اپنی اولاد کو جمع کیا اور سب کو وصیتیں، نصیحتیں فرمائیں تو علمایان کرتے ہیں کہ اس اجتماع میں کربلا کی شیر دل خاتون حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا بھی موجود تھیں۔ آپؑ اپنے والد کے آخری لمحات کو دیکھ رہی تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ مستقبل میں پیش آنے والے کربلا کے واقعات کو بھی دیکھ رہی تھیں۔ چنانچہ بی بی آ کے بڑھپیں اور والد سے عرض کیا:

ابا جان! آپ دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں۔ میرے لیے میرے کسی بھائی کا انتخاب کریں جو دیکھ سکے کہ لہات میں میری غم گساری کرے اور سفر و حضر میں میری کفالت کرے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے پوری شفقت سے فرمایا: یہ سب تمہارے بھائی ہیں۔ ان میں سے آپؑ کسی ایک کا انتخاب کر لیں۔ آپؑ کے تمام بھائی آپؑ کے معیار پر پورا اتریں گے۔

شہزادی نے پوری بصیرت سے عرض کیا: بابا جان! حسنؑ و حسینؑ دونوں میرے امام ہیں اور یہ دونوں میرے سردار ہیں ان کی خدمت کرنا میرا فرض ہے۔ میں ہر جگہ ان سے ہم دردی کروں گی اور انہیں اپنی ذات پر مقدم رکھوں گی۔ مجھے تو ایک ایسا بھائی چاہیے جو میری خدمت اور میری غم گساری کرے اور میری حفاظت و کفالت کے فرائض سرانجام دے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ان میں سے آپؑ کسی بھائی کا انتخاب کریں۔

شہزادی نے تمام بھائیوں کو بڑے غور سے دیکھا۔ جب آپؑ کی نظر حضرت ابوالفضلؑ پر پڑی تو آپؑ کی نگاہ بھائی کے چہرے پر ٹک سی گئی اور اس وقت بی بی اپنے والد امیر المومنینؑ کی طرف متوجہ ہوئیں اور اپنے ہاتھ سے اپنے بھائی ابوالفضلؑ

کی طرف اشارہ کیا اور عرض کیا: بابا جان! مجھے یہ بھائی چاہیے۔
 اس وقت امیر المومنینؑ اپنے فرزند کی طرف متوجہ ہوئے اور انھیں قریب
 آنے کا اشارہ کیا۔ جب حضرت عباسؑ اپنے والد کے قریب گئے تو آپؑ نے
 شہزادی نعبہؑ کا ہاتھ پکڑ کر عباسؑ کے ہاتھوں پر رکھ دیا اور عباسؑ سے نے فرمایا:
 عباسؑ بیٹا! اپنی اس بہن کا خیال رکھنا یہ اپنی ماں فاطمہ زہراءؑ کی نشانی
 ہے۔ اس کی خدمت میں کوئی کوتاہی نہ کرنا اور اس کی حفاظت و نصرت میں کسی طرح
 کی کمزوری نہ دکھانا۔

یہ سنا تو عباسؑ کے آنسو چمک پڑے۔ ان کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا اور
 عرض کیا: بابا جان! میں آپؑ کی آنکھوں کو خشکا کروں گا اور میں آپؑ کے حسن
 ظن پر پورا اتروں گا۔ میں پوری زندگی اس کی حفاظت کروں گا اور اس کی حرمت
 اور حق کا خیال رکھوں گا۔

ممکن ہے کہ حضرت عباسؑ نے یہ عرض کیا ہو: بابا جان! آپؑ نے شہزادی کا
 ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھا ہے، وعدہ کرتا ہوں جب تک یہ ہاتھ سلامت رہیں گے میں
 ان کی حفاظت کرتا رہوں گا۔

حضرت عباسؑ کے ہاتھ پر شہزادی کا ہاتھ تھا۔ کافی دیر تک حضرت علیؑ اس منظر
 کو دیکھتے رہے اور مستقبل کے واقعات کو یاد کر کے روتے رہے۔ الغرض حضرت عباسؑ
 صرف امام حسینؑ ہی کے غم گسار نہ تھے، آپؑ اپنی بہن کے بھی غم گسار بھائی تھے۔
 آپؑ نے دریا میں اتر کر پانی نہ پیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپؑ کے سامنے امامؑ
 اور شہزادی کی پیاس تھی اور آپؑ نے اپنے والد کی وصیت کو بھی پورا کرنا تھا۔

ابو ذرؓ، رسولؐ اکرمؐ سے ہم دردی کرتے ہیں

تفسیر فی اور دیگر کتب میں غزوہ تبوک کے حالات کے ضمن میں مرقوم ہے:

غزوہ تبوک کے سفر کے دوران میں حضرت ابوذر ثین دن رسول خدا سے پیچھے رہ گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کا اُونٹ لاغر تھا۔ ایک جگہ اُونٹ تھک ہار کر بیٹھ گیا اور چلنے کا نام نہ لیا۔ جب ابوذر نے دیکھا کہ اب اُونٹ چلنے کے قابل نہیں ہے تو انھوں نے اُونٹ کو وہیں چھوڑا اور اپنا سامان سمیٹ کر کمر پر رکھا اور پیدل چل پڑے۔

الغرض تین دن گزر گئے۔ رسول خدا نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ صبح ہوئی اور دن چڑھا تو مسلمانوں نے دیکھا کہ ایک شخص دُور سے چلا آ رہا ہے۔

مسلمانوں نے کہا: یا رسول اللہ! دیکھیں اس صحرا میں ایک شخص اکیلا سفر کر رہا ہے۔

رسول خدا نے فرمایا: ابوذر ہوگا۔ آنے والا کچھ قریب ہوا تو سب نے دیکھا کہ وہ ابوذر تھے۔

لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! واقعی وہ ابوذر ہے۔

رسول خدا نے فرمایا: پانی لے کر اس کے پاس پہنچو وہ سخت پیاسا ہے۔ صحابہ پانی لے کر گئے اور ابوذر کو پانی پلایا۔

ابوذر رسول خدا کی خدمت میں آئے۔ ان کے پاس ایک برتن تھا جس میں پانی تھا۔ رسول خدا نے فرمایا: ابوذر! پانی تو موجود تھا پھر تم پیاسے کیوں رہے ہو؟

ابوذر نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان، دوران سفر میرا گزر ایک چٹان کے پاس سے ہوا جہاں بارش کا صاف اور میٹھا پانی موجود تھا۔ میں نے اسے چکھا تو وہ نہایت میٹھا تھا۔ میں نے اس پانی کو برتن میں بھر لیا اور اپنے دل میں عہد کیا کہ جب تک یہ پانی رسول خدا کو نہ پلا لوں گا تب تک اس میں سے خود نہیں پیوں گا۔

رسول خدا نے فرمایا: ابوذر! خدا تم پر رحم کرے میرے بعد میری اہل بیت

”سے محبت کے جرم میں تمہیں میرے حرم سے جلا وطن کر دیا جائے گا۔ تو اکیلا زندگی بسر کرے گا اور اکیلا مرے گا اور قیامت کے دن اکیلا مبعوث ہوگا اور اکیلا ہی جنت میں داخل ہوگا۔ کچھ عرائقوں کو تیرے غسل و کفن اور جنازہ و تدفین کی سعادت نصیب ہوگی۔ وہ لوگ اس جنتِ خالد میں میرے رفیق ہوں گے جس کا متعین سے وعدہ کیا گیا ہے۔

قارئین کرام! حضرت ابوذرؓ کی اس ہم دردی پر رسولؐ خدا نے اس کی یوں قدر دانی کی تھی اور اس کا شکریہ ادا کیا تھا اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ رسولؐ خدا نے ابوذرؓ کی جو قدر دانی کی تھی وہ خدا کی نیابت میں کی تھی کیونکہ رسولؐ اکرمؐ معصوم تھے اور آپؐ وحی کے بغیر کلام نہیں کرتے تھے۔

حضرت عباسؓ علم دارؓ نے اپنے امام زمانہؑ سے ابوذرؓ کی ہم دردی سے بھی کہیں زیادہ ہم دردی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس وقت رسولؐ خدا تو زندہ نہ تھے کہ حضرت عباسؓ کی قدر دانی کرتے۔ رسولؐ اکرمؓ کی نیابت میں ان کے چھپے جانشین حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے چچا کی قدر دانی کرتے ہوئے اپنی مشہور زیارت میں فرمایا:

السلام عليك ايها العبد الصالح العظيم لله ولرسوله ولا
امير المؤمنين اشهد واشهد الله انك مضيت على
ما مضى به البشريون والمجاهدون في سبيل الله
المناصحون له في جهاد اعدائه المبالفون في نصرة
اوليائه الثابتون عن احبائه فجزاك الله افضل الجزاء
واكثر الجزاء واوفر الجزاء واوفى جزاء احد من ولى
بيبعته واستجاب له دعوته وأطاع ولا أمره

”اے عبد صالح! آپؐ پر سلام، اللہ و رسولؐ اور امیر المومنینؑ کے اطاعت گزار آپؐ پر سلام۔ میں گواہی دیتا ہوں اور خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ آپؐ نے اسی راستے کا انتخاب کیا جس پر اہل بدر اور راہ خدا کے مجاہدین اور دشمنان خدا سے جہاد کرنے والے اور اولیائے الہی کی بھرپور مدد کرنے والے اور خدا کے پیاروں کا دفاع کرنے والے چلے تھے۔

اللہ آپؐ کو افضل، زیادہ، بھرپور اور مکمل جزا عطا کرے اور آپؐ کو ان لوگوں کی سی جزا عطا ہو جنہوں نے بیعت کے تقاضوں کو پورا کیا اور دعوت کو قبول کیا اور اولی الامر کی اطاعت کی۔“

امام علیؑ بن محمد الہادی کی زیارت کے یہ جملے ہم پہلے بھی نقل کر چکے ہیں۔ امام علیؑ نقی الہادی علیہ السلام نے آپؐ پر سلام کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے:

السلام علی ابی الفضل العباس المواسی اخاہ بنفسہ
”ابو الفضل العباسؑ پر سلام ہو جس نے اپنی جان قربان کر کے اپنے بھائی سے ہم دردی کی تھی۔“

میرا خیال ہے کہ صرف آئمہ ہدیٰ ہی نے حضرت عباسؑ کی قدردانی نہیں کی بلکہ رسولؐ خدا نے بھی آپؐ کی قدردانی کی ہوگی۔ کیونکہ رسولؐ خدا کا فرمان ہے:

حُسَيْنٌ مِنِّيْ وَ اَنَا مِنْ حُسَيْنٍ

”حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔“

اب حضرت ابو الفضل نے امام حسینؑ سے جو ہم دردی کی تھی وہ براہ راست رسولؐ خدا سے ہم دردی تھی۔ جب رسولؐ خدا نے ابوذرؓ کی ہم دردی پر اہل کی قدردانی کی اور اس کا شکر یہ ادا کیا تھا تو کیا آپؐ نے جنت کی نفاذوں میں حضرت

عباسؑ دُرّ کی اتنی عظیم ہم دردی کا شکر یہ ادا نہ کیا ہوگا؟

ہم دردی اور غم گساری بہترین عمل ہے

شیخ صدوق رضوان اللہ علیہ نے انفصال میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو مخاطب کر کے فرمایا: علیؑ! تین عادات تمام اعمال کی سردار ہیں:

① اپنی ذات سے لوگوں کو انصاف فراہم کرنا۔

② رضائے الہی کے لیے جسے بھائی بنایا ہو اس سے ہم دردی کرنا

③ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرنا

امامی طوسی میں ”حذاء“ سے متقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: کیا میں تمہیں سخت ترین الہی فریضہ سے آگاہ نہ کروں؟
(راوی) نے کہا: جی ہاں۔

آپؑ نے فرمایا: اپنی ذات سے لوگوں کو انصاف فراہم کرنا اور اپنے بھائی سے ہم دردی کرنا اور ہر مقام پر خدا کو یاد کرنا۔

میرا مقصد سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ کہنا نہیں ہے۔ اگرچہ یہ بھی ذکر خدا میں شامل ہے۔ اس کے بجائے ذکر خدا سے میرا مقصد یہ ہے کہ جب بھی تم کسی اطاعت یا معصیت کا ارادہ کرو تو اللہ کو یاد کرلو۔

”وقا“ اہل ایمان کی ایک علامت

عہد و وعدہ کو بھانا ایک اچھی اخلاقی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اہل ایمان کی صفات میں سے قرار دیا اور اس کی پابندی کرنے والوں کی مدح کی۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

وَ اذْخُرْ فِي الْكِتَابِ اِسْمُوْنَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ
 كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ (سورہ مریم، آیہ ۵۴)
 ”کتاب میں اسماعیل کا ذکر کریں وہ صادق الوعد تھا اور وہ رسول
 نبی تھا۔“

انخال میں ابوالک سے مقول ہے کہ میں نے امام زین العابدین علیہ السلام
 سے عرض کیا کہ مجھے دین کے تمام احکام سے باخبر فرمائیں۔

آپؑ نے فرمایا: حق بات کہنا، عدل پر جتنی فیصلہ کرنا اور عہد کو پورا کرنا ہی
 کامل دین ہے۔

انخال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مقول ہے کہ آپؑ نے
 فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں جن کے متعلق خدا نے کسی کو کوئی چھوٹ نہیں دی:

① والدین سے بھلائی فرض ہے خواہ والدین نیک ہوں یا بدکار ہوں۔

② عہد کی پابندی خواہ نیک انسان سے عہد کیا ہو یا بُرے انسان سے کیا ہو۔

③ امانت کی ادائیگی، امانت خواہ نیک انسان کی ہو یا بُرے انسان کی ہو۔

انخال میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے مقول ہے، آپؑ نے اپنے
 آباؤ طاہرینؑ کی سند سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے، آپؑ
 نے فرمایا: جس نے لوگوں سے معاملہ کیا اور ان پر ظلم نہ کیا اور لوگوں سے گفتگو کی اور ان
 سے جھوٹ نہ کہا اور لوگوں سے وعدہ کیا اور وعدہ خلافی نہ کی تو ایسے شخص کی مردانگی کامل
 ہے اور عدالت واضح ہے۔ اس کی اخوت واجب ہے اور اس کی فیبت حرام ہے۔

کشف الغمہ میں مرقوم ہے: حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
 فرمایا: مومنین سے کیا جانے والا وعدہ ایک ایسی نذر ہے جس کا کوئی کفارہ نہیں ہے۔
 کتاب مشکوٰۃ الانوار میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے مقول ہے، آپؑ

نے فرمایا: ہم رسول اکرمؐ کی طرح سے اپنے وعدہ کو اپنے لیے قرض کا درجہ دیتے ہیں۔
 آخر ہدیٰ کا سارا خاندان ہی وعدہ وفا کی کو اہمیت دیتا تھا اور حضرت
 ابو الفضل العباسؑ اسی گمراہی کے چشم و چراغ تھے۔ آپؑ بھی اپنے وعدہ کو اپنے
 لیے قرض کا درجہ دیتے تھے اور وعدہ وفا کی کو فرض سمجھتے تھے۔

ابو الفضل العباسؑ کی وفا

حضرت ابو الفضلؑ اپنے وعدہ کے کتنے پابند تھے، اس کا اندازہ ارہاب
 قتال کی اس روایت سے ہوتا ہے کہ جب حضرت ابو الفضلؑ شدید زخمی ہو کر گرے
 اور حضرت امام حسینؑ ان کے بالین پر تشریف لائے اور آپؑ نے چاہا کہ اپنے
 بھائی کو اپنے ساتھ خیام میں لے جائیں۔

حضرت ابو الفضلؑ نے امام حسینؑ علیہ السلام کو رسول خدا کا واسطہ دے کر کہا
 کہ آپ مجھے سیکھ رہے ہیں اور مجھے نیچے میں نہ لے جائیں۔ میں سیکھنے سے شرمندہ
 ہوں۔ میں اس سے پانی لانے کا وعدہ کر کے آیا تھا جسے میں پورا نہیں کر سکا۔

حضرت عباسؑ کے حلق یہ بات ثابت ہے کہ آپؑ نے اپنی پوری زندگی
 میں حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کو کبھی بھائی یا فرزند پر جیسے الفاظ سے مخاطب نہ کیا
 تھا۔ آپؑ امام حسینؑ علیہ السلام سے جب بھی گفتگو کرتے تو ہمیشہ یَا سَيِّدِی،
 یَا مَوْلَی اور یَا بَنَی رَسُولِ اللہ جیسے الفاظ کے ساتھ آپؑ کو مخاطب کرتے تھے۔
 آپؑ نے پوری زندگی میں امام حسینؑ علیہ السلام کو صرف ایک بار ”بھائی“
 کہہ کر پکارا تھا اور یہ جملہ آپؑ نے اس وقت کہا تھا جب آپؑ گھوڑے کی زین
 سے گر کر زمین پر آئے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ہندوستان کی ایک ملکہ نے کسی حاجت کے لیے حضرت
 ابو الفضلؑ سے توسل کیا اور اس نے یہ نذر مانی کہ اگر اس کا کام ہو گیا تو وہ حضرت

جہاں کے روضہ کے میناروں پر سونا چڑھائے گی۔

چنانچہ حضرت ابو الفضلؒ کی برکت سے اللہ نے اس کی مراد پوری کر دی۔ بعد ازاں ملکہ ہند اپنے ملک سے تدارا کرنے کے لیے روانہ ہوئی اور وہ اپنے ساتھ بہت سا سونا اور انجینئر اور کاریگر کو بھی لے کر آئی۔ جس صبح انھوں نے روضہ کے میناروں کی طلاکاری کرنا تھی اس رات روضہ عباسیہ کے خادم کو عالم خواب میں حضرت ابو الفضلؒ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپؒ نے روضہ کے خادم سے فرمایا: میں اس بات پر راضی نہیں ہوں کہ میرے میناروں کی طلاکاری کی جائے کیونکہ میرے آقا کے روضہ کے میناروں پر سونا لگا ہوا ہے اور میں اپنے میناروں پر سونے کے خول چڑھا کر آقا اور غلام کا فرق ختم نہیں کرنا چاہتا۔

صبح ہوئی تو ملکہ ہند اپنے ساتھ کاریگروں اور انجینئروں کو لے کر روضہ عباسیہ پر آئی۔ روضہ مبارک کا خادم آگے بڑھا اور اس نے ملکہ کو حضرت ابو الفضلؒ کا حکم سنایا۔ یہ سن کر ملکہ نے سونا چڑھانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور وہ سونا حضرت کے روضہ کے دوسرے کاموں کے لیے وقف کر دیا۔ چنانچہ آج تک روضہ حسینی اور روضہ عباس کے میناروں میں یہ فرق قائم ہے۔

حضرت عباسؒ نے صرف اپنی زندگی ہی میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا ادب نہیں کیا تھا بلکہ آپؒ کے ادب کا سلسلہ آج بھی باقی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپؒ شہید ہیں اور اللہ کے فرمان کے مطابق شہید زندہ ہوتے ہیں اور اپنے رب کی طرف سے رزق حاصل کرتے ہیں۔

حضرت ابو الفضلؒ کو خدا نے شہادت کا وہ درجہ عطا کیا ہے جس پر قیامت کے دن تمام شہدار رشک کریں گے۔ الغرض ملکہ ہند کا یہ قصہ ہو یا اس طرح کے اور واقعات ہوں ان سب سے حضرتؒ کی وفا چمکتی ہے۔

اکتیسواں خصیصہ

آپؐ حامی اور نحامی ہیں

حامی اور نحامی دونوں عربی زبان کے الفاظ ہیں۔ حامی اور نحامی اسے کہا جاتا ہے جو انسان سے اس کے دشمن کو دور کرے اور اس کا دفاع کرے۔

حضرت ابو الفضل العباسؑ اپنے آقا و مولا کے بہترین حامی و نحامی تھے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی ایک زیارت کے الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے آپ کو ”حامی و نحامی“ کے القاب سے یاد کیا تھا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے یہ جملے انتہائی لائق توجہ ہیں:

فنعم الصابر المجاهد ، المحامي الناصر والأخ الدافع
عن أخيه

”آپؑ بہترین صابر و مجاہد اور حامی و یاور ہیں اور اپنے بھائی کا دفاع کرنے والے بہترین بھائی ہیں۔“

سید جعفر طلی نے حضرت عباسؑ کا مرثیہ لکھا تھا۔ اس مرثیہ میں انھوں نے امام حسین علیہ السلام کی زبان حال سے یہ شعر بھی کہے تھے:

أخى من يحيى بنات محمد ان صرن يستر حمن من لا يرحم
ما خلت بعدك ان تشل سواعدي وتكف باصرتي وظهري يعقسم

”ہائے میرا بھیا! اب محمدؐ کی شہزادیوں کی حفاظت کون کرے

گا، اگر انھوں نے بے رحم لوگوں سے رحم طلب کیا۔ میں نے یہ

سوچا تک نہ تھا کہ آپؐ کے بعد میرے بازو شل ہو جائیں گے

اور میری نگاہ ختم ہو جائے گی اور میری کمر ٹوٹ جائے گی۔
کسی اور شاعر نے کہا تھا:

أولست تسمع ما تقول مسكيناً صباه يوم الأسر من يحميني؟
”جس دن سیکھنے قید ہو رہی تھیں اور آپ کو یاد کر کے کہتی ہیں
کہ چچا جان! اب میری حفاظت کون کرے گا؟ کیا آپ نے
سیکھنے کے یہ بین نہیں سنے؟“

حضرت عباسؓ اپنے آقا و مولا کے حامی و نحاس تھے۔ اس کا اقرار حضرت
امام جعفر صادق علیہ السلام کو بھی ہے اور تاریخ کے اوراق بھی اس حقیقت کے شاہد
ہیں اور ہر دور کے باخمیر ادباء اور شعرا نے بھی آپ کے اس کردار کو سراہا ہے۔ ذیل
میں ہم حضرت عباسؓ کی حفاظت کے چند واقعات نقل کرتے ہیں۔

حضرت عباسؓ ولید کے دروازے پر
حضرت عباسؓ علم دار نے اپنی مسلسل خدمت گزاری کی وجہ سے حضرت امام
حسین علیہ السلام کے دل میں خصوصی مقام بنا لیا تھا۔ حضرت امام حسینؓ ہر وقت
آپ پر بھروسہ کرتے تھے اور اس حقیقت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ جب
معاویہ بن ابی سفیان کی موت واقع ہوئی اور اس کے بعد یزید عالم اسلام کے
سیاہ و سفید کا مالک بنا تو اس نے حاکم مدینہ ولید بن حباب بن الاسود کو خط لکھا کہ
حسینؓ بن علیؓ سے میری بیعت لو اور اگر وہ بیعت سے انکار کرے تو اس کا سر قلم
کر کے میرے پاس بھیج دو۔

ولید نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس اپنا قاصد بھیجا۔ اس وقت
آپ نماز صلاہ سے فارغ ہو کر تعہیات میں مصروف تھے۔ قاصد نے آپؓ کو ولید کا
پیغام پہنچایا۔

آپؐ نے فرمایا: تم جاؤ، میں آ جاؤں گا۔ اس کے بعد آپؐ کمر تشریف لائے اور آپؐ نے اپنے خاندان کے تیس جوانوں کو تیار کیا۔ ان جوانوں کی سربراہی حضرت عباسؓ کر رہے تھے۔

حضرت امام حسینؑ نے تمام افراد سے کہا کہ اپنے ساتھ ہتھیار لے لو کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ ولید مجھے کسی ایسی بات کے لیے نہ کہے جس کو میں سرانجام دینا نہیں چاہتا۔ مجھے اس پر اطمینان نہیں ہے، لہذا تم میرے ساتھ چلو۔

الغرض، امام حسینؑ علیہ السلام بنی ہاشم کے جوانوں کو لے کر دارالامارہ آئے اور جب دروازے پر پہنچے تو آپؐ نے جوانوں سے فرمایا کہ تم یہاں دروازے پر رُک جاؤ۔ اگر میری آواز بلند ہو تو بے دریغ اندر آ جانا۔

آپؐ کے فرمان کے تحت بنی ہاشم کے جوان دارالامارہ کے دروازے پر رُک گئے اور آپؐ اکیلے اندر چلے گئے۔

ولید نے آپؐ کو مطالبہ کی موت کی خبر سنائی۔ پھر اس نے آپؐ سے یزید کے لیے بیعت کا مطالبہ کیا۔ آپؐ نے بیعت سے انکار کیا اور وہاں یہ کلمات ارشاد فرمائے:

إِنَّا أَهْلُ بَيْتِ النَّبِيِّ ، وَمَعِينُ الرِّسَالَةِ ، وَمُخْتَلَفُ
الْمَلَائِكَةِ . بِمَا فَتَمَ اللَّهُ وَيَنَالِيهِمْ ، وَيَرِيدُ رَجُلٌ شَارِبُ
الْخُمُورِ ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الْمُحَرَّمَةِ ، وَمُؤَلَّنٌ بِالْفُسْقِ ،
وَمُطْلَى لَا يُبَايِعُ مِثْلَهُ وَلَكِنْ لَصِيْبٌ وَتَصْبِيْحُونَ ، وَتَنْظَرُ
وَتَنْظُرُونَ أَيْنَا أَعْلَى بِالْخِلَافَةِ

”ہم اہل بیتؑ نبوت اور مہدیانہ رسالت اور ملائکہ کی آمد و رفت کا مقام ہیں۔ ہمارے ذریعہ سے خدا نے ابتداء کی اور ہمیں سے اہتمام کرے گا۔ یزید شرابی اور فسق محترم کا قاتل ہے

اور وہ علانیہ فتنہ و فحش کر رہا ہے۔ مجھ جیسا اس جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا۔ صبح ہوگی تم بھی سوچنا ہم بھی دیکھیں گے کہ ہم میں سے خلافت کا زیادہ حق دار کون ہے؟“

مروان بن الحکم وہاں دربار میں موجود تھا۔ اس نے ولید کو اشارہ کیا کہ امام حسینؑ کو گرفتار کر لو۔ اگر وہ بیعت کر لیں تو بھروسہ نہیں کر دو۔

ولید کی طرف سے بیعت کا اصرار بڑھا۔ امام حسین علیہ السلام نے ولید اور مروان سے بلند آواز میں گفتگو کی۔ جیسے ہی آپؑ کی آواز بلند ہوئی بنی ہاشم کے جوان بے دریغ تلواریں لیے ہوئے دارالامارہ میں داخل ہوئے اور انھوں نے امام حسینؑ کو اپنے حصار میں لے لیا اور آپؑ کو بغیر سلامتی گمر لے گئے۔ اس موقع پر حضرت عباسؑ ہاشمی جوانوں کی قیادت کر رہے تھے۔

شب عاشور اور حضرت عباسؑ

فردِ رسولؐ کو بلا میں وارد ہوئے۔ ہر طرف سے بنی امیہ کی فوجیں آنے لگیں یہاں تک کہ شب عاشور آگئی۔ یہ رات بھی حضرتؑ نے مانگ کر لی تھی۔ اس رات امام علیہ السلام نے اپنے تمام اصحاب کو جمع کیا اور آپؑ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”میرا خیال ہے کہ کل ان لوگوں سے ہماری جگہ ہوگی۔ میں نے تمہاری گردنوں سے بیعت کا قلابہ ہٹا لیا ہے۔ تم میں سے جو بھی جانا چاہے وہ جاسکتا ہے۔ رات چھائی ہوئی ہے اس سے فائدہ اٹھاؤ اور چلے جاؤ۔ اور اگر یوں جالنے پر آمادہ نہیں ہو تو تم میں سے ہر شخص میرے خاندان کے کسی مرد کا ہاتھ پکڑ لے اور چلا جائے۔ ان لوگوں کی عداوت صرف مجھ سے ہے۔“

ان لوگوں کو تم سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ خدا تمہیں جزائے
خیر دے، اپنے اپنے علاقوں اور شہروں کو چلے جاؤ۔“

حضرت امام حسین علیہ السلام کے اس خطبہ کے بعد سب سے پہلے وفا کے
کردگار حضرت عباسؓ علم دار کھڑے ہوئے۔ آپؓ نے اپنی وفا اور استقامت کا
اطلاع کیا اور آپؓ کے جواب سے حاضرین کو یہ سبق ملا کہ امامؓ کو کس طرح سے
جواب دینا چاہیے۔

حضرت عباسؓ نے عرض کیا: فرزند رسول! ہم ایسا کیوں کریں؟ کیا ہم اس
لیے آپؓ کو چھوڑیں کہ ہم آپؓ کے بعد زندہ رہیں گے؟ خدا ہمیں وہ دن بھی نہ
دکھائے۔

آپؓ کے جواب کے بعد باقی اصحاب نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو
بھی کم و بیش اسی طرح کا جواب دیا اور سب نے واپس جانے پر شہادت کو ترجیح
دی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب باوفا کے جذبات کی قدردانی
کرتے ہوئے یہ فرمایا:

اِنِّی لَا اَعْلَمُ اَصْحَابًا اَوْفٰی وَلَا خَیْرًا مِنْ اَصْحَابِیْ وَلَا اَهْلَ
بَیْتِ اَبِیْ وَلَا اَوْحَلَ مِنْ اَهْلِ بَیْتِیْ فَجَزَاکُمُ اللّٰهُ عَنِّیْ خَیْرًا
”خدا کی قسم! میں نے اپنے اصحاب سے بہتر اور زیادہ وفادار
کسی کے اصحاب کو نہیں دیکھا اور میں نے اپنے اہل بیتؓ سے
بڑھ کر بھلائی کرنے والا اور صلہ رحم کے تقاضوں کو پورا
کرنے والا کوئی خاندان نہیں دیکھا۔“

یہ اعزاز اور یہ بسالت کا تمغہ یقیناً حضرت ابو الفضلؓ کے سر پر ہے۔

روزہ عاشورا اور حضرت عباسؓ کی دلیری

معرکہ کربلا میں حضرت عباسؓ نے قائدانہ کردار ادا کیا۔ آپؓ نے پوری جرأت و بہالت سے اپنے امامؑ اور ان کے خاندان اور آپؓ کے اصحاب کا دفاع کیا تھا۔

لشکرِ حسینؑ کو ابو الفضل کی قیادت پر ناز تھا۔ تاریخ طبری میں مرقوم ہے: حملہ اولیٰ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے پچاس جاں نثار شہید ہوئے تھے۔ اس کے بعد لشکرِ امامؑ میں سے دو دو یا تین تین ساتھی لشکرگاہ سے نکلنے اور دشمنوں پر حملہ کرتے تھے۔ حملہ کا انداز یہ ہوتا تھا کہ ایک دشمنوں پر حملہ کرتا تھا اور دوسرا اپنے مجاہد کو دشمنوں کے وار سے بچاتا تھا۔ چنانچہ اسی پالیسی کی وجہ سے دو جابری بھائی میدان میں گئے اور دونوں نے جنگ کی یہاں تک کہ دونوں شہید ہو گئے۔

اسی طرح دو غفاری بھائی گئے۔ انھوں نے داؤد شجاعت دی۔ آخر کار شہید ہوئے۔ پھر خزرج بن یزید ریاحی اور زہیر بن القین نے مل کر لشکرِ اعدا پر حملہ کیا تھا۔ اس لڑائی میں حضرت خزرج شہید ہو گئے۔

الغرض، ایک وقت ایسا آیا جب عمرو بن خالد صیداوی اور ان کے غلام سعد اور جابر بن حارث سلمانی اور مجمع بن عبداللہ الحائذی نے مل کر میدان کارزار کا رخ کیا اور کوئی لشکر پر حملہ کیا۔ لشکرِ کوفہ چاروں طرف سے ان پر ٹوٹ پڑا جس کی وجہ سے حسینی مجاہدین دشمنوں کے زرخے میں پھنس گئے۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کو دشمنوں میں گھرا ہوا دیکھا تو آپؓ نے حضرت عباسؓ کو بھیجا اور ان سے فرمایا کہ انھیں دشمنوں کے گھیرے سے نکالو۔ آپؓ میدان میں آئے اور اس زور سے شمشیر زنی کی کہ کوئی لشکر بھاگ کھڑا ہوا اور یوں آپؓ نے اصحابِ حسینیؑ کو دشمنوں کے گھیرے سے باہر نکالا۔ اس وقت سب

مجاہدین شدید زخمی ہو چکے تھے۔

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام یہ سمجھتے تھے کہ اس داروگیر کے مرحلہ پر اگر میرے اصحاب کو کوئی چھڑا سکتا ہے تو وہ صرف عباسؑ ہے۔

اس واقعہ سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ امام علیہ السلام کو اپنے بھائی کی قوت بازو پر بہت ناز تھا۔

مذاکرات میں حضرت عباسؑ کی شرکت

حضرت امام حسین علیہ السلام امن و سلامتی کے داعی تھے۔ آپ خواہ مخواہ جگہ کرنے کے خواہش مند نہیں تھے اسی لیے آپؑ نے عرسد سے ملاقات کر کے اس پر اتمام حجت کا ارادہ کیا اور آپؑ نے اپنے ایک ساتھی عمرو بن قرظہ انصاری کو عرسد کے پاس بھیجا اور انھوں نے اسے آپؑ کا یہ پیغام دیا کہ آج رات دلوں لٹکروں کے درمیان آکر مجھ سے ملاقات کرو۔

چنانچہ رات ہوئی، عرسد بیس سواروں کے ساتھ چلا اور حضرت امام حسین علیہ السلام بھی بیس سواروں کو ساتھ لے کر مذکورہ مقام پر پہنچے۔

حضرت امام حسینؑ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ تم دور چلے جاؤ۔ میرے ساتھ صرف میرا بھائی عباسؑ اور فرزند علی اکبرؑ رہیں۔

یہ حکم سن کر آپؑ کے تمام ساتھی دور ہٹ گئے۔ عرسد نے اپنے محافظوں کو حکم دیا کہ وہ بھی دور چلے جائیں۔ یہاں صرف میرا بیٹا حفص اور قلام درید رہیں۔

جب خلوت میسر ہوئی تو امام علیہ السلام نے عرسد سے فرمایا: اپنی سدا تجھے خدا کے حضور پیش ہونا ہے کیا تو اس سے نہیں ڈرتا؟ تو جانتا ہے کہ میں کس کا فرزند ہوں اس کے باوجود بھی مجھ سے جگہ کرنا چاہتا ہے؟ تم ان لوگوں کو چھوڑ دو اور

میرے ساتھ الحاق کرلو۔ اس سے تجھے خدا کا قرب حاصل ہوگا۔
 عرسحہ نے کہا: اگر میں نے ایسا کیا تو ابن زیاد میرا گھر گرا دے گا۔
 حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: اس سے بہتر گھر میں تجھے بخوا کر دوں گا۔
 عرسحہ نے کہا: ابن زیاد میری جائیداد پر قبضہ کر لے گا۔
 حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: میں اپنے مال حجاز میں سے تجھے اس سے بہتر
 مال دوں گا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپؑ نے اس سے فرمایا: میں بھینچہ کی جاگیر تجھے
 دوں گا۔

واضح رہے کہ یہ ایک وسیع جاہلاد تھی۔ اس میں پانی سے لبریز چشمے تھے اور
 کھجوروں کے باغات اور شاداب کھیت تھے۔ معاویہ نے اپنے دور حکومت میں اس
 جاہلاد کو دس لاکھ دینار کے عوض خریدنا چاہا تھا لیکن حضرت امام حسینؑ نے قبول نہیں
 کیا تھا۔

جب عرسحہ کے پاس کوئی بہانہ باقی نہ بچا تو اس وقت اس نے اپنے
 اندرونی نفاق کا اظہار کیا۔ جس سے اس کا محبوب باطن واضح ہوتا تھا۔ اس نے کہا: کوفہ
 میں میرا خاندان ہے اگر میں نے آپؑ کا ساتھ دیا تو ابن زیاد ان پر ظلم کرے گا۔
 اس کے ان بہانوں سے آپؑ کو یقین ہو گیا کہ وہ اپنی گم راہی سے باز
 آنے والا نہیں ہے تو آپؑ نے اس سے فرمایا: خدا تجھے میرے بستر پر جلد قتل کرے
 اور روزِ حشر تیری مغفرت نہ کرے۔ خدا کی قسم! میں امید کرتا ہوں کہ تو زیادہ دیر تک
 عراق کی گندم نہیں کھا سکے گا۔

ابن سحر نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا: کوئی بات نہیں میں گندم کی بجائے
 پرگزارا کر لوں گا۔ چنانچہ اس لعین نے امام حسینؑ علیہ السلام کی پیش کش کو مسترد کر دیا

جس کی وجہ سے اسے دنیا و آخرت کی بدبختی حاصل ہوئی۔

علم و حفاظتِ عباس

جب روز عاشورا ہوا اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے مجاہدین اسلام کی صفیں درست کیں تو آپؑ نے اپنا پرچم حضرت عباسؑ کے سپرد کیا۔ چنانچہ علم دار ہونا آپؑ کی وہ خاصیت ہے جو کہ آپ کے علاوہ اہل بیتؑ اور اصحاب کے کسی بھی فرد کو نصیب نہیں ہوئی تھی۔

حضرت امام حسینؑ نے آپؑ کو اپنی فوج کا سالار اور علم دار اس لیے مقرر کیا تھا کہ آپؑ جانتے تھے کہ اس منصب کے اہل ان سے بڑھ کر اور کوئی نہیں ہے۔

جب صفیں درست ہوئیں اور علم اسلام حضرت ابوالفضلؑ کے ہاتھوں میں آ گیا تو امام حسین علیہ السلام نے اپنی سواری طلب کی۔ آپؑ اس پر سوار ہوئے اور لہکرِ یزید پر اتمامِ حجت کے لیے آپؑ نے بلند آواز سے خطاب کیا۔ آپؑ نے اتنی بلند آواز میں خطاب کیا جسے لہکرِ یزید کے ایک ایک شخص نے سنا۔ آپؑ نے فرمایا:

لوگو! میری باتوں کو غور سے سنو، جلد بازی نہ کرو۔ تمہیں وحظ و نصیحت کرنا میرا حق ہے اور میں تمہیں اپنی آمد کے مقاصد سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم نے میری دلیل کو مان لیا اور میری باتوں کی تصدیق کی اور تم نے مجھ سے انصاف کا رویہ اپنایا تو تمہیں اس سے سعادت نصیب ہوگی۔ اور اگر تم نے میری دلیل کو رد کر دیا اور مجھ سے منصفانہ رویہ اختیار نہ کیا تو پھر تم اپنے معاملات اور تمام شریک کار افراد کو جمع کر لو اور تمہارا معاملہ تم پر غلطی نہیں ہونا چاہیے اور تمہیں میرے خلاف جو بھی فیصلہ کرنا ہو کر دو اور مجھے مہلت نہ دو۔ میرا سر پرست وہ خدا ہے جس نے کتاب نازل کی اور وہ صالحین کو پسند کرتا ہے۔

جب اہل حرم نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے یہ جملے سنے تو ان کے

رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباسؓ اور حضرت علی اکبرؓ سے فرمایا: جاؤ اور انہیں خاموش کراؤ۔ ان کے رونے کے لیے بڑا وقت پڑا ہے۔ چنانچہ حضرت عباسؓ اور حضرت علی اکبرؓ خیام میں آئے اور تھراتھرات صمت کو خاموش رہنے کی تلقین کی۔

جب خیام سے رونے کی آوازیں رک گئیں تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے خطبہ دوبارہ جاری کیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے خاندان میں سے ہر کوئی افراد کا احاطہ اس لیے کیا تھا کہ آپ جانتے تھے کہ تھراتھرات صمت کو یقین تھا کہ جب تک یہ دو افراد زندہ ہیں اس وقت تک ہماری چادریں محفوظ رہیں گی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ تھراتھرات صمت کو عباسؓ کی وقا پر پورا بھروسہ ہے۔ کیا وجہ ہے جیسے ہی بیٹوں نے حضرت عباسؓ کو دیکھا تو انہیں تسکین حاصل ہوئی اور انہوں نے روتا چھوڑ دیا کہ کہیں دشمن ہمارے بھائی کو یہ طعنہ نہ دے کہ تمہاری پردہ دار بیجاں جوہر مبر سے خالی ہیں۔

کر بلا کے لیے ڈھنی آمادگی

روایات میں بیان کیا گیا ہے: ایک دن امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام مسجد نبویؐ میں بیٹھے لوگوں کو وعظ و نصیحت کر رہے تھے۔ اسے میں ایک اعرابی آیا۔ اس نے اپنی ناکہ کو مسجد سے باہر بٹھایا اور ایک صندوق اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوا۔ اس نے حاضرین کو سلام کیا اور امیر المومنینؑ کی طرف بڑھا اور آپؑ پر خصوصی سلام کر کے صندوق کو آپؑ کے سامنے رکھا۔ پھر اس نے حضرتؑ کے ہاتھوں کا بوسہ لیا اور کہا: امیر المومنینؑ! میں آپؑ کے لیے ہدیہ لایا ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: کیا چیز لائے ہو؟

اس نے کہا: میرا ہدیہ صندوق میں ہے۔ پھر اس نے صندوق کھولی۔ اس

میں ایک چیز بخوف شکل میں رکھی ہوئی تھی۔ اس نے اسے کھولا وہ ایک اعلیٰ درجہ کی تلوار تھی۔ اعرابی نے وہ تلوار حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی۔ امیر المومنینؑ نے اس سے تلوار لے لی اور اس شخص کا شکریہ ادا کیا۔

بعد ازاں آپؑ نے تلوار کو پکڑا اور اُلٹ پلٹ کر اسے دیکھنے لگے۔ پھر آپؑ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اس کا حق ادا کرے تو میں یہ تلوار اسے ہدیہ کروں؟

ابھی امیر المومنینؑ یہ بات کر رہے تھے کہ حضرت عباسؑ مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور ابھی آپؑ سن بلوغت کو نہیں پہنچے تھے۔ آپؑ نے آتے ہی عرض کیا: اباجان! آپؑ نے کیا فرمایا ہے؟

امیر المومنینؑ حضرت علی علیہ السلام نے وہ تلوار انھیں دکھائی۔ پھر میں نے یہ کہا ہے کہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اس تلوار کا حق ادا کرے تو میں یہ تلوار اسے ہدیہ کروں؟

حضرت عباسؑ نے عرض کیا: باباجان! اس تلوار کا حق کیا ہے؟
امیر المومنینؑ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اس کا حق یہ ہے کہ اس سے اپنے امام بھائی حسینؑ کی حفاظت کرو۔

یہ سنا تو آپؑ نے پورے جوش و جذبہ سے کہا: باباجان! میں اس تلوار کا حق ادا کروں گا۔

امیر المومنینؑ نے وہ تلوار حضرت عباسؑ کو دے کر فرمایا: واقعی تو اس کا حق ادا کر سکتا ہے۔ پھر آپؑ نے وہ تلوار حضرت عباسؑ کو حائل کرائی۔ اس تلوار کا ایک حصہ آپؑ کے وجود سے تھوڑا سا بڑا تھا، آپؑ نے اس حصہ کو کاٹ دیا۔ پھر جب عباسؑ تلوار حائل کر کے چلنے لگے تو امیر المومنینؑ اپنے بیٹے کو غور سے دیکھنے لگے۔

آپؐ اپنے بیٹے کو دیکھ رہے تھے اور آپؐ کی آنکھوں سے سیلابِ اٹک جاری تھا۔
 امیر المومنینؑ کے اصحاب نے عرض کیا: آپؐ روتے کیوں ہیں؟
 آپؐ نے فرمایا: میں گویا اس مہر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، جب
 میرا یہ بیٹا اپنے بھائی حسینؑ کے دفاع کے لیے میدان میں جائے گا تو دشمن اسے
 چاروں طرف سے گھیر لیں گے اور وہ اس کوار سے دائیں بائیں حملے کریں گے۔
 اس کے بازو کٹ جائیں گے اور اس کے سر پر فولادی گرز لگے گا اور یہ گھوڑے سے
 گر جائے گا۔ یہ کہا اور خود بھی روئے اور ساتھ والوں کو بھی رُلایا۔

-----●-----

بتیسواں خصوصیہ

حضرت ابوالفضلؑ ولایت کے پشت پناہ تھے

حضرت ابوالفضل العباسؑ حضرت امام حسینؑ کا قوت بازو اور ان کے لیے دور کر تھے اور آپؑ سے قبل آپؑ کے والد امیر المومنین علی علیہ السلام اور آپؑ کے دادا رسولؐ خدا کے دور بازو تھے۔

تاریخ بیان کرتی ہے اور فریقین کے علا روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ کے چچا حضرت ابوطالبؑ ساری زندگی آں حضرتؑ کے پشت پناہ رہے تھے اور انھوں نے قدم قدم پر آں حضرتؑ کی حمایت کی تھی۔ رسول اکرمؐ کو بھی اپنے چچا کی پشت پناہی پر مکمل اعتماد تھا۔ آپؑ حضرت الہی کے بعد اپنے شفیق چچا کی حمایت پر یقین رکھتے تھے۔

ابوطالبؑ، مددگار و غمخیز

جب مشرکین نے دیکھا کہ رسولؐ خدا دن رات تبلیغ دین میں مصروف رہتے ہیں اور ہر وقت توحید خداوندی کا پرچار کرتے رہتے ہیں تو انھیں یہ بات بُری محسوس ہوئی۔ انھوں نے دیکھا کہ آں حضرتؑ کی پشت پناہی پر حضرت ابوطالبؑ موجود ہیں اور وہ کسی کو بھی رسولؐ خدا کی بے ادبی کی اجازت دینے پر آمادہ نہیں ہیں۔ چنانچہ مکہ کے سرداروں نے ایک وفد بھیج دیا اور وہ حضرت ابوطالبؑ کے پاس آئے اور ان سے کہا:

ابوطالب! آپؑ کا بھتیجا ہمارے خداؤں کو بُرا بھلا کہتا ہے اور ہمارے دین

پر اعتراض کرتا ہے اور ہمارے بزرگوں کو احمق کہتا ہے۔ آپ اسے منع کریں۔ اگر باز آ جائے تو بہتر ورنہ آپ ہٹ جائیں پھر ہم جانیں اور یہ جانے۔

حضرت ابوطالبؑ نے انھیں محبت سے سمجھایا پھر آپؐ نے رسولؐ خدا کو اپنے ہاں بلایا۔ رسولؐ خدا تعریف لائے۔ اس وقت مکہ کے سب سردار بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ابوطالبؑ نے آں حضرتؐ سے کہا:

بیٹھے! یہ تیری قوم کے بزرگ اور سردار ہیں اور ان کا یہ مطالبہ ہے کہ آپؐ ان کے خداؤں کو نہ اہملا نہ کہیں اور اس کے عوض آپؐ اپنے خدا کی جس طرح سے چاہیں عبادت کرتے رہیں۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: کیا میں انھیں اس سے بہتر چیز کی دعوت نہ دوں؟

ابوطالبؑ نے کہا: آپؐ انھیں کس بہتری کی دعوت دیتے ہیں؟

آں حضرتؐ نے فرمایا: میں انھیں ایک جملہ کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر یہ اس کا اقرار کر لیں تو یہ عرب و عجم کے حاکم بن جائیں گے۔

ابو جہل نے فرمایا کہ جملہ بتائیں ہم ایک نہیں دس جملے بھی کہنے پر آمادہ ہیں۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: وہ صرف ایک جملہ ہے اور وہ ہے لا الہ الا اللہ۔

قریش مکہ نے یہ جواب سنا تو انھیں یہ بات ناگوار گزری اور کہا: اس کے علاوہ کوئی اور جملہ ہے تو ہمیں بتاؤ اس جملہ کا اقرار حکوم نہیں ہے۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: اگر تم میرے ہاتھ پر سورج بھی لا کر رکھ دو تو بھی میں تم سے اس جملہ کے علاوہ اور کسی بات کا مطالبہ نہیں کروں گا۔

آں حضرتؐ کے جواب سے قریش مایوس ہوئے اور اٹھ کر جانے لگے۔ اسی

وقت حضرت ابوطالبؑ نے سب کی موجودگی میں کہا:

بیٹھے! تمہیں جو حکم ملا ہے اس کی تبلیغ کرو۔ پھر آپؐ نے اشعار پڑھے:

واللہ لن یصلوا الیک بجمعہم حتی أوسد فی التراب دفینا
 قاصداً بأمرك ما علیک غضاضة وابشر وقر بذاک منك عیونا
 ودعوتی وعلمت انک ناصحی ولقد صدقت وکنت ثم امینا
 ولقد علمت بان دین محمد من خیر ادیان البریة دینا

”خدا کی قسم! جب تک میں قبر میں دفن نہ ہو جاؤں اس وقت تک یہ لوگ آپ تک نہ پہنچ سکیں گے۔ جو آپ کو حکم ملا ہے آپ اس کی تبلیغ کریں۔ آپ کو اس کے لیے کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔ آپ کو بشارت ہو اور آپ اس پیغام سے اپنی آنکھوں کو شفا کریں۔ آپ نے مجھے دعوت دی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ میرے خیر خواہ ہیں۔ آپ نے ہمیشہ سچ کہا ہے اور آپ ہمیشہ سے امن رہے ہیں۔ میں نے جان لیا ہے کہ محمدؐ کا دین کائنات کے تمام ادیان سے بہتر ہے۔“

چنانچہ حضرت ابوطالبؓ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور جب تک آپؐ زندہ رہے کسی شرک کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ آپ کو لعنت دے۔ پھر جب حضرت ابوطالبؓ کی آنکھیں بند ہوئیں تو حیرت انگیز طور پر نازل ہوئے اور کہا کہ لب مکہ میں آپؐ کا کوئی مدکار باقی نہیں رہا، لہذا اب آپؐ کے لیے مکہ میں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے۔

ابوطالبؓ کی جرأت

قریش کے سردار دوسری بار حضرت ابوطالبؓ کے پاس آئے اور انھوں نے ان سے کہا: ابوطالبؓ! آپؐ قدر و منزلت رکھنے والے انسان ہیں۔ ہمیں آپؐ کے نیچے سے شکوہ ہے لیکن آپؐ نے اسے روکا نہیں۔ اب ہم زیادہ دیر تک صبر نہیں کر سکتے۔ آپؐ کا بھتیجا ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہے اور ہمارے بزرگوں کی

توہین کرتا ہے۔ ہمارے عقائد کا مذاق اڑاتا ہے۔ آپؐ اسے منع کریں ورنہ آپؐ بھی پیچھے کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ جب تک ہم میں سے ایک فریق ہلاک نہ ہوگا اس وقت تک چین نہ آئے گا۔

جب حضرت ابوطالبؑ نے لوگوں کی یہ دھمکیاں سنیں تو آپؐ نے رسولؐ خدا کو بلایا اور ان سے کہا: پیچھے! قوم کے سردار جمع ہو کر آئے ہیں اور انھوں نے مجھ سے ایسی ایسی باتیں کی ہیں۔ آپؐ کی کیا رائے ہے؟

رسولؐ خدا نے پورے عزم و ہمت سے جواب دیا: چلچا جان! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج رکھ دیں اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں پھر بھی میں دین خداوندی کی تبلیغ سے باز نہیں آؤں گا۔ خدا اس دین کو غلبہ دے گا یا اس راستے میں میں اپنی جان قربان کر دوں گا۔ یہ کہا اور آپؐ کی آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے اور آپؐ رونے لگے۔ پھر آپؐ اُٹھے۔ حضرت ابوطالبؑ نے آپؐ کو واپس بلایا۔ جب آپؐ آئے تو حضرت ابوطالبؑ نے آپؐ کو تسلی دی اور کہا: آپؐ جو چاہیں کہیں میں آپؐ کو کسی دشمن کے حوالے نہیں کروں گا۔

حضرت ابوطالبؑ نے اپنا وعدہ بچ کر دکھایا۔ آپؐ نے رسولؐ خدا کو کسی دشمن کے حوالے نہ کیا اور حضرت ابوطالبؑ کے خوف سے کسی مشرک کو یہ جرات نہ ہوئی کہ وہ آں حضرتؐ پر قاتلانہ حملہ کرتا یا آپؐ کو تبلیغ سے باز رکھتا۔

امیر المومنینؑ، رسالت مآبؐ کے پشت پناہ

والد کی زندگی اور ان کی وفات کے بعد امیر المومنین حضرت علیؑ علیہ السلام نے اپنے والد کی سیرت کو اپنایا۔ جس طرح سے ابوطالبؑ رسولؐ خدا کے مددگار تھے، امیر المومنینؑ بھی اپنے والد کی طرح سے پیغمبرِ اعظمؐ کے مددگار تھے۔

امیر المومنین علیؑ نے رسولؐ خدا کی آغوش میں پرورش پائی تھی۔ آپؐ نے

آں حضرتؑ سے اخلاقی مالہ اور حسن اعمال کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اعلان نبوت کے بعد آپؑ رسولؑ خدا کے شاگرد تھے۔ آپؑ اہل المؤمنین اور مسلم اہل تھے۔ آپؑ نے ہر مقام پر رسولؑ خدا کی تصدیق کی اور قدم قدم پر آں حضرتؑ کی نصرت کی۔ آپؑ سامنے کی طرح سے رسولؑ خدا کے ساتھ رہے تھے اور آپؑ آں حضرتؑ کے پیچھے یوں چلا کرتے تھے جیسا کہ اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے چلتا ہے۔ آپؑ نور و حق کا مشاہدہ کرتے تھے اور ملائکہ کے پروں کی سرسراہٹ سنتے تھے۔ نزول وحی کے وقت جب شیطان نے جج ماری تھی تو آپؑ نے حرام میں وہ جج بھی سنی تھی۔ آپؑ نبوت کی خوش بوسنگھا کرتے تھے۔ رسولؑ خدا نے آپؑ سے فرمایا تھا: جو کچھ میں سنتا ہوں تو بھی سنتا ہے اور جو کچھ میں دیکھتا ہوں تو بھی دیکھتا ہے، البتہ فرق یہی ہے کہ تو نبی نہیں ہے تو وزیر ہے اور نیکی پر ہے۔

اسلام اور رسولؑ اسلام کے قحط کے لیے امیر المؤمنینؑ نے جو کچھ کیا اس سے دنیا کی تاریکیں بھری ہوئی ہیں۔ آپؑ نے قدم قدم پر اسلام اور رسولؑ اسلام کا دفاع کیا تھا۔ یم الدار ہو یا یم اللاندرہ، شہد جہت ہو یا بدر و احد، احزاب و خیبر کا میدان ہو، آپؑ نے ہر جگہ اپنی بے مثال جرأت سے اسلام کا قحط کیا۔ سورۃ برأت کی تبلیغ کا مشکل مرحلہ ہو یا مہللہ کا دن ہو، ہر جگہ آپؑ نے اپنی عظمت کے پرچم لہرائے۔ قدرِ غم کا اعلان آپؑ کی خدمات کا صلہ ہے۔

الغرض حضرتؑ ملی نے ہر مقام پر قربانی اور ایثار کی لازوال داستانیں رقم کی تھیں۔ اگر آپؑ کی نصرت شامل نہ ہوتی تو نبوت و رسالت کے آثار مٹ جاتے اور آج دنیا میں کہیں بھی اسلام کا نام و نشان باقی نہ رہتا۔

حضرت عباسؑ اپنے والد کے نقش قدم پر

حضرت علیؑ علیہ السلام اپنے عظیم والد حضرت ابوطالبؑ کے نقش قدم پر چلے

تھے اور حضرت عباسؓ اپنے عظیم والد علی علیہ السلام کے قلبی قدم پر چلے رہے تھے۔ آپؓ نے اپنے والد کی سیرت کی پیروی کی تھی اور جس طرح سے حضرت علیؓ نے رسولؐ خدا کی مدد کی تھی اسی طرح سے حضرت ابوالفضلؓ نے حضرت امام حسینؓ علیہ السلام کی مدد کی۔ آخر ایسا کیوں نہ ہو آپؓ امیر المومنینؓ کے فرزند تھے اور آپؓ کی والدہ ماجدہ عرب کے مشہور بہادر قبیلہ کی بیٹی تھیں۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے اپنے بھائی عقیلؓ سے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ عرب کے کسی بہادر خاندان میں میرا رشتہ کرادو۔ میری خواہش ہے کہ بہادر خاندان کی بیٹی کے ہاتھ سے خدا مجھے بخیر اور دلیر فرزند عطا کرے جو میرے حسینؓ کا دروکر اور قوت بازو بن سکے۔

حضرت عقیلؓ نے فاطمہ بنت حزام وحیدہ کلابیہ سے رشتہ کا مشورہ دیا تھا۔ حضرت عباسؓ کی والدہ کی کنیت ام المہین تھی۔ امیر المومنینؓ نے اس بی بی سے شادی کی۔ خدا نے بی بی کو چار بیٹوں کی ماں بنایا۔ سب سے بڑا بیٹا عباس بن امیر المومنینؓ تھا۔

امیر المومنینؓ نے اپنے فرزند کا نام ”عباس“ رکھا اور عربی زبان میں عباس اس شیر کو کہا جاتا ہے جسے دیکھ کر دوسرے شیر ہماگ کھڑے ہوں۔

امیر المومنینؓ نے اپنے بیٹے کا یہ نام اس لیے رکھا کہ انھیں ہر وقت اپنے نام کا احساس رہے اور وہ اسم ہاشمی ہوں اور ہر مقام پر اپنے بھائی امام حسینؓ کی نصرت پر کمر بستہ رہیں بالخصوص کربلا میں امام حسینؓ کے وفادار رہیں۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنینؓ کو اپنے بیٹے امام حسینؓ کی ہمیشہ فکر رہتی تھی اور ام المہین سے شادی بھی آپؓ نے اسی مقصد کے لیے کی تھی۔ حضرت علیؓ کی نظر میں عباسؓ کی پیدائش کا مقصد ہی امام حسینؓ کی محافظت تھا۔

چنانچہ امیر المومنینؑ نے اپنے اس فرزند کو خصوصی طور پر آداب حرب و ضرب کی تعلیم دی تھی تاکہ وہ وقت آنے پر امام حسینؑ کے مددگار ثابت ہوں۔

امیر المومنینؑ نے اپنے اس فرزند کی تربیت کچھ اس انداز سے کی کہ وہ حضرت امام حسینؑ کے قوت بازو اور زور کمر ثابت ہو سکیں اور دنیاوی لالچ میں آکر بھائی کی مدد سے دست کش نہ ہوں۔

حضرت ابوالفضلؑ کائنات کے عظیم استاد کے عظیم القدر شاگرد تھے۔ حضرت علیؑ چاہتے تھے کہ جس طرح سے میں نے پوری زندگی رسول خداؐ سے وفا کی تھی میرا یہ بیٹا بھی میرے نقش قدم پر چلتے ہوئے پوری زندگی حسینؑ کا وفادار رہے۔

وفا کا معلم بے مثال تھا اور اس کا شاگرد بے نظیر تھا۔ باپ کی تعلیمات کا اثر تھا کہ حضرت عباسؑ نے بچپن سے لے کر بتیس برس تک کی عمر تک امام حسینؑ سے ایسی وفا کی کہ آج جب بھی لفظ وفالہوں پر آتا ہے تو سب سے پہلے حضرت عباسؑ کا تصور ذہنوں میں آتا ہے۔ جس طرح سے حضرت علیؑ نبوت کے زور بازو اور زور کمر تھے، اسی طرح حضرت عباسؑ امامت کے زور بازو اور زور کمر تھے۔

زہیرؒ حضرت عباسؑ کو جوش دلاتے ہیں

شرعین کا تعلق اسی قبیلہ سے تھا جس سے حضرت عباسؑ کی والدہ کا تعلق تھا۔ وہ لعین سمجھتا تھا کہ حضرت عباسؑ لالچ میں آکر اپنے امامؑ کو چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ جب وہ بد بخت کوفہ سے روانہ ہوا تو اس نے امن زیاد سے حضرت عباسؑ اور اس کے بھائیوں کے لیے امان نامہ لکھوایا۔

اس بد بخت کا خیال تھا کہ عباسؑ دنیا کے مناصب کے لالچ میں آکر زور پر تاریکی کو اور حق پر باطل کو اور ہدایت پر گم راہی کو ترجیح دیں گے۔ لیکن اس کے تمام خواب اس وقت چٹکا چور ہوئے جب اس نے حضرت عباسؑ کو امان کا لالچ دیا۔

اس کے جواب میں حضرت عباسؓ نے ایمان راسخ کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا:
 تجھ پر اور تیری امان پر اللہ کی لعنت ہو۔ تو ہمیں امان دیتا ہے فرزندِ رسولؐ
 کے لیے کوئی امان نہیں۔ تو ہمیں ان سے جدا کرنے کا خواہش مند ہے جو ہمارا مقصد
 تخلیق ہیں۔ تو ہمیں ملعونوں اور ملعونوں کی اولاد کی اطاعت میں لانے کا خواہش مند
 ہے ایسا کبھی نہیں ہوگا۔

اس کے بعد حضرت عباسؓ نے شر سے فرمایا: میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ
 یزید کی اطاعت کو چھوڑ کر حسینی لشکر میں آجا۔ اس کا بدلہ تجھے رسولؐ خدا دیں گے۔
 حضرت عباسؓ کے اس جواب سے شمر لعین بچھ کر رہ گیا اور اس کی تمام اُمیدوں پر
 پانی پھر گیا۔

شمر ذلیل و رسوا ہو کر اپنے لشکر کی طرف چلا گیا اور حضرت عباسؓ اور ان
 کے بھائی سرخرو اور سر بلند ہو کر لشکرِ حسینیؑ میں واپس آئے اور انھوں نے امام حسینؑ کو
 ساری گفتگو سے آگاہ کیا۔

جب یہ باتیں ہو رہی تھیں تو حضرت زہیر بن القین بھی یہ باتیں سن رہے
 تھے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر حضرت عباسؓ کے پاس آئے اور انھوں نے شمر کی پیش کش
 ٹھکرانے پر حضرت عباسؓ کو خراجِ حسینؑ پیش کیا، بعد ازاں انھوں نے کہا: اگر آپؑ
 اجازت دیں تو آپ کو ایک بات بتاؤں؟

حضرت عباسؓ نے فرمایا: ہاں اجازت ہے۔

حضرت زہیرؓ نے کہا: آپ کے والد نے اپنے بھائی عقیلؓ سے کہا تھا کہ وہ
 ان کے لیے عرب کے بہادر خاندان کی بیٹی کا رشتہ تلاش کریں تاکہ اللہ تعالیٰ اس
 کے بطن سے مجھے دلیر اور بہادر بیٹا عطا کرے جو میرے حسینؑ کا مددگار ہو۔
 عقیلؓ نے تمہاری والدہ کا انتخاب کیا تھا۔ آپ کے والد نے آپؑ کی

والدہ سے نکاح بھی اسی لیے کیا تھا کہ اس کے بطن سے پیدا ہونے والا بیٹا ان کی شجاعت کا وارث ہے اور امام حسینؑ کا مددگار ہے۔

چنانچہ آپؑ کی ولادت سے آپؑ کے والد کی حسرت پوری ہوئی۔ آپؑ کے والد نے آج کے دن کے لیے آپؑ کی تربیت کی تھی، لہذا اپنے بھائی اور اپنے امامؑ کی حسرت سے ایک قدم پیچھے نہ ہٹا۔

شہزادی نسبؑ کبریٰ کی حسرت عباسؑ سے نکلو

جس طرح سے حسرت زہیرؑ نے حسرت عباسؑ کو ان کے متحد حلقے کی یاد دہانی کرائی تھی۔ روایات بیان کرتی ہیں کہ شہزادی نسبؑ کبریٰ سلام اللہ علیہا نے بھی روزِ عاشور ان کی وقاداری کا شہرہ ادا کیا تھا اور اپنے والد کی ام المومنینؑ سے شادی کی داستان بھی سنائی تھی اور فرمایا تھا کہ میرے والد نے عرب کے بہادر خاندان میں اس لیے رشتہ کیا تھا کہ ان کی خواہش تھی کہ اس بہادر خاتون کے بطن سے خدا انہیں ایسا بیٹا عطا کرے جو امام حسینؑ کا مددگار اور ان کا زور کر ہو اور اس شادی کا ثمر آپؑ ہیں۔

پھر شہزادی نے فرمایا: بھیا ابو الفضلؑ! یہ خیام آپؑ کے خیام ہیں اور یہ مستورات آپؑ کی بنکھن ہیں۔ خدا ہمارے مدد میں کوئی کوتاہی نہ کرنا۔

حسرت عباسؑ کا جواب

روایات میں مذکور ہے کہ جب حسرت زہیرؑ نے آپؑ کو غیرت دلائی تو اس وقت آپؑ گھوڑے پر سوار تھے۔ آپؑ نے رکابوں پر زور دیا تو رکابیں ٹوٹ گئیں اور پُر جوش لہجے میں زہیرؑ سے فرمایا: زہیرؑ! اس دن مجھے غیرت دلاتے ہو۔ میں آج جتنے وہ کچھ دکھاؤں گا جو تو نے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔

آپؐ کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ آج اگر میرے مولا و آقاؑ نے مجھے اجازت دے دی تو میں حیدر گڑار کی شجاعت کا ایسا مظاہرہ کروں گا جس کی دنیا میں کہیں مثال موجود نہ ہوگی۔

الغرض آپؐ نے اپنی پریشان حال بہن کو تسلی دی۔ آپؐ نے شجاعت و دغا کی وہ تاریخ رقم کی جس کی دنیا میں کوئی نظیر نہیں ہے۔ جب تک آپؐ زندہ رہے اہل حرم مطمئن رہے اور بڑبڑی فوج پر آپؐ کی وجہ سے لکھی طاری رہی۔ آپؐ کو اگرچہ مکمل جنگ کی اجازت نہیں ملی تھی۔ سلطان کاکات نے آپؐ کو صرف پانی لانے کی اجازت دی تھی۔ اس محدود اجازت کے باوجود آپؐ نے دشمنوں کی فوج سے نہر فرات کا کنارہ خالی کر دیا۔ بعض روایات کے مطابق دریا پر دس ہزار پہرہ دار موجود تھے لیکن حیدر گڑار کے فرزند نے تنہا دس ہزار افراد کو شکست دی اور گھاٹ پر قبضہ کیا۔

معالی اسلمین کے مؤلف نے کیا خوب کہا ہے کہ اگر لوح محفوظ میں روزِ عاشورہ حضرت عباسؑ کی شہادت لکھی ہوئی نہ ہوتی تو حضرت عباسؑ اپنی شرر بار تلواریں سے پورے اسوی اور بڑبڑی لشکر کو موت کے گھاٹ اتار دیتے۔

جوانانِ بنی ہاشم سے حضرت عباسؑ کا خطاب

معالی اسلمین میں کچھ کتابوں کے حوالے سے شہزادیِ نعب کبریٰ سلام اللہ علیہا کی زبانی ایک خوبصورت واقعہ مرقوم ہے:

بی بیؑ فرماتی ہیں: عاشورا کی شب میں اپنے خیمہ سے نکل، میں اپنے بھائی کو دیکھنا چاہتی تھی۔ اس رات امام حسینؑ کے لیے ایک طیغہ خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ جب میں نے اس خیمہ میں جھانکا تو میں نے دیکھا کہ اس خیمہ میں میرے بھائی تنہا بیٹھے تلاوتِ قرآن کر رہے تھے۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ میرے

خاندان کے مرد کہاں گئے۔ ان پر آشوب حالات میں سلطان دین اکیلے بیٹھے ہوئے ہیں۔ کوئی بھی ان کے ساتھ موجود نہیں ہے۔ میرا خیال تھا کہ جوانان بنی ہاشم کو تنبیہ کروں کہ وہ سلطان دین سے غافل نہ رہیں۔

اس کے بعد میں اپنے بھائی ابو الفضلؓ کے خیمہ کے قریب آئی۔ خیمہ سے کچھ فاصلہ پر میں رک گئی اور میں نے خیمہ میں عجیب منظر دیکھا کہ میرے تمام بھائی بیچھے اور جملہ رشتہ دار اس خیمہ میں جمع تھے اور میرے بھائی ابو الفضلؓ العباس ان کے درمیان یوں بیٹھے تھے جیسے شیر اپنے شکار پر بیٹھا ہے۔

میرے بھائی عباسؓ نے جوانان بنی ہاشم سے خطاب کیا اور ایسا پُر عزم خطاب میں نے اپنے بھائی امام حسینؓ کے علاوہ اور کسی سے نہیں سنا تھا۔ میرے بھائی ابو الفضلؓ نے اپنے خطاب کے آخر میں فرمایا:

میرے جملہ بھائیو، بھتیجو اور میرے بچازاد بھائیو! کل روزہ عاشورا آپ لوگ کیا کریں گے؟

اس کے جواب میں سب نے کہا: ہم آپ کے اشارہ کے خطر ہوں گے اور ہم آپ کی قیادت میں ہوں گے۔ معاملات کو آپ نے ہی طے کرنا ہے۔ ہمیں آپ جو بھی حکم دیں گے ہم اس پر حرف بحرف عمل کریں گے۔

حضرت عباسؓ نے تمام جوانوں کا شکریہ ادا کیا اور پھر فرمایا: خیال رکھنا ہم اہل بیتؑ ہیں اور یہ ہمارے اصحاب ہیں۔ یہ لوگ مسافر ہیں۔ گھر والوں پر بھاری ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ کل جب صبح ہو تو سب سے پہلے دشمنوں کے مقابلہ پر ہمیں جانا چاہیے تاکہ کل کلاں لوگ یہ نہ کہیں کہ اہل بیتؑ خود پیچھے ہٹ گئے تھے اور اصحاب کو آگے کر دیا تھا۔

جب ابو الفضلؓ نے یہ جملے کہے تو بنی ہاشم کے جوانوں نے جوش میں آ کر

اپنی تلواروں کو نیاموں سے نکالا اور عباسؑ کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ یہ رائے بہترین رائے ہے۔ ہم سب آپؑ کے فرمان پر عمل کریں گے۔ حضرت عباسؑ نے تمام جوانوں کا شکریہ ادا کیا۔

حضرت حبیب بن مظاہرؓ کا خطاب

کربلا کی شیر دل خاتون شہزادی زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کا بیان ہے: جب میں نے بنی ہاشم کے جوانوں کے اس اجتماع اور ان کے استقلال کو دیکھا تو میرے دل کو تسکین حاصل ہوئی۔ میں نے چاہا کہ اپنے بھائی کے خیمہ میں جاؤں اور انہیں اپنے جوانوں کے جذبات سے آگاہ کروں لیکن جب میں اصحاب کے خیمہ کے پاس سے گزر رہی تھی تو ایک خیمہ سے مجھے حبیب بن مظاہرؓ کی پُر عجب آواز سنائی دی۔ میں ان کی باتیں سننے کے لیے رُک گئی۔ میں نے اس خیمہ میں وہی منظر دیکھا جو میں نے ہاشمی جوانوں کے خیمہ میں دیکھا تھا۔ تمام اصحاب جمع تھے ۱۱ کے درمیان حبیب بن مظاہرؓ بیٹھے ہوئے تھے اور وہ اصحاب سے کہہ رہے تھے:

پیارے ساتھیو! آپ لوگ یہاں کیوں آئے ہو؟ بولو اور اپنے آنے کا مقصد بیان کرو۔

تمام اصحاب نے بیک زبان ہو کر یہ کہا کہ ہم یہاں فرزندِ رسولؐ غریبِ قاطعہ کی مدد کرنے کے لیے آئے ہیں۔

حبیب بن مظاہرؓ نے کہا: اچھا یہ بتاؤ کہ تم اپنی بیویوں سے جدا ہو کر کیوں آئے ہو اور تم نے اپنی بیویوں کو طلاق کیوں دی ہے؟

اصحاب نے کہا: ہم یوسف زہراؑ کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔

حبیبؓ نے کہا: کل صبح عاشورا ہوگی تو تم کیا کرو گے؟

سب نے کہا: ہم آپؑ کی رائے کے پابند ہیں۔ آپ ہمیں جو بھی حکم دیں

کے ہم اس پر عمل کریں گے۔

حبیب بن مظاہر نے کہا کہ کل جب جنگ شروع ہو تو سب سے پہلے ہم اپنی جانوں کو اپنے امامؑ پر قربان کریں گے۔ ہم کسی ہاٹی کو اپنے سے پہلے جنگ کے میدان میں قدم نہیں رکھنے دیں گے کیونکہ ہماری غیرت پہ برداشت نہیں کر سکتی کہ ہم بھی دعوہ ہوں اور کوئی ہاٹی خون میں غلطان ہو۔

خیال رکھنا کل کلاں لوگ یہ نہ کہیں کہ ان لوگوں نے اپنے سرداروں کو جنگ میں آگے کیا تھا اور خود اپنی جانوں کو بچا لیا تھا۔ یہ سنا تو تمام اصحاب جوشِ ایمانی سے معمور ہو کر اٹھے اور سب نے اپنی تلواروں کو نیام سے نکالا اور پُر جوشِ انماز سے کہا: حبیبؑ! ہم آپ کی رائے کا احترام کرتے ہیں۔

حبیب بن مظاہر نے تمام اصحاب کا ہر یہ ادا کیا۔

شہزادی فرماتی ہیں: اپنے اصحاب کا جوشِ ایمان دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی لیکن مسلمانوں کے حالات کو دیکھ کر مجھے رونا آ گیا۔ میں وہاں سے روتی ہوئی ہٹی۔ راتے میں حضرت امام حسین علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ میں نے رونا متوقف کیا اور بھائی کو دیکھ کر مسکرائی۔

میرے بھائی نے فرمایا: "نعم" بہن! ہم نے جب سے مدینہ چھوڑا ہے اس وقت سے لے کر آج تک میں نے آپ کو مسکراتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔ آپ کے اس وقت کے عجم کی کیا وجہ ہے؟

میں نے بھائی سے عرض کیا: میں نے اپنے بھائیوں کا جذبہ دیکھا ہے مگر میں نے اپنے اصحاب کے ایمانی جذبات کا مشاہدہ کیا ہے اس سے مجھے خوشی ہوئی ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: بیاری بہن! یہ لوگ "عالمِ دُر" سے میرے اصحاب اور مددگار ہیں۔ میرے نانا جان نے مجھ سے ان کا وعدہ کیا تھا۔

حضرت عباسؓ سالار لشکر ہیں

حضرت عباسؓ کے بزرگ اپنے اپنے دور میں لوگوں کی قیادت کے حوالے سے مشہور تھے۔ ”قصی“ نے مکارم اخلاق تقسیم کر کے لوگوں کی قیادت کی تھی۔ عید مناف سالار لشکر تھے۔ ان کی وفات کے بعد یہ منصب ان کے فرزند ہاشم کو ملا۔ ہاشم کے بعد عبدالمطلب سالار لشکر بنے۔ عبدالمطلب کے بعد لشکر کی سالاری حضرت ابوطالب کے حصہ میں آئی۔

انصاف میں مرقوم ہے: رسول خداؐ نے حضرت علیؓ سے خطاب کر کے فرمایا: یا علیؓ! میں نے اپنے رب سے حیرے لیے پانچ چیزوں کی دعا کی ہے۔ میں نے دعا کی ہے کہ اللہ آپ کو میری امت کے اہل جنت کا قائد بنائے۔ نوادر راوندی میں رسول خداؐ سے منقول ہے، آپؐ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اہل جنت کے قائد ہوں گے۔

کتاب الاختصاص میں امیر المومنین حضرت علیؓ علیہ السلام سے منقول ہے، آپؐ نے فرمایا: میں اہل ایمان کا جنت کے لیے قائد ہوں۔

حضرت فاطمہ زہراؓ سلام اللہ علیہا نے اپنے خطبہ میں قرآن کریم کی توصیف کرتے ہوئے فرمایا: ”قرآن کی اتباع خدا کی رضا کی قیادت کرتی ہے۔“

کتاب ”فقہ الزہرا“ میں اس جملہ کی تشریح میں لکھا ہوا ہے: ”قائد وہ ہونا چاہیے جو اپنے پیروں کو سعادت اور رضائے الہی کی طرف لے جائے۔“

حضرت عباسؓ ”علم دار اپنے بزرگوں کی طرف سے قائد تھے۔ آپؓ حسی

لشکر کے قائد تھے۔ آپؑ نے اپنی خدا داد بصیرت و معرفت سے تمام لشکر کی قیادت کی تھی۔ آپؑ نے اپنے لشکر کی ایسی قیادت کی کہ انھیں جنت الفردوس کی منزل تک پہنچایا اور انھیں دنیا و دین کی سعادت سے ہم کنار کیا۔

حضرت عباسؑ، قائد قافلہ اور قائد لشکر

روزہ عاشورا حضرت امام حسین علیہ السلام نے نماز فجر پڑھائی اور اپنے اصحاب کی صف بندی کی۔ آپؑ نے حضرت عباسؑ کو اپنے لشکر کا علم دار مقرر کیا۔ اس سے قبل جب آپؑ مدینہ سے روانہ ہوئے تو قافلہ کا پرچم بھی آپؑ نے حضرت عباسؑ کے حوالے کیا تھا۔ چنانچہ اٹھائیس رجب سے لے کر صبح عاشورا تک آپؑ قافلہ کے علم دار اور قائد تھے اور صبح عاشور کی نماز فجر کے بعد آپؑ لشکر حسینیؑ کے سالار اور علم دار قرار پائے۔

نماز فجر تمام ہوئی، عمر بن سعد جو کہ دنیا کے لالچ میں اپنی آخرت کو فروخت کر چکا تھا اور اس نے حضرت امام حسینؑ کی فصاحت کو قبول نہیں کیا تھا، اس نے جنگ کی ابتدا کی اور پہلا حیرت انگیز لشکر کی طرف پھینک کر آغاز جنگ کا اعلان کیا اور کہا کہ لوگو! گواہ رہنا میں تیر پھینک کر جنگ کی ابتدا کر رہا ہوں۔

اس کے بعد لشکر کوفہ نے حسینیؑ لشکر پر تیروں کی برسات کر دی اور اس برسات میں کم و بیش پچاس حسینیؑ سرفروش شہید ہوئے۔ جب تیروں کی بارش تھی تو حضرت عباسؑ کی قیادت کے جوہر سامنے آئے اور آپؑ نے مثالی سالار کا کردار سرانجام دیا۔

حضرت عباسؑ نے سالاری کا فن اپنے عظیم القدر والد ماجد سے سیکھا تھا۔ آپؑ کے والد ماجد نے آپؑ کو حرب و ضرب کے آداب کی تعلیم دی تھی۔ عظیم والد کی تربیت کا اثر تھا کہ آپؑ نے اپنے لشکر کو دشمنوں کے سامنے یوں کھڑا کیا جیسے

بہادر شیر کے سامنے مکار لومڑیوں کا ہتھا ہو۔

لشکرِ کوفہ اور لشکرِ حسینیٰ میں ایک اور ایک ہزار کا تناسب تھا لیکن حضرت عباسؓ کی بحسنِ قیادت کی وجہ سے یہ جنگ بڑی دیر تک جاری رہی تھی۔ اگر ابو الفضلؓ جیسا سالار نہ ہوتا تو یزیدی لشکر آدھے گھنٹا میں ہی پورے لشکر کو تباہ کر دیتا۔

عاشورا کے دن حضرت عباسؓ اپنی شہادت تک مسلسل متحرک رہے تھے۔ آپ کو ایک لخت بھی سکون نہیں ملا تھا۔ کسی وقت آپؓ اپنے فوجیوں کو دشمنوں کے زرنے سے چھڑاتے اور کسی وقت خیام سے دشمنوں کو ہٹاتے، کسی وقت اپنے لشکر گاہ کی نگرانی کرتے۔ الغرض آپؓ نے اپنے اقدامات سے دشمنوں کا سکون چھین لیا تھا۔

حُسنِ قیادت کے چند اثرات

حضرت عباسؓ جیسا سالار آج تک جہنمِ فلک نے نہیں دیکھا۔ آپؓ نے چند بیاسوں کو لاکھوں کی فوج سے صحر تک لڑایا تھا۔ پھر جب آپؓ نے اپنے انصار کی قلت کا مشاہدہ کیا تو آپؓ نے اپنے بیٹوں اور بھائیوں کو میدانِ جنگ میں روانہ کیا۔

جب آپؓ کے سارے فوجی شہید ہو گئے تو آپؓ مظلومِ کربلا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خود جنگ کرنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے آپؓ کو جنگ کی اجازت نہ دی اور فرمایا:

بیہا عباسؓ! آپ میرے علم دار ہیں، آپ میری فوج کے سالار ہیں اور میرے لشکر کی علامت ہیں۔

امام مظلومؑ کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباسؓ لشکرِ حسینی کے سالار اور نشانِ عظمت تھے۔ حضرت امام حسینؑ جانتے تھے کہ جب تک علم بلند رہے گا دشمن کے حوصلے پست رہیں گے اور رسولِ خدا کی بہو بیٹیوں کو تسکین حاصل رہے

کی نیز جب کسی فوج کا سالار ہی مارا جائے تو دشمنوں کے حوصلے بڑھ جاتے ہیں۔ روایات بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت عباسؓ دونوں بازو کٹوا کر گرے اور حضرت امام حسین علیہ السلام ان کے سر ہانے پہنچے۔ آپؓ چاہتے تھے کہ عباسؓ کو اس خیمہ میں لے جائیں جہاں دوسرے شہیدوں کے لاشے رکھے ہوئے تھے۔ اس وقت حضرت عباسؓ میں رتق حیات باقی تھی۔ انھوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو ان کے نانا کا واسطہ دے کر کہا کہ آپؓ میری لاش خیمہ شہدا میں نہ لے جائیں کیونکہ میں آپؓ کے لشکر کا سالار اور آپؓ کی فوج کا علم دار اور آپؓ کی فوج کی علامت ہوں، لہذا مجھے یہاں ہی رہنے دیں۔

حضرت امام حسینؓ نے اپنے پیارے بھائی کو وہاں چھوڑا اور فرمایا: خدا تمہیں جزائے خیر دے۔ آپؓ نے زندگی اور موت میں اپنے بھائی کی مدد کی ہے۔ حضرت عباسؓ جیسا جرنیل آج تک دنیا میں پیدا نہیں ہوا۔ آپؓ کے پاس چند افراد تھے اور وہ بھی تین دن کے بھوکے پیاسے تھے اور آپؓ کے لشکر میں بوڑھے بھی تھے، پختہ عمر بھی تھے، جوان بھی تھے، لڑکے بھی تھے۔ حد یہ ہے کہ آپؓ کی فوج میں چھ ماہ کا ننھا مجاہد تک موجود تھا، جب کہ مقابلہ پر لاکھوں کی باقاعدہ تربیت یافتہ فوج تھی مگر حضرت عباسؓ نے کچھ اس طرح سے جنگ کی منصوبہ بندی کی کہ دشمن کی فوج حسینی فوج سے لرزہ بر اندام تھی۔ آپؓ جب تک زندہ رہے آپؓ کا پرچم بلند رہا، آپؓ نے کسی بھی مرحلہ پر اپنے پرچم کو سرنگوں نہیں ہونے دیا اور جب تک آپؓ کے پرچم کا پھیرا ہلتا رہا، زہرا زادیوں کو سکون رہا اور جب آپؓ شہید ہوئے اور علم نیچے گرا تو دشمنوں کے حوصلے بڑھ گئے۔

حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا نے اپنے بھائی ابوالفضلؓ کے مرثیہ میں کیا ہی خوب کہا تھا:

اليوم نامت اعين بك لم تنم وسهرت اخري وعزمنامها
 ”عباسؑ بھيا! تمھارے ڈر سے جو آنکھیں پہلے نہیں سوتی تھیں
 آج وہ سوئیں گی (یعنی دشمن آرام سے سوئیں گے) اور
 تمھاری شہادت کی وجہ سے ہماری آنکھوں سے نیند غائب
 ہوگئی ہے اور ہمارا سونا محال ہو چکا ہے۔“

حضرت عباسؑ کا علم داری کے عہدہ پر فائز ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ
 حضرت امام حسین علیہ السلام آپؑ کو فوج کا جرنیل سمجھتے تھے اور یہ چیز حضرت عباسؑ
 کے لیے عظیم اعزاز ہے۔

.....●.....

چونتیسواں خصیصہ

ابوالفضلؑ پناہ گاہ اور سہارا ہیں

حضرت عباسؑ دہمی دلوں کا سہارا اور پریشان لوگوں کے لیے پناہ گاہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ روزِ عاشورا تمام حسینیؑ لشکرِ آپؑ کی پناہ میں تھا۔ حد یہ ہے ظاہری طور پر امام حسینؑ علیہ السلام بھی آپؑ کی پناہ میں تھے۔

آپؑ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسینؑ علیہ السلام نے آپؑ کا مرثیہ پڑھا تھا اور اس مرثیہ میں آپؑ نے حضرت ابوالفضلؑ کو اپنے لیے رکن و شیعہ مضبوط سہارے کا لقب دیا تھا۔ حضرتؑ کا مرثیہ حسب ذیل ہے:

اخی یانور عینی یا شقیقی فلی قد کنت کالوکن الوثیق
ایا ابن ابی نصحت أخاک حنی سقاک اللہ کأسا من راحیق
ایا قبرا منیراً کنت عونى علی کل النوائب فی المضیق
فبعدک لا تطیب لنا حیاة سنجمع فی الغداة علی الحقیق
الا للہ شکوائی وصبری وما ألقاه من ظناً وضیق

”اے میرے نور چشم بھائی! آپ میرے لیے مضبوط سہارا

تھے۔ اے میرے بھائی! آپ نے جامِ کوثر پینے تک اپنے

بھائی کی وقاداری کی۔ اے روشن چاند! آپ تمام مصائب

میں میرے مددگار تھے۔ آپ کے بعد زندگی میں کوئی حرہ باقی

نہیں رہا۔ کل قیامت کے دن ہم جمع ہوں گے۔ میں اپنی

نیاس اور تنگی پر صبر کرتا ہوں اور خدا سے شکایت کرتا ہوں۔“

پیا ساسا

کتاب جلاء العیون میں سید عبداللہ شبر نے حسب ذیل اشعار کو حضرت امام حسین علیہ السلام سے منسوب کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے بھائی کی لاش پر یہ شعر پڑھے:

احق الناس ان یبکی علیہ فتی أبکی الحسین بکربلاء
أخوه وابن والده علی أبو الفضل المضرج بالدماء
ومن واساء لایشیہ شی وجاد له علی عطش بماء

”تمام انسانوں میں سے گریہ کیے جانے کے لائق وہ انسان ہے جس نے کربلا میں حسینؑ کو زلایا ہے۔ وہ حسینؑ کا بھائی اور اس کے والد کا فرزند ابو الفضلؑ ہے جو خون میں غلطان ہے۔ جس نے ہمیشہ حسینؑ کی غم خواری اور ہم دردی کی ہے اور دنیا کی کوئی چیز اسے ہم دردی سے باز نہ رکھ سکی اور وہ ایسا محض ہے جس نے خود پیا ساسا ہو کر اہل خیام کو پانی پلانے کی کوشش کی تھی۔“

ابو الفضلؑ اور پناہ گاہ کا تمنہ

معالی السطین میں منتخب التواریخ کے حوالے سے مرقوم ہے کہ شیخ ازری آل عمر کے مشہور مرثیہ نگار گزرے ہیں۔ انہوں نے حضرت ابو الفضلؑ کی شان میں اپنا مشہور قصیدہ ”ہاسیہ“ لکھا اور اس میں یہ بیت بھی لکھی:

یوم ابو الفضل استجار بہ الہدی

”یعنی روزِ عاشورا حضرت امام حسینؑ نے ابو الفضلؑ سے پناہ حاصل کی تھی۔“

جب شیخ یہ مصرعہ لکھ چکے تو سوچا کہ شاید اس مصرعہ میں مجھ سے مبالغہ آرائی ہوئی ہے اور یہ مصرعہ امام عالی مقام کے حق میں نامناسب ہے اور عین ممکن ہے کہ مظلوم کربلا اس مصرعہ کی وجہ سے میری نظم کو شرفِ قبولیت نہ بخشیں۔ یہ سوچ کر انھوں نے نظم کو ناکھل چھوڑ دیا۔

رات ہوئی تو عالم خواب میں انھیں حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپؑ نے شیخ اُزری سے فرمایا: تم نے بہت عمدہ نظم لکھی ہے۔ تم نے ”یومہ ابو الفضل استجار بہ الہدی“ کا مصرعہ لکھ کر کوئی غلطی نہیں کی۔ میں نے روزِ عاشورا اپنے بھائی کی پناہ حاصل کی تھی۔ تمہیں چاہیے کہ اپنے بیت کو مکمل کرو۔ اس بیت کا دوسرا مصرعہ میں دیتا ہوں:

والشمس من کدر العجاج لثامها

مقصد بیت یہ ہے کہ امام الہدی مظلوم کربلا نے ابو الفضل العباسؑ کی اس دن پناہ حاصل کی تھی جب گھوڑوں کی ٹاپوں سے اتنا گرد و غبار اڑا تھا کہ اس نے سورج کو ڈھانپ دیا تھا۔

اگر ہم الفاظ بدل دیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام مظلومؑ نے روزِ عاشورا اپنے بھائی کی پناہ اس غرض سے حاصل کی تھی کہ انھیں ”محجر و مستجار“ پناہ دہندہ اور پناہ گاہ کا تمغہ حاصل ہو سکے۔

رسولُ خدا اور پناہ کا حصول

اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے بعد مکہ کی ایک شخصیت مطعم بن عدی سے پناہ طلب کی تھی۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ رسولُ خدا اپنے مددگار چچا کی وفات کے بعد پریشان رہتے تھے۔ اہل مکہ آپؐ کی مخالفت پر کربستہ تھے اور پورے مکہ میں آپؐ کا محافظ

کوئی نہیں تھا۔

آپؐ نے سوچا کہ مجھے طائف جانا چاہیے اور وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینی چاہیے ممکن ہے وہاں اسلام کو پذیرائی حاصل ہو جائے۔

آپؐ نے یہ سوچ کر طائف کا سفر کیا۔ آپؐ کے ساتھ اس سفر میں زید بن حارثہ تھے۔ آپؐ طائف آئے وہاں ایک محفل میں آپؐ نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی لیکن کسی نے بھی اسلام قبول نہ کیا اور آں حضرتؐ کو اذیتیں دیں۔ آپؐ نے طائف میں دس دن قیام کیا اور فرداً فرداً وہاں کے ہر بااثر شخص سے ملے اور اسے دین خداوندی کی دعوت دی لیکن ہر ایک نے آپؐ کی دعوت کو مسترد کر دیا اور مزید ستم یہ ڈھایا کہ شہر کے لڑکوں سے کہا کہ انھیں پتھر مارو۔

شہر طائف کے ادھاشوں نے آپؐ کو پتھر مارے۔ جس سے آپؐ کا سر اٹھ پر پھٹ گیا اور خون جاری ہوا۔ خون اتنی مقدار میں بہا کہ آپؐ کی نطین خون سے بھر گئی۔ طائف سے مایوس ہو کر آپؐ مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں کچھ دن تک آپؐ نے مقام نخلہ میں قیام کیا۔

زید بن حارثہ نے کہا: یا رسول اللہ! مکہ والوں نے تو آپؐ کو شہر بدر کر دیا ہے اب آپؐ مکہ کیسے جائیں گے؟

رسولؐ خدا نے فرمایا: پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ ہماری مدد کرے گا اور اپنے نبی کے لیے کشاکش کا دروازہ کھول دے گا۔

پھر آپؐ وہاں سے چلے اور حدود مکہ سے باہر آ کر ٹوک گئے۔ آپؐ نے بنی خزاعہ کے ایک شخص کو پیغام دیا کہ ہماری طرف سے مطعم بن عدی کو جا کر یہ پیغام پہنچاؤ کہ وہ ہمیں پناہ دے اور ہم اس کی پناہ میں مکہ آنا چاہتے ہیں۔

مطعم بن عدی کو آں حضرتؐ کا پیغام ملا تو اس نے اپنے بیٹوں اور افراد قوم

کو بلا کر ان سے کہا: تم لوگ ہتھیار سجالو اور بیت اللہ کے کناروں پر کھڑے ہو جاؤ۔ میں نے محمد کو پناہ دی ہے۔

آں حضرت کو مطعم بن عدی کی پناہ کی اطلاع ہوئی تو آپؐ زید بن حارثہ کو ساتھ لے کر مکہ میں داخل ہوئے اور بیت اللہ کے حرم میں تشریف لائے۔

مطعم بن عدی اپنی سواری پر بیٹھا اور اس نے بلند آواز سے یہ اعلان کیا: لوگو! میں نے محمد کو پناہ دی ہے کوئی بھی انھیں اذیت دینے کا خیال دل میں نہ لائے۔

انقرض، رسول خدا رکب کعبہ کے پاس آئے اور حجر اسود کا بوسہ لیا اور وہاں دو رکعت نماز پڑھی۔ اس کے بعد آپؐ اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ اس اثنا میں مطعم اور اس کے بیٹے اور اس کی قوم کے افراد آں حضرتؐ کی حفاظت کے لیے حضرت محمدؐ کے ارد گرد چل رہے تھے۔ آپؐ ان کی معیت میں اپنے گھر تشریف لائے اور اس کے بعد آپؐ نے دوبارہ اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔

اگر رسول اکرمؐ مطعم بن عدی سے پناہ حاصل کریں تو کوئی حرج نہیں ہے اور اگر روز عاشورا حضرت امام حسینؑ اپنے بھائی ابوالفضلؑ کی پناہ حاصل کریں تو اس میں تعجب کیوں ہے؟

حضرت ابوالفضلؑ ہر پناہ کے متلاشی کو پناہ دیتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوالفضلؑ کو اتنا بڑا درجہ دیا کہ وہ سلطانِ دین کے لیے پناہ گاہ بنے تھے اور امام عالی مقامؑ نے انھیں ”مستجار“ (پناہ گاہ) کا تمغہ عنایت کیا تھا۔

آپؐ کا وہ فیض شہادت کے وقت سے لے کر آج تک جاری و ساری ہے۔ آپؐ ہر دہائی شخص کے لیے پناہ گاہ ہیں۔ آپؐ ہر مصیبت زدہ اور تکلیف زدہ کے لیے پناہ گاہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ جس نے بھی کسی مصیبت میں آپؐ کو پکارا تو

آپؐ کی برکت سے اس کی مصیبت دُور ہوئی اور جس نے کسی مشکل وقت میں آپؐ سے استعاذہ کیا تو اس کی مشکلات آسان ہوئیں اور جس حاجت مند نے خدا کو آپؐ کا واسطہ دیا تو اس کی حاجات پوری ہوئیں۔

حضرت عباسؓ علم دار کے روضہ مبارکہ کی تاریخ اس طرح کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ شعرانے اس فیض عام پر قصیدے لکھے ہیں۔

سعید نامی ایک مومن بیمار ہوا، اسے دل کی تکلیف تھی۔ ڈاکٹروں نے اسے لاعلاج کر دیا تو وہ حضرت ابو الفضلؓ کے روضہ پر آیا اور اس نے حضرتؓ کا واسطہ دے کر خدا سے شفا طلب کی۔ خدا نے اسے صحت عطا فرمائی اور اس کی تمام بیماری دُور ہو گئی۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر صالح علیؓ نے ایک نظم لکھی تھی جس کے کچھ اشعار حسب ذیل ہیں:

بابی الفضل استجرونا	فحبانا منہ منحه
وطلبنا ان یداوی	آلم القلب وجرحه
فکسا اللہ سعیداً	بعد سقم ثوب صحه
بدل الرحمن منہ	قرحة القلب بفرحة

”ہم نے حضرت عباسؓ سے پناہ طلب کی، انھوں نے ہم پر کرم نوازی کی۔ ہم نے دل کی تکلیف اور اس کے زخموں کے دوا کی التجا کی تھی۔ بیماری کے بعد اللہ نے ”سعید“ کو عافیت کا لباس پہنایا۔ خدا نے دل کے زخموں کو خوشی میں تبدیل کر دیا۔“



پینتیسواں خصیصہ

آپؐ بچانے والے محافظ ہیں

اہل ایمان کی مدد کرنا اور انھیں مصائب سے باہر نکالنا بہت بڑی عبادت ہے۔ اس کی فضیلت میں بہت سی روایات وارد ہیں۔ ان میں سے ہم چند روایات بطور نمونہ نقل کرتے ہیں:

① حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

من اغاث اخاه المؤمن حتی یخرجه من ہم وکربة
وورطة کتب اللہ له عشر حسنات ورفق له عشر
درجات واعطاه ثواب عتق عشر نسبات ودفن عنه عشر
نقبات واعد له يوم القيامة عشر شفاعات

”جو مومن اپنے مومن بھائی کی مدد کرے اور اسے پریشانی، تکلیف اور سرگردانی سے نجات عطا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیاں لکھتا ہے اور اس کے دس درجات بلند کرتا ہے اور اسے دس غلاموں کے آزاد کرنے کا ثواب عطا کرتا ہے اور اس سے دس مصیبتیں دور کرتا ہے اور قیامت کے دن اسے دس افراد کی شفاعت کا حق عطا کرے گا۔“

② آں حضرتؐ کا فرمان ہے:

عونك الضعیف من افضل الصدقة
”تیری طرف سے کمزور شخص کی مدد کرنا افضل ترین صدقہ میں

سے ہے۔

③ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

ما من مؤمن یعین مؤمنا مظلوما الا کان افضل من
صیام شهر واعتکافه فی المسجد الحرام وما من مؤمن
ینصر اخاه وهو یقدر علی نصرته الا نصره الله فی
الدنیا والاخرة

”جو بھی مومن کسی دوسرے مظلوم مومن کی مدد کرے تو اس کا
یہ عمل ایک ماہ کے روزوں اور مسجد الحرام کے اعتکاف سے
افضل ہے اور جو بھی مومن دوسرے مومن کی مدد کی قدرت
رکھتا ہو اور مدد کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی مدد
کرے گا۔“

④ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:

نزعك القذاة عن وجه اخيك عشر حسنات تبسک فی
وجهه حسنة واول من یدخل الجنة اهل المعروف
”اپنے مومن بھائی کے چہرے سے تنکا ہٹانے پر دس نیکیاں
ملتی ہیں اور مومن کے سامنے تبسم کے ساتھ پیش آنا بھی نیکی
ہے اور جنت میں سب سے پہلے بھلائی کرنے والے لوگ ہی
جائیں گے۔“

⑤ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

من اغاث اخاه المؤمن اللہفان اللہفان عند جہدہ فنفس
کربتہ او اعانہ علی نجاح حاجتہ کانت له بذلك

اثنان وسبعون راحة لأفواج يوم القيامة واهواله
 ”جو مشکل کے وقت اپنے پریشان حال مومن بھائی کی مدد
 کرے اور اس سے اس کی پریشانی کو دور کرے یا اس کی
 حاجت پوری کرنے کے لیے اس کی مدد کرے تو روز قیامت
 کی ہولناکیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے خدا اسے بہتر رحمتیں عطا
 کرے گا۔“

مذکورہ بالا روایات میں جو امامت مومن کا اجر و ثواب بیان کیا گیا ہے یقیناً
 حضرت ابو الفضلؓ نے وہ اجر و ثواب حاصل کیا تھا۔ آپؓ نے اپنے بھائی اور اپنے
 آقا و مولاً کی محافظت کے لیے اپنی جان تک قربان کی تھی۔

ایسی جاں نثاری کی مثال اگر ملتی ہے تو وہ حضرت علی علیہ السلام کی ہے۔
 انھوں نے جب ہجرت بہتر رسولؐ پر کواروں کے سائے میں سو کر اللہ کی رضا خریدی
 تھی اور اللہ کو ان کی جاں نثاری کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ خدا نے ان پر اپنی مرضات
 نثار کر دیں اور فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِى نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ
 وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعَبَادِ ○ (البقرہ، آیہ ۲۰۷)

حضرت عباسؓ علم دارؓ نے حسنی لشکر گاہ اور خیام حسنی اور ذمیت رسولؐ کی
 مثالی محافظت کی تھی۔ اس محافظت کی وجہ سے ائمہ ہدیٰ کی طرف سے آپ کو
 ”واقی“ (محافظ) کا اعزاز نصیب ہوا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے ابو الفضلؓ کی زیارت کے
 متعلق دریافت کیا کہ مجھے ان کی قبر پر کیا کہنا چاہیے؟
 آپؓ نے فرمایا: جب ہمارے وقادار چچا کی قبر پر پہنچو تو قبر اطہر کے پاس

کھڑے ہو جاؤ اور انہیں ان کلمات سے سلام کرو:

السلام عليك ايها الولي الصالح الناصح الصديق الشهد
انك امنت بالله ونصرت ابن رسول الله ودعوت الى
سبيل الله وواسيت بنفسك وبذلت مهجتك فعليك
من الله السلام التام

”اے ولی صالح اور خیر خواہ صديق! آپ پر سلام ہو۔ میں
گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ پر ایمان رکھتے تھے اور آپ
نے فرزند رسول کی مدد کی اور آپ نے اللہ کے راستے کی
دعوت دی اور آپ نے اپنی جان دے کر ہم دردی کی مثال
قائم کی۔ آپ نے اپنی جان قربان کی۔ اللہ کی طرف سے
آپ پر کامل سلام ہو۔“

بعد ازاں آپ نے فرمایا: اس کے بعد قبر مطہر پر جبک جاؤ اور یہ کلمات کہو:

باسمی وامی یا ناصر دین الله السلام عليك یا بن امیر
المؤمنین السلام عليك یا ناصر الحسین الصديق
السلام عليك یا شهید بن الشهید السلام عليك منی
ابدأ ما بقیت وصلى الله على محمد وآله وسلم

”اے دین خداوندی کے مددگار! آپ پر میرے ماں باپ
قربان، اے فرزند امیر المؤمنین! آپ پر سلام، حسین صديق
کے مددگار! آپ پر سلام، شهید بن شهید! آپ پر سلام۔ جب
تک میں زندہ رہوں میری طرف سے آپ پر سلام ہوں۔ محمد
و آل محمد پر خدا کی طرف سے درود و سلام ہو۔“

زیارت کے الفاظ میں حضرت عباسؓ کو کئی اعزازات سے نوازا گیا ہے اور یہ تمام اعزازات آپؓ کے محافظ ہونے کی تشریح ہیں۔

امام ہادی علیہ السلام کی جانب سے ۲۵۲ ہجری میں جو زیارت صادر ہوئی اسے علامہ مجلسیؒ نے سید ابن طاووسؒ کی کتاب ”الاقبال“ سے نقل کیا ہے۔ اس زیارت میں شہدائے کربلا کے نام لے کر سلام کیا گیا ہے اور کچھ کے احوال بھی بیان کیے گئے ہیں۔ اس زیارت میں حضرت عباسؓ کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا گیا ہوگا:

السلام علی ابی الفضل العباس بن امیر المؤمنین
المواسی أخاه بنفسه الاخذ لغده من امسه القادی له
الواقعی.....

”ابو الفضل العباسؓ بن امیر المؤمنینؓ پر سلام جس نے اپنے
بھائی پر جان قربان کی تھی۔ جس نے آنے والے کل کے لیے
گذشتہ کل سے اپنا زادراہ حاصل کیا تھا جو حضرت امام حسینؓ
کے فداکار محافظ تھے۔“

زیارت ناجیہ کے مذکورہ کلمات میں حضرت ابو الفضلؓ کو ”واقی“ (محافظ)
کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ یہ لفظ آپؓ کی بے مثال وقاداری پر دلالت کرتا ہے۔
آپؓ کو آپؓ کی جدوجہد کی وجہ سے بہت سے القاب ملے۔ ایسے ہی القاب میں
”السامی، المستعجل، المصلی“ جیسے القاب شامل ہیں۔ ذیل میں ہم مذکورہ الفاظ کی
کچھ تشریح پیش کرتے ہیں:

السامی

لفظ ”سامی“ سنی مصدر سے اسم قاض ہے جس کا مطلب ہے کہ کسی کام

کے لیے سعی و مشقت کرنا۔ اور سعی و مشقت کرنے والے کو عربی زبان میں ”ساعی“ کہا جاتا ہے۔

حضرت عباسؓ بھی ”ساعی“ تھے۔ آپؓ نے عیاسوں کو پانی پلانے کے لیے بڑی سعی کی تھی۔ آپؓ نے اولاد و پیغمبرؐ کی حفاظت کے لیے قدم قدم پر جدوجہد کی۔ آپؓ نے اپنے بھائی اور اپنے آقا و مولاؐ کی حفاظت کے لیے انتہائی سعی کا مظاہرہ کیا تھا۔

آپؓ نے نصرت حق اور حفاظت دین کے لیے بڑی جدوجہد کی تھی اور آپؓ کی اسی جدوجہد کی وجہ سے زیارت ناحیہ میں آپؓ کو ”الساعی“ کہہ کر سلام کیا گیا۔ جیسا کہ زیارت ناحیہ میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں:

السلام علی ابی الفضل العباس بن امیر المؤمنین

المواسی أخاه بنفسه الآخذ لقدمه من أمسه القادی له

الواقعی، الساعی

زیارت ناحیہ سے قبل حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضرت ابوالفضل العباسؓ کو یوں خراج تحسین پیش کیا تھا:

أشهد أنك لم تهن ولم تنكل وأنت مضیت علی بصیرة

من امرک

”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؓ نے کسی طرح کی کمزوری نہیں دکھائی تھی اور آپؓ نے اپنی بصیرت پر عمل کیا تھا۔“

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ان الفاظ سے حضرت عباسؓ کی جہد مسلسل کو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے اور ان الفاظ سے یہ واضح کیا گیا ہے کہ حضرت ابوالفضلؓ نے اپنے امامؐ سے وفا کی انتہا کی تھی اور آپؓ نے ہر مقام پر

اپنی بے مثال بصیرت پر عمل کیا تھا۔ لفظ ”الساعی“ کا یہ اعزاز آپ کو مبارک ہو۔

سعی کرنے والے کا اجر و ثواب

لوگوں کی ضروریات و حوائج کے لیے سعی کرنے کے متعلق اسلامی روایات میں بڑا زور دیا گیا ہے۔ جب عام انسانوں کی حاجات کے لیے سعی کرنے والوں کا بڑا رتبہ ہے تو جس شخصیت نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے لیے سعی کی ہو اس کے رتبہ کا اندازہ صرف خدا ہی کر سکتا ہے۔

ایک مسلمان کی حاجت کے لیے سعی کرنے کے متعلق کچھ اسلامی روایات ملاحظہ فرمائیں:

❖ الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے

فرمایا:

من سعی في حاجة اخيه المسلم طلب وجه الله كتب
الله عز وجل له الف الف حسنة يغفر فيها لأقاربہ
وجيرانه وأخوانه ومعارفه.....

”جو بھی اللہ کی رضامندی کے حصول کے لیے اپنے مسلمان
بھائی کی حاجت برآری کے لیے جدوجہد کرے تو اللہ تعالیٰ
اس کو دس لاکھ نیکیاں عطا کرے گا۔ اللہ اس کے قربات داروں،
ہمسایوں، بھائیوں اور جان پہچان کے لوگوں کو بخش دے گا۔“

❖ الکافی میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے

فرمایا:

ان الله عبادة في الارض يسعون في حوائج الناس هم
الآمنون يوم القيامة ومن ادخل على مؤمن سروراً

فرح الله قلبه يوم القيامة

”زمین پر اللہ کے کچھ ایسے بندے موجود ہیں جو لوگوں کی حاجات پوری کرنے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ ایسے لوگ قیامت کے دن امن میں ہوں گے جس نے مومن کو خوشی دی تو قیامت کے دن اللہ اس کے دل کو خوش کرے گا۔“

۴) الکافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا:

من مشى في حاجة اخيه المسلم اظله الله بخمسة وسبعين الف ملك ولم يرفع قدما الا كتب الله له حسنة وحط عنه بها سيئة ويرفع لها بها درجة فاذا فرغ من حاجته كتب الله عز وجل له بها اجر حاج ومعتبر ”جو اپنے مسلمان بھائی کی حاجت پوری کرنے کے لیے لے چلے تو اللہ اس پر پچھتر ہزار فرشتوں کا سایہ کرتا ہے اور ہر قدم کے عوض اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور اس کی ایک برائی مٹائی جاتی ہے اور اس کے لیے ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے اور جب وہ اپنے بھائی کی حاجت سے فارغ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں حج و عمرہ کا ثواب لکھتا ہے۔“

ایک مسلمان کی حاجت براری کے لیے کوشش کرنے کا کتنا ثواب ہے؟ اس کا اندازہ حسب ذیل حدیث سے لگایا جاسکتا ہے۔

۵) الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے

فرمایا:

لأن أمشي في حاجة أخ لي مسلم أحب إلي من أن أعتق
الف نسمة ، وأحمل في سبيل الله على ألف فرس
مسرحة ملجمة

(حدیث کا احتمالی ترجمہ یہ ہے کہ) ”اگر میں اپنے ایک
مسلمان بھائی کی حاجت پوری کرنے کے لیے چلوں تو یہ عمل
مجھے ایک ہزار غلام آزاد کرنے اور ایک ہزار شاہسواروں کے
مقابلہ پر جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔“

﴿ اختصار میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

مشي المسلم في حاجة المسلم خير من سبعين طوافا
بالبیت الحرام

”ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کی حاجت برآری کے لیے
جانا بیت اللہ کا ستر مرتبہ طواف کرنے سے افضل ہے۔“

﴿ الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے

فرمایا:

ما من مؤمن يمشي لآخيه المسلم في حاجة الا كتب الله
عز وجل له بكل خطوة حسنة وحط بها عنه سيئة
ورفع له بها درجة ونريد بعد ذلك عشر حسنات ، وشفع
في عشر حاجات

”جو بھی مومن اپنے مسلمان بھائی کی حاجت پوری کرنے کے
لیے چلے تو اللہ اس کے ہر قدم پر ایک نیکی لکھتا ہے اور ایک
برائی مٹاتا ہے اور اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے۔ اس کے بعد

اسے اضافی دس نیکیاں عطا کی جاتی ہیں اور دس حاجات کے پورا ہونے کے لیے اس کی شفاعت کو قبول کیا جاتا ہے۔“

حاجات کے جلد پورا ہونے کا دروازہ

حضرت ابو الفضلؒ العباسؒ کو ”مستغیل“ کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں: جلد بازی کو چاہنے والا۔

آپؒ کو اس لقب سے اس لیے یاد کیا جاتا ہے کہ آپؒ ہر کمزور اور ہر مظلوم کی مدد کو جلدی سے نکلتے ہیں۔ جو بھی اپنی دعا کے لیے ہار گاؤ خداوندی میں آپؒ کو وسیلہ بناتا ہے تو اس کی حاجت بہت جلد پوری ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپؒ کی شفاعت قبول کرتا ہے۔ چنانچہ جلدی سے مدد کو نکلتے کی وجہ سے حضرتؒ کو اس لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

صاف صاف فیصلہ کرنے والا

آپؒ کا ایک لقب مُعْطٰی بھی ہے۔ یہ لفظ تصنیف مصدر سے اسم فاعل ہے اور تصنیف کا معنی ہے خالص اور غیر خالص کو جدا کرنا۔ آپؒ مُعْطٰی ہیں، آپ خالص و غیر خالص کو جدا کرنے والے ہیں۔

عراق میں لوگوں کا دستور ہے کہ جب کبھی دو افراد میں تنازعہ واقع ہو جائے اور مقامی سطح پر ظالم و مظلوم کی پہچان نہ ہو سکے تو لوگ فیصلہ کرانے کے لیے حضرت عباسؒ کے حرار پر آتے ہیں۔

وہاں پہنچ کر مدی طرم سے کہتا ہے کہ اگر تو بے گناہ ہے تو قبر عباسؒ پر کھڑا ہو کر ان کے نام کی قسم کھا کر بیان دے کہ میں بے گناہ ہوں۔

جو طرم بے گناہ ہوتا ہے وہ قسم کھاتا ہے کہ مجھے صاحب قبر حضرت ابو الفضل

العباسؑ کی قسم ہے کہ میں بے گناہ ہوں۔

اس قسم سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور اگر طرم واقعی مجرم ہو تو ان میں سے اکثر افراد اپنے جرم کا اقرار کر لیتے ہیں اور حضرت عباسؑ کے نام کی قسم نہیں کھاتے اور اگر کوئی بد بخت مجرم آپؑ کے حرم میں آپؑ کی ناجائز قسم کھائے تو بہت جلد اس پر خدا کی طرف سے عذاب آ جاتا ہے۔

جو فیصلے عدالتوں، منصفوں اور وکیلوں کے ذریعے سے حل نہیں ہو سکتے وہ آپؑ کے حرار پر چند لحظات میں ہو جاتے ہیں۔

آپؑ کی اسی صفت کی وجہ سے آپؑ کو ”مُصْطٰی“ کہا جاتا ہے اور اگر اس لفظ کو اسم مفعول کی شکل میں مُصْطٰی پڑھا جائے تو پھر اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ خدا کے خالص و مخلص بندے ہیں۔



آپؐ حضرت امام حسینؑ کے سفیر ہیں

دو گروہوں یا دو ممالک کے درمیان سفارت کاری ایک اہم لیکن مشکل ترین امر ہے۔ ایک سفیر پر دونوں گروہوں کے تعلقات کو بنانے یا بگاڑنے کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ہر شخص اور ہر مملکت سفارت کاری کے لیے امن، با کردار، بلند نگاہ اور دل نواز سخن رکھنے والے شخص کا انتخاب کرتی ہے۔

حضرت ابوالفضل العباسؑ میں سفارت کاری کی جملہ خصوصیات بدرجہ اتم موجود تھیں اور میدانِ کربلا میں آپؑ سے بہتر سفیر اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ آپؑ کی انہی خصوصیات کے پیش نظر سلطانِ دینِ فرزندِ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی سفارت کاری کے لیے انہیں منتخب کیا تھا۔

نو محرم کے دن جب ابنِ سعد کا لشکر خیامِ حسینیؑ پر یورش کرنے کے لیے آگے بڑھا تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباسؑ کو اپنا سفیر بنا کر اُموی لشکر کے پاس بھیجا تھا۔

نو محرم الحرام کا اہم واقعہ

نو محرم الحرام کو اصطلاحی طور پر ”تاسوعا“ اور دس محرم کو ”عاشورا“ کہا جاتا ہے۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ محرم الحرام قمری سال کا پہلا مہینہ ہے اور نو محرم کا دن سال کا نواں دن اور دس محرم کا دن نئے سال کا دواں ہوتا ہے۔ اسی لیے نو محرم کو تاسوعا اور دس محرم کو عاشورا کہا جاتا ہے۔

اوراقِ تاریخ میں اس دن کے واقعات لکھے ہوئے ہیں اور یہ دن حضرت عباسؓ کی عظمت کا مظہر ہے۔ اسی دن لشکرِ یزید نے عصر کے وقت جنگ کا ارادہ کر لیا تھا اور ان کا مصمم ارادہ تھا کہ دن کے بچے ہوئے مختصر سے حصہ میں خاندانِ مصطفیٰ کا قلع قمع کر دیا جائے۔ چنانچہ لشکر روانہ ہوا تو امام عالی مقامؑ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا:

یا عباس! اراکب بنفسی انت یا اخی، حتی تلقاهم
وتقول لهم مالکم؟ وما بدا لکم؟ وتسالهم عما جاء بهم
”عباسؓ! مجھ! میں آپؓ پر قربان، آپؓ گھوڑے پر سوار
ہو جائیں اور ان کے سامنے جائیں اور ان سے کہیں کہ تمہیں
کیا ہوا ہے کیا نیا واقعہ پیش آیا ہے اور ان سے پوچھیں کہ وہ
کیوں آگے آئے ہیں؟“

الغرض سلطانِ کائنات حضرت امام حسینؑ علیہ السلام نے آپؑ کو اپنا سفیر مقرر کیا اور آپؑ نے اپنی بہترین سفارت کاری سے جنگ کو ایک رات کے لیے ملتوی کرایا۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ نو محرم تک یزیدی فوج پوری طرح سے کربلا میں پہنچ چکی تھی اور اس دن حضرت امام حسینؑ علیہ السلام پوری طرح سے محصور ہو چکے تھے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ علیہ السلام نے نو محرم کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: اس دن شامی لشکر جمع ہو گیا اور ابنِ مرجانہ اور ابنِ سعد اپنے لشکر کی کثرت پر خوش تھے، جب کہ حضرت امام حسینؑ کے لشکر کی تعداد انتہائی کم تھی۔ شامی لشکر کو یقین ہو گیا تھا کہ اب حضرت امام حسینؑ کے پاس کسی طرف سے کمک نہیں آئے گی۔

یہ کہہ کر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام رونے لگے اور رو رو کر فرمایا: میں غریب کنزور و ادا پر قربان ہو جاؤں۔“

شیخ صدوق لکھتے ہیں: اس دن شمر لعین کربلا میں وارد ہوا۔ وہ اپنے ساتھ چار ہزار کا لشکر لایا تھا اور اس کے پاس ابن زیاد کا خط تھا۔

تھام میں مرقوم ہے: سعد بن عیینہ کا بیان ہے کہ نو عمر کو شدید گری تھی۔ ہم شخصک حاصل کرنے کے لیے عمر بن سعد کے ہمراہ پانی میں داخل ہوئے۔ ہم نہانے میں مصروف تھے کہ اچانک ایک شخص ابن سعد کے پاس آیا اور اس نے اس کے کان میں کھسر پھسری۔ اس کی بے جا مداخلت سے ہماری تفریح قارت ہو گئی۔ اس شخص کی باتیں سننے کے بعد ابن سعد دریا سے باہر نکلا اور اس کی دیکھا دیکھی ہمیں بھی نکلتا ہوا۔

ہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ اس شخص نے ابن سعد کو یہ خبر دی تھی کہ ابن زیاد نے شمر بن ذی الجوشن کو روانہ کیا ہے اور وہ یہ دیکھے گا کہ تم حسینؑ کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو۔ اگر شمر نے دیکھا کہ تم جنگ سے کنارہ کشی کر رہے ہو تو وہ تمہیں قتل کر کے فوج کی کمان خود سنبھال لے گا۔ اب تم اپنے لیے لائحہ عمل خود تیار کرو۔

عمر سعد نے جب حالات کی تبدیلی کا مشاہدہ کیا تو اس نے اپنے لشکر میں یہ اعلان کیا:

یا خیل اللہ اراکشی وہ بالجنة ابشری

”اے خدائی فوج! سوار ہو جاؤ، تمہیں جنت کی بشارت ہو۔“

اس لعین نے جیسے ہی یہ اعلان کیا تو تمام فوجی تیار ہو گئے۔ پھر لشکر خیمہ

حسینؑ کی طرف چل پڑا۔

خلیہ کربلا حضرت زینب کبریٰؑ فرماتی ہیں: گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں

بلند ہوئیں جو کہ لٹخ لٹخ خیمہ کے قریب آ رہی تھیں۔ میں حضرت امام حسینؑ علیہ السلام

کے خیمہ کی طرف بڑھی۔ وہاں میں نے یہ دیکھا کہ حضرت امام حسینؑ ادگھ میں تھے۔ میں ان کے قریب گئی اور عرض کیا: بھائی جان! کیا آپ یہ آوازیں نہیں سن رہے جو ہمارے قریب آرہی ہیں۔

اس وقت آپؑ نے سر اٹھایا اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا: پیاری بہن! یہاں بیٹھے بیٹھے مجھے ادگھ آگئی۔ خواب میں مجھے رسولؐ خدا کی زیارت نصیب ہوئی۔ انھوں نے مجھ سے فرمایا: اے حسینؑ! تم ہمارے پاس آنے والے ہو۔

لہو ف میں مذکور ہے کہ آپؑ نے اپنی بہن سے یہ فرمایا: میں نے ابھی خواب میں اپنے نانا محمد مصطفیٰؐ، اپنے والد علی مرتضیٰؑ، اپنی والدہ فاطمہ زہراؑ اور اپنے بھائی حسن مجتبیٰؑ کو دیکھا۔ انھوں نے یہ کہا کہ تم بہت جلد ہمارے پاس آنے والے ہو۔

جب بی بی نے اپنے بھائی کا خواب سنا تو بی بی کی چھین کھل گئیں اور اپنے چہرے پر تانچے مارنے لگیں اور واویلا کرنے لگیں۔

حضرت امام حسینؑ نے بڑی شفقت اور محبت سے بہن سے فرمایا: تم پر کوئی افسوس نہیں ہے، تمہارے دشمن کے لیے بربادی ہے۔ خدا آپؑ پر رحم کرے خاموش ہو جائیں دشمن کو خوش ہونے کا موقع نہ دیں۔

یہ سنا تو بی بی خاموش ہو گئیں۔ اس وقت حضرت عباسؑ اپنے بھائی کے پاس آئے اور عرض کیا: اُموی لشکر ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔

حضرت امام حسینؑ علیہ السلام اُٹھے اور آپؑ نے ان سے فرمایا: آپ ان کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ تم لوگ کیا چاہتے ہو اور کیوں آگے بڑھ رہے ہو؟

حضرت عباسؑ نے بیس سواروں کو اپنے ساتھ لیا، ان میں زہیر بن قینؑ اور حبیب بن مظاہرؑ بھی شامل تھے۔ آپؑ یزیدی لشکر کے سامنے آئے اور ان سے کہا: تم لوگ کیا چاہتے ہو؟

اہلِ لشکر نے جواب دیا: ہمارے پاس حاکم کا حکم آیا ہے کہ آپ لوگ یزید کی اطاعت کے سامنے گردن جھکا دیں ورنہ ہم تم سے جنگ کریں گے۔

حضرت ابو الفضلؓ نے فرمایا: یہیں رُک جاؤ میں اپنے آقا و مولا ابو عبد اللہؓ کی خدمت میں جاتا ہوں اور تمہارا پیغام ان تک پہنچاتا ہوں۔

خدا جانے حضرت عباسؓ کے فرمان میں کتنا رعب تھا کہ فوج دریا کی طرح سے ٹھاٹھیں مارتا ہوا لشکر اسی جگہ رُک گیا۔ کسی کو بھی خیمہ گاہ کی طرف قدم بڑھانے کا یارا نہ رہا۔

اہلِ لشکر نے کہا: ٹھیک ہے آپ جا کر ہمارا پیغام پہنچائیں اور ہمیں ان کے جواب سے مطلع کریں۔

حضرت عباسؓ اپنے بھائی کی طرف چلے۔ آپ کے اصحاب وہاں ٹھہرے رہے۔ حضرت حبیبؓ نے زہیر بن قیسؓ سے فرمایا کہ آپ ان لوگوں کو نصیحت کریں۔ حضرت زہیرؓ نے کہا: آپ بزرگ ہیں آپ گفتگو کریں۔

اس کے بعد حضرت حبیبؓ لشکرِ یزید کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: لوگو! خدا کا خوف کرو جن کو تم قتل کرنا چاہتے ہو، یہ رسول خدا کا خاندان ہے۔ یہ آپ کی اہل بیت کے افراد ہیں۔ یہ لوگ بہت بڑے عابد و زاہد اور شب زندہ دار ہیں۔ یہ اللہ کا بکثرت ذکر کرنے والے ہیں۔ تم انہیں قتل کر کے خدا کو کیا جواب دو گے۔

یزیدی لشکر میں سے عزرہ بن قیسؓ نے کہا: حبیب! آپ تو ہمیشہ اپنی ہی تعریف کرنے کے عادی ہیں۔

حضرت زہیرؓ نے کہا: پھر اس میں کیا قحاحت ہے خدا نے میرے نفس کا تزکیہ کیا ہے اور ہدایت کی ہے۔ اے عزرہ! خدا سے ڈر، میں تیرا خیر خواہ ہوں، پاکیزہ نفوس کو قتل کر کے گم راہوں کی مدد نہ کر۔

عزیزہ نے حضرت زہیرؓ کو طعنہ دیتے ہوئے کہا: زہیر! تو تو اہل بیتؑ کا شیعہ نہیں تھا، ہم تو تجھے مٹانی سمجھتے تھے۔

حضرت زہیرؓ نے فرمایا: مجھے یہاں دیکھ کر بھی تجھے علم نہیں ہوا کہ میں کس جماعت سے تعلق رکھتا ہوں۔ میں نے امامؑ کو خط نہیں لکھے تھے، راستے میں اتفاق سے ہم جمع ہو گئے۔ جب میں نے انھیں دیکھا تو مجھے رسولؐ خدا سے ان کا رشتہ یاد آیا۔ اسی لیے میں نے فیصلہ کیا کہ میں ان کی جماعت میں شامل ہو کر ان کی مدد کروں اور اپنی جان کو ان کی جان پر بچا دوں۔ جب کہ تم لوگوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے حق کو ضائع کیا ہے۔

کامیاب سفیر اور کامیاب سفارت کاری

ابھی حضرت زہیرؓ، عزیزہ سے گفتگو کر رہے تھے اور حضرت حبیبؓ لوگوں کو نصیحت کرنے میں مصروف تھے کہ حضرت عباسؓ حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے اہل لکھنؤ کا موقف بیان کیا۔

حضرت امام حسینؑ علیہ السلام نے فرمایا: بھیا! آپؑ ان کے پاس واپس جائیں اور کوشش کریں کہ ہمیں آج رات کی مہلت مل جائے۔ ہم آج رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور اس سے دعا اور استغفار کریں گے۔ خدا جانتا ہے کہ مجھے نماز، تلاوت قرآن اور کثرت دعا و استغفار سے بڑی محبت ہے۔

حضرت ابو الفضلؑ امامؑ کا جواب لے کر اہل لکھنؤ کے پاس آئے اور فرمایا: میں آج رات کی مہلت چاہتا ہوں۔

عمر سعدؓ نے مہلت دینے میں پس و پیش کی۔ پھر اس نے شمرؓ سے کہا: حیری رائے کیا ہے؟

شمرؓ نے کہا: میں فوج کا سالار ہوتا تو میں انھیں ایک رات تو بڑی بات ہے

ایک گھنٹے کی مہلت بھی نہ دیتا۔

یزیدی لشکر میں سے عمرو بن الحجاج زبیدی نے کہا: تم پر ہلاکت ہو۔ اگر ترک و دہلم کے لوگ بھی ہم سے ایک رات کی مہلت مانگتے تو ہم انہیں ضرور مہلت دیتے، یہ تو محمد کا خاندان ہے۔

آخر کار کافی بحث و تجویس کے بعد ایک رات کی مہلت دی گئی۔ حضرت ابو الفضل وہاں سے واپس آئے۔ آپ کے ساتھ عمر بن سعد کا ایک قاصد بھی تھا۔ اس نے حسینی لشکر گاہ کے سامنے یہ اعلان کیا: ہم نے تمہیں آج رات کی مہلت دی ہے۔ اگر تم نے اطاعت قبول کر لی تو ہم تمہیں امن زیاد کے پاس لے جائیں گے اور اگر تم نے انکار کیا تو پھر ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔ یہ کہہ کر وہ واپس چلا گیا۔ مالی صدوق میں مرقوم ہے: ابن سعد کی طرف سے منادی نے یہ ندا دی: ”ہم نے حسینؑ اور اس کے ساتھیوں کو آج دن اور رات کی مہلت دی ہے۔“

اس کے بعد دونوں لشکر اپنے اپنے مقامات پر چلے گئے۔ حضرت عباسؑ کی کامیاب سفارت کاری کی وجہ سے ایک رات کے لیے جنگ ٹل گئی۔

شب عاشورا

نوح مر کا سورج ڈوب گیا۔ شب عاشور کی تاریکی کر بلا میں چھا گئی۔ ہر جگہ اندھیرے کا راج ہو گیا۔ ہر کوئی نیند کی وادی میں چلا گیا۔ لیکن اس رات فرزند رسولؐ، خاندان عصمت اور اصحاب حسینیؑ کو کوئی آرام نہ ملا۔ حضرت امام حسینؑ نے اس رات کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ آپؑ نے رات کا ایک حصہ اپنے اصحاب کے لیے مخصوص کیا۔ آپؑ نے اس رات ان پر بھر جت تمام کی اور آپؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

”لوگو! تم میرے ساتھ یہ سوچ کر آئے ہو کہ ہم حسینؑ کی معیت میں ان لوگوں کے پاس جا رہے ہیں جو اپنی زبان اور دل سے بیعت کر چکے ہیں۔ اب حالات الٹ چکے ہیں۔ ان لوگوں پر شیطان نے قبضہ جما لیا ہے اور ذکرِ خدا دینی فراموش کر دیا ہے۔ ان کا مقصد مجھے قتل کرنا ہے اور جو بھی میرے ساتھ ہوگا اسے بھی یہ قتل کریں گے اور میری شہادت کے بعد میرے خیم کو لوٹ لیں گے اور اہل پردہ کو گرفتار کر لیں گے۔ میں تم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھتا چاہتا۔ ہم اہل بیتؑ دھوکا دینے کو حرام سمجھتے ہیں۔ تم میں سے جو جانے کا خواہش مند ہو وہ واپس چلا جائے۔ اس وقت رات کے پردے پڑے ہوئے ہیں اور جانے کا راستہ بھی کھلا ہوا ہے اور وقت تنگ بھی نہیں ہے۔ البتہ جو ہماری ہم دردی کرے گا وہ جنت میں ہمارے ساتھ ہوگا اور اللہ کے غضب سے محفوظ ہوگا۔ میرے نانا حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا تھا:

”میرا فرزند حسینؑ میدانِ کربلا میں حالتِ مسافرت میں تنہا پیاسا قتل کیا جائے گا۔ جس نے اس کی مدد کی اُس نے درحقیقت میری اور اس کے فرزندِ جنتؑ کی مدد کی، اور جو زبان کے ساتھ ہماری مدد کرے تو وہ قیامت کے دن ہمارے گروہ میں ہوگا۔“

آپؑ کے اس خطبہ کے بعد دنیا طلب افراد آپؑ کو چھوڑ کر چلے گئے اور آپؑ کے پاس ستر سے کچھ زیادہ بچ گئے۔ ان کے علاوہ آپؑ کے اہل بیتؑ، بھائی اور جوانانِ بنی ہاشم آپؑ کے پاس رہ گئے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے شبِ عاشور اپنے خاندان اور بچے ہوئے اصحاب میں خطبہ ارشاد فرمایا:

”اما بعد! میں نے اپنے اصحاب سے زیادہ وفادار اور زیادہ بہتر کسی کے اصحاب کو نہیں دیکھا اور میں نے اپنے اہل بیتؑ سے بڑھ کر کسی خاندان کو نہیں دیکھا جو اتنی بھلائی اور صلہ رحم کرنے والا ہو۔ تم سب کو خدا میری طرف سے جزائے خیر دے۔ میں تم سب کو رخصت دے رہا ہوں اور میری طرف سے تمہارے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہے اس وقت رات کا پردہ پڑا ہوا ہے، لہذا جس نے جانا ہو وہ چلا جائے۔“

جب آپؑ نے گفتگو تمام کی تو نبی ہاشم کھڑے ہوئے جن کی قیادت حضرت ابوالفضلؑ کر رہے تھے۔ آپؑ نے سلطانِ دین سے عرض کیا: آخر ہم ایسا کیوں کریں؟ صرف اس لیے کہ ہم آپؑ کے بعد زندہ رہیں۔ خدا ہمیں وہ دن ہی نہ دکھائے۔ اس کے بعد آپؑ کے اصحاب اُٹھے اور انھوں نے اپنی وفاداری کا آپؑ کو یقین دلایا۔ آپؑ نے سب کے حق میں جزائے خیر کی دعا کی۔ اس کے بعد آپؑ اپنے مخصوص خیمے میں چلے گئے۔

الغرض امام عالی مقام اپنے جوانوں اور اصحاب کی وفاداری سے پوری طرح مطمئن ہو گئے۔ کچھ دیر بعد عقیلہ بنی ہاشم حضرت زینب کبریٰؑ بھائی کے پاس آئیں اور عرض کیا: بھیا! جو افراد باقی بچ گئے ہیں کیا آپؑ کو ان کی وفا پر اعتماد ہے کہیں نیزوں اور تلواروں کے چلنے کے وقت آپؑ کو چھوڑ کر تو نہ چلے جائیں گے؟

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: بیاری بہن! میں نے سب کو آزمایا ہے یہ سب لوگ موت کے خواہش مند ہیں۔ یہ موت سے اتنے مانوس ہیں جتنا کہ

بچہ ماں کے دودھ سے مانوس ہوتا ہے۔

دفاعی اقدامات

شب عاشور امام عالی مقام دفاعی اقدامات سے غافل نہیں تھے۔ اس رات آپؑ نے دفاعی اقدامات کو آخری شکل دی۔ آپؑ نے پہلا اقدام یہ کیا کہ اپنے اصحاب کو بلا کر فرمایا: اپنے خیمے ایک دوسرے کے ساتھ ملا لو اور خیام کی طنائوں کو ایک دوسرے سے پکڑت کر دو۔ اس طرح سے آپؑ چاہتے تھے کہ آپؑ کا لشکر یکجا ہو جائے اور آپؑ کے سپاہی ایک دوسرے سے دُور نہ ہوں۔

بعد ازاں آپؑ نے حکم دیا کہ خیام اور لشکرگاہ کے ارد گرد خندق کھود کر اس میں لکڑیاں ڈال دی جائیں اور جیسے ہی صبح ہوا انہیں آگ لگا دی جائے۔ اس طرح سے آپؑ نے اپنے خیام اور لشکرگاہ کو دشمنوں سے محفوظ کیا۔ آپؑ نے آمد و رفت کے لیے صرف ایک طرف کا حصہ خالی رکھا باقی ہر طرف خندق کھدوا دی۔

صبح ہوئی، جنگ کا آغاز ہوا۔ یزیدی لشکر نے چاہا کہ خیام اہل بیتؑ پر حملہ کریں لیکن جب وہ قریب آئے تو انہیں وہاں آگ کے شعلے دکھائی دیے اور وہ ناکام و نامراد ہو کر واپس پلٹتے پر مجبور ہو گئے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے لشکرگاہ اور خیام کی گھبانی اپنے قوت بازو بھائی حضرت ابوالفضلؑ کے سپرد کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپؑ جانتے تھے کہ عباسؑ کے زعم سے دشمن کا بچنے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوالفضلؑ نے پوری رات خیام اور لشکرگاہ کی نگرانی کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین حضرت امام حسینؑ نے عاشورا کی رات اور عاشورا کے دن کے لیے حضرت عباسؑ کی تربیت کی تھی۔

اس رات مندر رات صمت آنے والے دن کے لیے اپنے بچوں کو تیار کرتی رہیں اور امامؑ کے اصحاب اپنے ہتھیاروں کو صیقل کرتے رہے۔

امام حسین علیہ السلام اس رات اپنی تلوار صیقل کر رہے تھے اور اپنے آپ کو شہادت کی خبر بھی دے رہے تھے۔ آپؑ نے یہ اشعار پڑھے:

یادھر اُف لك من خلیل كم لك بالاشراق والأصیل
من صاحب وطالب قتیل والدھر لا یقنم بالبديیل
وانما الأمر الی الجلیل وكلّ حی سالك سییل

”اے خائن زمانہ! تیرے ہر وقت ساتھی بدلتے رہتے ہیں۔

صبح کو کچھ ہوتے ہیں اور شام کو کچھ ہوتے ہیں۔ کچھ مر رہے

ہیں اور کچھ قتل ہو رہے ہیں۔ تمام معاملات خدا کے ہاتھ میں

ہیں اور ہر ذرہ غرض موت کی راہ پر چل رہا ہے۔“

شب عاشور کا تیسرا حصہ

امام عالی مقامؑ نے شب عاشور کا تیسرا اور آخری حصہ عبادتِ خداوندی کے

لئے مخصوص کیا تھا۔ اس حصہ میں آپؑ نماز، تلاوت، دعا اور استغفار میں معروف

رہے۔ آپؑ کے اہل بیتؑ اور آپؑ کے اصحاب نے بھی یہ حصہ عبادتِ الہی میں

برکیا۔ آپؑ کی ہمدردی میں حضرت عباسؑ سب سے ممتاز تھے۔

امامؑ اور آپؑ کے اصحاب کے خیام سے دعاؤں کی آوازیں یوں سنائی دیتی

تھیں جیسا کہ شہد کی کھپوں کی بجنناٹ کی آواز ہو۔ چنانچہ سید ابن طاووسؑ لہوف

میں لکھتے ہیں:

”امامؑ اور آپؑ کے اصحابؑ نے وہ رات رکوع و سجود، قیام و

قعود میں بسر کی اور آپؑ کے خیمہ سے تسبیح و تہلیل کی آوازیں

یوں لگتی تھیں جیسا کہ شہد کی کھپوں کی آواز آرہی ہو۔“

اس رات عمر سعد کے لشکر سے بیس نوجوان نکل کر لشکرِ حسنیؑ میں آکر شامل ہوئے۔



سیدتیہ سوال خاصیت

آپ مصمت مغربی کے مالک ہیں

”مصمت“ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی روکنے کے ہیں اور اللہ کی طرف سے بندہ کو مصمت عطا کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ خدا اپنے بندے کو ہر طرح کی مصیبت و ہلاکت سے محفوظ رکھے۔

قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام سے یہ الفاظ مقبول ہیں کہ جب آپ کے تائب بیٹے نے کشی میں بیچنے سے انکار کیا اور کہا کہ میں بچاؤ پر چڑھ جاؤں گا اور سیلاب سے بچ جاؤں گا۔ اس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

لا عاصم الیوم من امر اللہ الا من رحمہ

”آج اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہے ماسوائے

اس کے کہ خدا کسی پر رحم کرے۔“

اس آیت میں لفظ ”عاصم“ روکنے اور بچانے والے کے معانی میں استعمال ہوا

ہے۔ لفظ ”مصمت“ حفظ، طاعت، محافظت اور رکاوٹ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

اصطلاح میں مصمت ایک معنوی قوت اور روحانی ملکہ ہے۔ خدا اپنے

بندوں میں سے جسے چاہتا ہے وہ ملکہ عطا کر دیتا ہے اور اس سے انسان محبوب، گناہوں،

خطا و لغزش، سوء و لیسان اور بغاوت سے بچ جاتا ہے۔ لیکن اللہ گناہ کا اختیار سلب

نہیں کرتا۔ گناہ کی قدرت رکھتے ہوئے بھی انسان گناہوں سے محفوظ رہتا ہے۔

اختیار کا تسلیم کرنا اس لیے ضروری ہے کہ تکلیف شری کے لیے اختیار کا ہونا

ضروری ہے۔ اور اگر اختیار ہی سلب ہو جائے تو اس سے تکلیف شری کا سقوط لازم

آتا ہے، جب کہ مصومین علیہم السلام ظالیم شرعی کے مکلف تھے۔ ان کا مکلف ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ خدا نے انہیں جس عصمت سے نوازا ہے اس کے ساتھ ان سے اختیار کو سلب نہیں کیا ہے۔

جب ہم نے عصمت کا مفہوم سمجھ لیا تو اس کے بعد یہ سمجھنا ضروری ہے کہ عصمت کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم ذاتی اور واجب عصمت کی ہے اور دوسری قسم کہی اور عرضی عصمت کی ہے۔

عصمت کبریٰ کے حاملین

عصمت کی پہلی قسم ذاتی اور واجب عصمت کی ہے۔ اسے ”عصمت کبریٰ“ کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عصمت کا وارث انہما اور ان کے اوصیا کو قرار دیا ہے۔ خدا نے انہیں معصوم پیدا کیا اور انہیں عصمت کے لیے مخصوص کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمدؐ اور حضرت فاطمہؑ، زہراءؑ، حضرت علیؑ، حسینؑ کریمینؑ اور ڈسٹ طاہرہ کے آئمہ کی عصمت کو آیتِ تطہیر میں بیان کیا اور فرمایا:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ
وَيُطَهِّرَ تَهْنِئَةً ۝ (احزاب، آ ۳۳)

”اے اہل بیت! اللہ کا بس یہی ارادہ ہے کہ وہ تم سے ہر طرح کی ناپاکی کو دور رکھے اور تمہیں ایسی پاکیزگی دے جیسا کہ پاکیزگی کا حق ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے انہما کے کرام اور چودہ مصومین کو عصمت کا اعلیٰ ترین رتبہ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ولایت کا عہدہ جلیلہ عطا کیا اور انہیں اہل ایمان کی جانوں پر تصرف قرار دیا اور لوگوں کو ان کی اطاعت اور فرماں برداری کا حکم دیا۔ اور اگر ان ذواتِ عالیہ سے فطری یا صدور جائز مان لیا جائے تو اس سے لوگ خطا و بھٹاہ میں

جا پڑیں گے۔ اگر ہادی ہی غیر معصوم ہو تو پھر دم راہ ہو جائیں گے اور یہ بات خدا کی حکمت کے متافی ہے۔ اور وہ حکیم مطلق کوئی ایسا فضل سرانجام نہیں دیتا جو حکمت کے تقاضوں کے خلاف ہو۔

اللہ نے نبی اکرمؐ کو معصوم بنایا اور انھیں رسالت کی ادائیگی اور تبلیغی احکام تفویض فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے آئمہ ہدیٰ کو عصمت کا درجہ عطا کیا اور ان کی یہ ذمہ داری قرار دی کہ وہ پیغام نبوت کی حفاظت کریں۔

اگر نبی اکرمؐ اور آئمہ ہدیٰ کو خدا معصوم نہ بناتا تو پھر امتِ امتیہ اور کی بیشی میں جھلا ہو جاتی اور اگر ہادیانِ دین معصوم نہ ہوتے تو ان پر اعتماد ختم ہو جاتا۔ اور اعتماد کے فقدان کی وجہ سے شریعت و دین باطل ہو جاتا اور اس سے نبوت و امامت کا تحق لازم آتا جو کہ حکمتِ الہی کے سراسر خلاف ہے۔ اسی لیے نبی اکرمؐ اور آپؑ کے اوصیا کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ البتہ اس عصمت کا ادراک ہر کس و ناکس کو نہیں ہو سکتا۔

عصمتِ صغریٰ کے حاملین

عصمت کی دوسری قسم اکتسابی اور عرضی عصمت ہے اور یہ وہ عصمت ہے جسے خدا کے اولیا اپنی جدوجہد سے حاصل کرتے ہیں اور مشقت و تکالیف جمیل کر اس مقام کو حاصل کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں خدا کی مکمل معرفت حاصل ہوتی ہے اور وہ یقین کے بلند ترین مقام پر فائز ہوتے ہیں اور ان کے وجود کی نُس نُس یقین کی لذت سے سرشار ہوتی ہے۔ اور ان کے قلوب و ارواح میں ایمان کی خوشبو رچی بسی ہوئی ہوتی ہے۔ ان کا ایمان اخلاص کے بلند ترین درجہ کا حامل ہوتا ہے اور وہ تسلیم و رضا اور توکل کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہوتے ہیں۔

انھیں دل کی گہرائیوں سے یقین ہوتا ہے کہ خدا انھیں دیکھ رہا ہے اسی لیے

وہ اس کی نافرمانی سے گریز کرتے ہیں اور انھیں خدا کی قدرت کا یقین ہوتا ہے اسی لیے وہ اس کے احکام کی مخالفت سے پرہیز کرتے ہیں۔ انھیں محاسبہ پر اطمینان ہوتا ہے اسی لیے وہ بھلائی کے علاوہ اور کوئی کام نہیں کرتے۔ انھیں معلوم ہے کہ ہر بات کا حساب ہوتا ہے۔ اسی لیے وہ اپنی زبان کو فلفلہ باتوں سے آلودہ نہیں کرتے۔ وہ واجبات و فرائض کے ساتھ مستحبات کا بھی مکمل خیال رکھتے ہیں اور حرام تو دور کنارہ و مکروہات سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔ خدا کی عظمت و کبریائی، عزت و قدرت، علم و حکمت، حلم و غضب، رأفت و رحمت ہی ان کے افکار کا محور ہوتی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا کو عبادت کے اہل سمجھ کر اس کی عبادت کی اور اس ذات واحد کو شکر کے قابل سمجھ کر اس کا شکر ادا کیا اور اسے تعظیم و تقدیس کا حق دار سمجھ کر اس کی تعظیم و تقدیس کی۔

انھیں یہ علم ہے کہ حُب دنیا، خواہشات اور نفس و شیطان ان کے دشمن ہیں اسی لیے انہوں نے ان سے دشمنی رکھی اور دنیا سے کراہت کی اور خواہشات کی مخالفت کی اور انہوں نے اپنے آپ کو تقویٰ کا عادی بنایا۔ شیطان کی ہر قدم پر مخالفت کی اور ہر مقام پر رخصن کی اطاعت کی اور بندگان خدا کو فائدہ پہنچایا۔ مخلوق خدا کی خدمت کی اور یوں انہوں نے رخصن کو راضی کیا اور ابلیس کو رسوا کیا۔

یہ وہ خوش بخت ہیں جنہوں نے خدا کو طیب سمجھا اور اس کے نسخہ کی پیروی کی۔ ان لوگوں نے خدا کو حکیم جانا تو اس کی بیان کردہ حکمت کے موتیوں کو تلاش کیا۔ ان لوگوں نے خدا کو اپنا رب اور خالق مانا تو اس کی رضا پر عمل کیا اور اس کی ناراضگی سے اپنے آپ کو بچایا۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کو اپنا رازق اور ہادی مانا تو اس سے ٹوٹ کر محبت کی اور خدا نے جن کی محبت کا حکم دیا تھا ان سے محبت کی اور خدا نے جن سے

بعض رکھنے کا حکم دیا تھا تو اس سے بعض رکھا۔ خدا نے جن کی اطاعت کو واجب قرار دیا تھا ان کی اطاعت کی اور مخالفت کو فرض قرار دیا تھا ان کی مخالفت کی۔

یہ وہ سعادت مند ہیں جنہوں نے خدا اور اس کے دین کی مدد کی اور ان کی پوری زندگی رسول مقبول اور ان کی اہل بیتؑ کے ساتھ بسر ہوئی اور انہوں نے ان ذواتِ طاہرہ کو اپنے نفوس پر مقدم رکھا اور ان کی حفاظت کے لیے اپنے وجود کو قربان کیا اور ان کے سامنے شہادت کا جام نوش کیا۔

حضرت عباسؓ اور تہذیبِ عصمت

ہم نے جتنے اوصاف کا ذکر کیا ہے یہ سب عصمت کے لوازم میں سے ہیں اور ہم پورے ایمان سے کہتے ہیں کہ حضرت ابوالفضل العباسؓ میں تمام مذکورہ صفات بدرجہ اتم موجود تھیں۔ اس مقام کو آپؓ نے اپنی ذاتی کدوکاوش سے حاصل کیا تھا۔

ابن زیاد کی طرف سے شرمین آپؓ کے لیے امان نامہ لایا اور آپؓ کو اعلیٰ ترین سرکاری عہدوں کا لالچ دیا گیا مگر آپؓ نے کمالِ عصمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی امان اور اس کے عہدوں پر لعنت کی اور فرزندِ رسولؐ کو بے یار و مددگار نہ چھوڑا۔

آپؓ نے اپنے نفس کو تقویٰ کا اتنا عادی بنایا تھا کہ دریا میں اترے۔ اس وقت خود بھی پیاسے تھے مگر آپؓ نے فرزندِ رسولؐ اور ان کے اطفال کی پیاس کو مد نظر رکھتے ہوئے پانی نہیں پیا تھا اور گھاٹ سے پیاسے نکل آئے تھے۔

ائمہ مصومینؑ نے آپؓ کو ”مواسی“ ہم درد کا اعزاز عطا کیا جیسا کہ آپؓ کی زیارت میں یہ الفاظ وارد ہیں: فنعم الاخ المواسی۔ ”آپؓ بہترین ہم درد بھائی تھے۔“



آپؐ کی قربانی کی مثال ہی نہیں ملتی۔ آپؐ نے اللہ، کتاب اللہ، رسول اللہ اور اطاعتِ امامؑ کے لیے اپنی جان کی قربانی دی اور آپؐ شہید ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی زیارت میں آپؐ کو خطاب کر کے یہ جملے ارشاد فرمائے:

قلعن الله امة قتلتك ولعن الله امة ظلمتك ولعن الله امة استحلّت منك المحارم وانتھكت حرمة الاسلام
 ”اللہ اس گروہ پر لعنت کرے جس نے آپؐ کو شہید کیا، اللہ اس گروہ پر لعنت کرے جس نے آپؐ پر ظلم کیا، اللہ اس گروہ پر لعنت کرے جس نے آپؐ کی حرمت کا خیال نہ رکھا اور اس طرح سے اسلام کی حرمت کو پامال کیا۔“

سوال یہ ہے کہ کیا اسلام کی حرمت اتنی عام ہے کہ کسی شخص کے قتل سے وہ پامال ہو جاتی ہے۔

ہرگز نہیں، البتہ اسلام کی حرمت تب پامال ہوتی ہے جب کسی معصوم کو قتل کیا جائے۔ اگر حضرت عباسؑ اکتسابی طور پر درجہ عصمت کے حامل نہ ہوتے تو معصوم امامؑ یہ بھی نہ کہتے کہ آپؐ کے قتل سے اسلام کی حرمت کو پامال کیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ عصمتِ صغریٰ کے حامل تھے۔ چنانچہ آپؐ کو عصمتِ صغریٰ کا یہ اعزاز مبارک ہو۔



آپؐ عالم، فاضل اور فقیہ کامل تھے

حدیث میں وارد ہے:

ان العباس بن علی نزل العلم مرثاً
 ”عباس بن علیؑ کو گھٹی میں علم ملا تھا۔“
 آپؐ کے متعلق علما کا متفقہ فیصلہ ہے:
 انه كان من فقهاء اولاد الائمة
 ”آپؐ کا تعلق ائمہ کی فقیہ اولاد سے تھا۔“

حضرت عباسؑ کی یہ خصوصیت آپؐ کو آپؐ کے ہم عصر دیگر بنی ہاشم سے ممتاز کرتی ہے۔ آپؐ علم و معرفت، فضل و کمال میں فوقیت رکھتے تھے اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ آپؐ نے تین معصوم اماموں سے کسب فیض کیا تھا اور آپؐ نے تین آئمہؑ سے علم حاصل کیا تھا۔

آپؐ نے سب سے پہلے اپنے شفیق والد حضرت امیر المومنین علیؑ علیہ السلام سے علم لیا تھا۔ آپؐ سے حضرت علیؑ کا یہ فرمان مقول ہے:

”بچے کو سات سال تک کھیل کود کی اجازت دینی چاہیے پھر سات سال تک اسے ادب و تہذیب سکھانی چاہیے اور سات سال تک اس سے خدمت لینی چاہیے۔ بچے کا قد تیس برس کی عمر میں مکمل ہو جاتا ہے اور اس کی عقل پینتیس برس کی عمر میں پختہ ہوتی ہے۔ اس کے بعد تجربات سے وہ بہت کچھ سیکھتا ہے۔“

مندرجہ بالا روایت کی تائید حضرت رسول خدا کے اس فرمان سے ہوتی ہے:

”بچہ ابتدائی سات سال تک سردار ہے۔ پھر سات سال تک غلام ہے، پھر سات سال تک وزیر ہے۔ اگر اکیس برس کی عمر تک اس کا کردار و اخلاق اچھا ہو جائے تو بہتر ورنہ اس کو شوکر مار کر اپنے سے جدا کر دو۔ تم خدا کی نظر میں معذور ہو۔“

اسی فرمان کی ترجمانی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان الفاظ سے

فرمائی:

”سات برس کی عمر تک اپنے بچے کو کھیل کود کی اجازت دو۔ پھر سات سال تک اسے علم و ادب سکھاؤ۔ پھر سات سال تک اسے اپنے ساتھ رکھو اگر وہ ٹھیک رہے تو بہتر ورنہ اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔“

ایک اور روایت میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

”اپنے بچے کو چھ برس کی عمر تک کھیل کود میں مصروف رہنے کی اجازت دو۔ پھر اسے چھ سال تک کتاب کی تعلیم دو۔ پھر اسے سات سال تک اپنے ساتھ رکھو اور اسے اپنے آداب سکھاؤ۔ اگر وہ قبول کر لے اور اچھا ہو جائے تو بہتر ورنہ اس سے دست بردار ہو جاؤ۔“

ایک اور روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ صغیرنی میں پڑھا جانے والا (علم) پھر میں نقش کی طرح سے پختہ ہوتا ہے۔ جب کہ بڑی عمر میں پڑھا جانے والا اتنا مؤثر نہیں ہوتا۔

ابو الفضل حضرت عباس علیہ السلام کے والد ماجد علم النفس (نفسیات) اور



علم اجتماع (عمرانیات) کے ماہر تھے اور آپ عظیم القدر ماہر تعلیم و تربیت بھی تھے۔ حضرت عباسؓ نے چودہ برس تک والد ماجد کے زیر سایہ زندگی بسر کی تھی۔ حدیث کی رُو سے آپ سات سال کی عمر تک کھیلے کودے ہوں گے۔ پھر امیر المومنین حضرت علیؓ نے پورے سات سال تک آپؓ کو تعلیم دی ہوگی اور یہ سات سال آپؓ کی زندگی کے اہم سال ہیں۔

جب معلم علیؓ ہو اور معلم ابو الفضلؓ ہو تو خدا جانے اس معلم قدس نے اپنے لائق ترین معلم کو کیا کچھ پڑھایا ہوگا۔ باپ کے تعلیم دینے میں کمی نہ تھی اور بیٹے کی تحصیل علم میں کمی نہ تھی۔ چنانچہ عظیم القدر باپ نے جی بھر کر بیٹے کو علم دیا۔

سات سے چودہ سال تک عمر کی اہمیت

سات سے چودہ برس تک کا عرصہ ہر انسان کی زندگی میں فیصلہ کن عرصہ شمار کیا جاتا ہے۔ یہ عرصہ حصول علم و ادب کا عرصہ ہے۔ اسی عرصہ میں ایک لڑکا اپنے علمی کیریئر کا آغاز کرتا ہے اور وہ ادب و ثقافت حاصل کرتا ہے۔ احادیث میں بھی عمر کے اس حصہ کو انتہائی اہم قرار دیا گیا ہے۔ اگر کوئی لڑکا عمر کے اس حصہ میں علم حاصل کرتا ہے تو پھر اس کا مستقبل روشن ہو جاتا ہے۔ اور اگر کوئی لڑکا زندگی کے اس حصہ سے فائدہ حاصل نہیں کرتا اور اس وقت کو کھیل کود اور آوارہ گردی میں تباہ کرتا ہے تو اس کا مستقبل تاریک ہو جاتا ہے اور وہ پوری زندگی ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے۔

سات سے چودہ پندرہ سال تک کی عمر حقائق کی اطلاع حاصل کرنے کی عمر ہے۔ پندرہ برس کے بعد پڑھنے کی عمر نہیں ہے۔ اور جو لڑکا پندرہ برس کے بعد پڑھائی کا آغاز کرے تو وہ اکثر ناکام ہی رہتا ہے۔ والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو ابتدائی عمر ہی سے تعلیم و تربیت کا عادی بنائیں۔

مصومینؑ نے فرمایا: اپنے بچوں کو دین سکھاؤ قبل اس کے کہ ان پر ”مرجہ“



بقعہ کر لیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”جو بچہ علم و عبادت میں پرورش پائے یہاں تک کہ بڑا ہو جائے

اللہ تعالیٰ اسے بہتر صدیقیوں کا ثواب عطا کرے گا۔“

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے حضرت حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو وصیت

کرتے ہوئے فرمایا:

”ایک نوخیز کا دل خالی زمین کے مانند ہوتا ہے۔ اس میں

جو کچھ ڈالا جائے وہ اسے قبول کرتا ہے۔ تمہارا دل سخت ہونے

اور تمہاری عقل مصروف ہونے سے پہلے میں نے تمہیں ادب

سکھانے میں جلدی کی ہے۔“

اگر انسان عمر کے ابتدائی حصہ میں نبی اکرمؐ اور ہادیانِ دین کی تعلیمات سے

آراستہ نہ ہو اور عمر کے سات سالوں میں اپنے آپ کو اسلامی ثقافت سے مزین نہ

کرے تو اس پر دوسری ثقافتیں حملہ کر دیں گی اور غیر مسلم ثقافتیں اسے قبول حق سے

روک دیں گی اور اس کا ذہن دین کی طرف راغب نہ ہوگا۔

آج کے اسلامی معاشرہ کا یہی المیہ ہے کہ نوجوان اسلامی ثقافت سے عاری

ہو چکے ہیں اور یورپ کی غیر اسلامی ثقافت کے گردیدہ بن چکے ہیں جس کی وجہ سے

ان کے دل معرفتِ حق سے خالی ہو چکے ہیں۔

جب بچے سات سال کا ہو جائے تو والدین کو اس کی تعلیم و تربیت کا انتظام

کرنا چاہیے۔ اگر اس کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ نہ دی گئی تو وہ باطل امور اور جنسی

لذات میں منہمک ہو جائے گا۔ عمر کے اس حصہ میں جنس کے خیالات بیدار ہونے لگ

جاتے ہیں۔ اگر اس وقت اس کی مناسب تربیت نہ کی جائے تو وہ گم راہ ہو جائے گا۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نوخیز لڑکوں کی تعلیم و تربیت پر بڑا زور دیتے تھے، لہذا آپؑ سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ آپؑ نے اپنے فرزند ابوالفضل العباسؑ کی تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت کیا ہو۔ چنانچہ حضرت عباسؑ نے اپنے شفیق معلم اور مربی کی آغوش میں تعلیم و تربیت کے مراحل کی تکمیل کی۔

حضرت عباسؑ اپنے والد امیر المومنین حضرت علیؑ کے شاگرد تھے اور حضرت علیؑ رسولؐ خدا کے شاگرد تھے اور رسولؐ خدا براہ راست رب العالمین کے شاگرد تھے۔ اس لحاظ سے آپؑ بالواسطہ طور پر اللہ تعالیٰ کے شاگرد تھے۔

حضرت عباسؑ نے مسلسل سات سال تک امیر المومنینؑ سے تعلیم حاصل کی۔ امیر المومنین حضرت علیؑ کی شہادت کے وقت آپؑ کی عمر چودہ برس تھی۔ اس کے بعد حضرت عباسؑ نے اپنے شفیق اور اپنے امام بھائی حضرت حسن مجتبیٰؑ سے تعلیم حاصل کی۔ امام حسنؑ اپنے والد اور اپنے نانا کے شاگرد تھے اور آپؑ کی طبیعت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ علمائے اہل سنت نے آپؑ کے متعلق یہ جملے لکھے:

كان يطالع اللوح المحفوظ في صغر سنه

”آپؑ کم سنی میں لوح محفوظ کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔“

حضرت ابوالفضلؑ کتنے خوش نصیب ہیں کہ آپؑ کو خدا نے وہ استاد دیا جو لوح محفوظ کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔ آپؑ حضرت امام حسنؑ کی زندگی میں ان کے وزیر اور مشیر تھے اور ہر امر میں ان کے شریک کار تھے۔

الغرض، شفیق والد کے بعد آپؑ نے زندگی کا ایک طویل عرصہ اپنے بڑے بھائی اور شفیق معلم کے زیر سایہ ان کا قوت بازو بن کر بسر کیا۔ حضرت امام حسن مجتبیٰؑ کی زیر نگرانی آپؑ نے علم و ادب کے زینے طے کیے۔

حضرت امام حسن مجتبیٰؑ کی شہادت کے وقت آپؑ کی عمر چوبیس برس کی تھی۔

حضرت امام حسنؑ کی غناک شہادت کے بعد آپؑ نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے کسب فیض حاصل کیا اور زندگی کے آخری لمحہ تک حضرت امام حسین علیہ السلام کے فیوضات سے مستفید ہوتے رہے۔

خدا جانے عین مصومینؑ سے کسب فیض حاصل کرنے کے بعد آپؑ "علم وادب کے کتنے بڑے درجات پر فائز ہوں گے۔ آپؑ کی زندگی کا اختتام شہادت پر ہوا۔ آپؑ نے اپنے خون کے پاکیزہ قطروں سے اور اپنے کٹے ہوئے بازوؤں سے دین کی نصرت اور اپنے امامؑ کی حفاظت کی تھی۔

آپؑ کی فصاحت و بلاغت

فصاحت و بلاغت میں آپؑ اپنے والد کے شاگرد تھے۔ حضرت علیؑ کی فصاحت و بلاغت محتاج بیان ہی نہیں ہے جس کے خطبوں کے مجموعہ کو دنیا "نسخ البلاغہ" کے نام سے یاد کرتی ہو، اس کی بلاغت کو انسان بیان کرے تو کیا کرے۔

حضرت عباسؑ علم دارؑ نے بلاغت اپنے والد سے میراث میں پائی تھی۔ آپؑ کا کلام حسنِ تعبیر اور سلاست کا شہ پارہ ہوتا تھا۔ فاضل در بندی اسرار العہادۃ میں لکھتے ہیں: روز عاشورا ایک شخص حضرت ابوالفضلؑ کے مقابلہ پر آیا۔ اسے اپنی دلیری اور بلاغت پر بڑا ناز تھا۔ اس نے ابوالفضلؑ کے سامنے گیدڑ سمجھکیوں کا اظہار کیا اور کہا: میں بہت دلیر، جری اور بڑا انسان ہوں۔ اگر آپؑ کو سلامتی مطلوب ہے تو آپؑ میرے سامنے ہتھیار ڈال دیں۔

شیر خدا کے فرزند نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے پوری دلچسپی اور دلیری سے

جواب دیا:

"اے شخص! تیری لاف گزاف سے میں ڈرنے والا نہیں ہوں۔ تیری ساری گفتگو سراب کے مانند ہے جو دور سے پانی



معلوم ہوتا ہے وہاں جانے پر پتا چلتا ہے کہ رعیت چمک رہی تھی تو یہ سمجھتا ہے کہ میں حیرے سا بننے جھگڑا ڈال دوں گا۔
حیری اس خواہش کا پورا ہونا ناممکن اور محال ہے۔

اے خدا اور رسول خدا کے دشمن! اچھی طرح سے سن لے میں جری اور بہادروں سے مقابلہ کرنے کا حامی ہوں۔ میں جنگ کی تکالیف پر صبر کرنے والا ہوں اور جس میں یہ مقابلہ کامل ہوں وہ کسی بھی مقابلے سے نہیں ڈرا کرتا۔ میں رسول خدا سے اقبال رکھتا ہوں۔ میں شجرہ نبوت کا شجر ہوں اور جو شجرہ نبوت کا پھل ہو وہ کبھی بھی عار اور ملامت کو برداشت نہیں کر سکتا۔

میں علی بن ابی طالب کا فرزند ہوں، میں مقابلہ کرنے والوں کے مقابلہ سے عاجز ہونے والا نہیں ہوں اور میں شمشیر و سناں کی ضربوں سے طول خاطر ہونے والا نہیں ہوں۔ میں نے چشم زدن کے لیے بھی کسی کو اللہ کا شریک نہیں بنایا اور میں نے آج تک فرمان رسول کی کبھی مخالفت نہیں کی۔ میں اسی درخت کا ایک پتا ہوں اور پتے ہمیشہ ٹھنڈوں پر ہی ٹکا کرتے ہیں۔ میں نے زندگی سے کبھی پیار نہیں کیا اور موت سے کبھی پریشان نہیں ہوا۔ تم سے جو بھی ممکن ہو کر لے۔“

الغرض آپ کی اس سے لڑائی ہوئی اور فریقین نے ایک دوسرے پر تابد توڑ ملے کیے۔ آخر کار آپ نے اس پر ایسا کاری وار کیا کہ وہ واصل جہنم ہوا۔

چمکنے سورج کا انکار ناممکن ہے

ہمارے ساتھ بیانات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو چکی ہے کہ آپ علم کے

میں اٹھی تھے اور آپؐ کے وہود مقدس سے علم و فضل، حکمت و دانش کی کرنیں دنیا کو روشن کرتی تھیں۔ آپؐ نے علم کی سب سے اعلیٰ ڈگری حاصل کی تھی۔ آپؐ حیدری، حسنی، ہور حنفی یعنی ور شیوں کے فارغ التحصیل تھے۔ آپؐ جامعہ رسول اللہ کے فارغ التحصیل تھے۔ آپؐ بیک وقت تین اماموں کے شاگرد تھے۔ دنیا میں کچھ شہرہ چم افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں سورج دکھائی نہیں دیتا اور وہ اپنی حقیر موم بیوں پر ہی ناز کرتے ہیں۔

چنانچہ علما نے اس طرح کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ کربلا سے مدینہ کے حوزہ علمیہ میں ایک شخص اپنے آپ کو علم و فضل کے آخری درجہ پر سمجھتا تھا۔ ایک مرتبہ چار علما کے سامنے حضرت عباس علم دار اور ان کے معارف الہیہ اور ان کی دینی عظمت کا ذکر چھڑا تو اپنے علم پر ناز کرنے والے مغرور شخص نے اپنے علم و عمل پر ناز کرتے ہوئے کہا کہ بھلا میں ابو الفضلؑ سے کیا کم ہوں۔

اگر وہ صاحب علم تھے تو میں بھی عالم ہوں۔ اگر وہ قاری قرآن اور شب زندہ دار تھے تو یہ صفات مجھ میں بھی تو موجود ہیں البتہ انہیں شہادت کا اضافی درجہ ملا تھا۔

تمام علما نے لاجول و لا قوا کا ورد کیا اور اس سے کہا کہ اس طرح کی مٹنی بکھارنا صحیح نہیں ہے۔ آپؐ نے علما سے علم حاصل کیا جب کہ حضرت عباسؑ نے آئمہؑ سے علم حاصل کیا۔ آپؐ کا علم غنی ہے اور ابو الفضلؑ کا علم فقیر ہے۔

لیکن وہ مغرور شخص اپنے دعویٰ پر قائم رہا۔ محفل پر خاست ہوئی اور ہر شخص اپنے اپنے گھر چلا گیا اور ہر شخص کو اس کے دعویٰ پر تعجب تھا۔ صبح ہوئی تو گزشتہ شب کے تمام شرکا اس کے گمریہ دیکھنے کے لیے گئے کہ چاکر دیکھیں کہ اس مٹنی باز کا کیا انجام ہوا؟

دروازے پر دستک دی تو اس کے اہل خانہ نے بتایا کہ وہ صبح سویرے اٹھ کر حضرت ابوالفضلؑ کے روضہ پر گیا ہے۔ یہ سنا تو سب دوست حضرتؑ کے روضہ پر آئے اور وہاں پہنچ کر انھوں نے یہ منظر دیکھا کہ اس نے اپنے گلے میں رسی باندھ رکھی ہے جب کہ رسی کا دوسرا سرا حضرتؑ کی ضریح مطہر کے ساتھ بندھا ہوا ہے اور زور زور کر اپنے گناہوں اور بے ادبی کی معافی مانگ رہا ہے۔

دوستوں نے اس سے اس کا حال معلوم کیا تو اس نے بتایا: جب میں تم سے جدا ہو کر اپنے گھر میں آیا اور بستر پر سویا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ اہل علم کی بہت بڑی محفل لگی ہوئی ہے۔ اجے میں ایک بزرگوار تشریف لائے۔ تمام علمائے اٹھ کر ان کا استقبال کیا۔ آنے والے کے چہرے سے خدائی نور نکلتا رہا تھا۔ چنانچہ وہ بزرگوار سکون سے چلتے ہوئے آ رہے تھے۔ صدر مجلس میں ان کے لیے ایک کرسی رکھی گئی تھی۔ وہ آ کر اس کرسی پر بیٹھ گئے۔

آنے والا اتنا جلالت مآب تھا کہ پوری محفل پر سناٹا چھا گیا اور یوں لگا کہ لوگوں کے سروں پر پردے بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے حاضرین میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ یہ بزرگوار کون ہیں؟ مجھے جواب دیا گیا کہ یہ حضرت ابوالفضلؑ العباس بن امیر المومنینؑ ہیں۔

جب میں نے آپؑ کا نام سنا اور آپؑ کے جلال کو دیکھا تو میں کاہنے لگا کیونکہ میں ان کے حق میں بے ادبی کر چکا تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ آپؑ نے محفل میں شریک ایک ایک فرد کو سلام کیا اور جب میری باری آئی تو آپؑ نے میرا نام لے کر فرمایا تو کیا کہتا ہے؟

قریب تھا کہ میں فحش کر جاتا لیکن خدا کا فضل میرے شامل حال ہوا اور جو کچھ میں نے محفل میں کہا تھا وہ سب بلا کم و کاست ان سے بھی کہہ دیا اور ان سے

معافی بھی مانگی۔ اس وقت آپ مسکرا دیے اور میری محضرت قبول کرتے ہوئے فرمایا: اگر تو اپنی باتوں پر نام ہے اور توبہ کرتا ہے تو خدا تجھے معاف کر دے گا۔ لیکن یہ سمجھ لے کہ تو نے میرے متعلق غلط اندازے قائم کیے ہیں۔ تو نے اپنے اور میرے علم کا موازنہ کیا ہے۔ میں نے اصل منبع سے علم حاصل کیا ہے اور میں نے محدث و سرچشمہ سے فضیلت حاصل کی ہے۔ میں نے رسول خدا کے شاگرد نفس رسول سے تعلیم حاصل کی ہے۔ ان کے بعد میں نے اپنے دو امام بھائیوں سے علم حاصل کیا ہے۔ میرے ان بھائیوں کو جانتے ہو وہ جو انانہ جنت کے سردار اور گلشنِ خضر کے پھول ہیں۔ میں نے اپنے آئمہ اور اپنے آقاؤں سے معارفِ الہیہ اور تعلیماتِ اسلام حاصل کی ہیں۔ اسی لیے مجھے یقین اور بصیرت کا مقام حاصل ہے۔

اس کے برعکس تو نے ان لوگوں سے علم حاصل کیا ہے جو یقین کی دولت سے خالی تھے۔ ان کی طرح تُو بھی یقین کی دولت سے خالی ہے۔ تیرا سارا دار و مدار اصول و قواعد پر ہے اور یہ اصول و قواعد احکام سے جا مل افراد کے لیے مقرر کیے گئے ہیں اور جب تو واقعیت تک نہیں پہنچ سکتا تو تُو ان اصول و قواعد کا سہارا لیتا ہے۔ جب کہ مجھے اپنے علم کے لیے ان اصول و قواعد کی ضرورت نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے احکام کا علم مصدرِ وحی اور محدثانِ نبوت و رسالت سے حاصل کیا ہے۔

علاوہ ازیں میں نے ان سے تزکیہ نفس کی تعلیم حاصل کی ہے جو خدا کے شاگرد تھے اور ان کے نفوس کا براہِ راست خدا نے تزکیہ کیا تھا اور انھیں ہر ناپاکی سے دُور رکھ کر تطہیر کا مالک بنایا تھا اور میں ان سے تعلیم حاصل کر کے مہذب و مودب بنا ہوں اور میں اتنے اخلاقی مالک کا مالک ہوں کہ اگر میں انھیں تم لوگوں میں تقسیم کروں تو تم انھیں اٹھانہ سکو گے۔

اس کے برعکس حیر افس ابھی تک پاک نہیں ہے۔ حیرے اندر ابھی تک ایسی صفات رذیلہ موجود ہیں جو خدا کو ناپسند ہیں۔ حیرے اندر غروں، ریا اور ناحق بحث جیسی خراب صفات موجود ہیں۔

بعد ازاں حضرت ابوالفضلؑ نے میرے منہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ اٹھ اور خدا سے توبہ کر اور ان صفات رذیلہ کو اپنے دل سے نکال دے جو خدا کو ناپسند ہیں۔ چنانچہ جیسے ہی خواب ختم ہوا میں خوف زدہ ہو کر بھہار ہوا اور توبہ کرنے کے لیے حضرت عباسؑ کے روضہ اطہر پر آیا اور حضرتؑ کے توسل سے خدا سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کر رہا ہوں کہ خدا مجھ سے راضی ہو جائے اور میری غوات پر میرا مواخذہ نہ کرے۔ میں حضرت ابوالفضلؑ سے معافی کا خواست گار ہوں اور خدا کے حضور توبہ کرتا ہوں۔

ان دو میں سے بڑا عالم کون تھا؟

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمائیں: ایک مرجہ اہل علم کی ایک محفل میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ ان دو شخصیات میں سے بڑے عالم کون تھے؟ کیا حضرت ابوالفضل العباسؑ بڑے عالم تھے یا حضرت سلمان قاریؑ؟

محفل میں موجود ایک صاحب علم نے کہا: میرے خیال میں حضرت سلمان قاریؑ بڑے عالم تھے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت رسول اکرمؐ نے ان کے متعلق فرمایا تھا: سلمان منا اهل البيت ”سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہے۔“

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے سلمانؑ کے متعلق یہ الفاظ فرمائے تھے:

ادرك سلمان العلم الاول والاخر وهو بحر لا ينزح وهو

منا اهل البيت

”سلمانؑ نے اولین و آخرین کا علم پایا ہے اور وہ نہ ختم ہونے

والا سمندر ہے اور وہ ہم اہل بیت میں سے ہے۔“

مصومین نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ سلمانؓ لقمان حکیم کے مانند تھے۔ جس صاحب علم نے یہ رائے دی تھی اس نے چند ہی روز میں اپنی رائے بدل دی۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ آپ نے اپنی رائے کیوں تبدیل کی ہے؟ اُس نے کہا: خدا نے مجھے اس لغزش سے بچانا تھا جس دن میں نے اپنا یہ نظریہ پیش کیا تو اس رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت بڑی مالی شان محفل جمی ہوئی ہے۔ حضرت ابوالفضل العباسؓ صدر محفل میں پورے جلال کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ میں نے دیکھا کہ حضرت سلمانؓ ایک فلام کی طرح ان کے سامنے کھڑے ہوئے ہیں اور ان کے احکام پر عمل کر رہے ہیں۔

میں یہ منظر دیکھ کر حیران ہوا تو حضرت سلمانؓ نے ہاتھ کے اشارہ سے مجھے اپنے پاس بلایا اور انہوں نے مجھ سے فرمایا: ”تمہیں میرے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ سچ ہے کہ میں نہ ختم ہونے والا سمندر ہوں مگر اپنے ہی پیسے افراد کے لیے میں ایسا ہوں۔ میں ابوذرؓ، حذیفہؓ، عمارؓ اور ابن مسعودؓ کے لیے نہ ختم ہونے والا سمندر ہوں اور جہاں تک فرزدہ امیر المومنین حضرت ابوالفضل العباسؓ کے ساتھ موازنہ کا تعلق ہے تو میں ان کے خادم ہونے اور ان کا ادنیٰ شاگرد ہونے پر فخر کرتا ہوں۔ میں ان سے علم و فضل کی خیرات حاصل کرنے والا ہوں۔“

.....●.....

انتقالیسواں خصیصہ

آپ عالم باعمل تھے

اسلام دین علم ہے اور ہادیان دین سے یہ الفاظ معقول ہیں:

طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة

”طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے۔“

علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر واجب بھی ہے۔ جس طرح سے ہر مسلمان پر نماز، روزہ فرض ہے اسی طرح سے ہر مسلمان پر علم حاصل کرنا واجب ہے اور علم کا تارک نماز کے تارک کے مانند ہے۔

حضرت رسول اکرم کا فرمان ہے:

انما العلم ثلاثة آية محكمة او فريضة عادلة او سنة

قائمة وما خلاهن فضل

”مفید علم میں تین چیزیں شامل ہیں: ۱ آیت محکمہ کا علم

۲ فريضة عادلة کا علم ۳ سنة قائمة کا علم۔ اس کے علاوہ

باقی علم اضافی ہے۔“

حضرت امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے:

ثلاث بهن يكمل المسلم التفقه في الدين والتقدير في

المعيشة والصبر على النوائب

”ایک مسلمان تین چیزوں سے کامل ہوتا ہے: ۱ دین کی سمجھ

۲ معیشت کی صحیح منصوبہ بندی ۳ مصائب پر صبر کرنا۔“

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:

وجدت علوم الناس كلها في اربع اولها ان تعرف ربك
والثانية ان تعرف ما صنع بك والثالثة ان تعرف ما اراد
منك والرابعة ان تعرف ما يخرجك من دينك

”لوگوں کے جملہ علوم کا خلاصہ چار باتوں میں مضمر ہے: پہلی
بات یہ ہے کہ تمہیں اپنے رب کی معرفت ہونی چاہیے۔
دوسری بات یہ ہے کہ تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ خدا نے تم
سے کیا سلوک کیا ہے؟ تیسری بات یہ ہے کہ تمہیں معلوم ہونا
چاہیے کہ تمہارا رب تم سے کیا چاہتا ہے؟ چوتھی بات یہ ہے کہ
تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ کون سے اقدامات تمہیں دین
سے خارج کر سکتے ہیں۔“

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ”علم ہر قیمتی مال کی بنیاد ہے
اور ہر بلند مقام کی انتہا ہے۔“

علم کی اسی اہمیت کے پیش نظر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
”علم طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔“

اس کا مقصد یہ ہے کہ اس سے تقویٰ اور یقین کا علم مراد ہے۔ یہ تین اشیا کا
علم ہے:

❖ وہ چیزیں جنہیں دلیل سے جاننا ضروری ہے

اصول دین کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ اصول دین
پانچ ہیں۔ انہیں دلیل و برہان سے جاننا ضروری ہے۔ ہر انسان کے لیے فرض ہے
کہ وہ یہ جانے کہ اللہ وحدہ لا شریک ہے اور وہ عالم، قادر، مرید، مدبر، حی و قیوم،

غنی و عظیم اور صادق و سرمدی ہے۔ اسے نہ تو اُدگھ آتی ہے اور نہ ہی اس پر نیند طاری ہوتی ہے۔ اور یہ کہ وہ عادل ہے کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔

اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے انبیاء و رسل کو روانہ کیا۔ اللہ نے لوگوں کی رہنمائی کے لیے انبیاء پر کتابیں نازل کیں۔ نبوت کا سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہوا اور حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰؐ پر ختم ہوا۔

اللہ نے انبیاء کے لیے معصوم اوصیا مقرر کیے۔ ہمارے نبیؐ کے اوصیا کی تعداد بارہ ہے۔ آں حضرتؑ کے پہلے وحی حضرت علیؑ اور آخری وحی مہدیؑ ملختر ہیں۔ آپ ہی کے ذریعہ سے ظلم و جور سے بھری دنیا عدل و انصاف سے بھر جائے گی۔ بارہ آئمہ کے ساتھ حضرت سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا بھی معصوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی پاکیزگی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ
وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۝ (احزاب، آیہ ۳۳)

”اے اہل بیت! اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر طرح کی ناپاکی کو دور رکھے اور تمہیں ایسی پاکی عطا کرے جیسا کہ طہارت کا حق ہے۔“

رسول اکرمؐ سمیت اس اُمت میں معصومین کی تعداد چودہ ہے۔ اس کے ساتھ یہ عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جزا و سزا کے لیے ایک دن مقرر کیا ہے جسے روز قیامت کہا جاتا ہے۔ اس دن نیک افراد کو جزا اور بدکار افراد کو سزا دی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۖ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ

الْقِيَمَةُ فَمَنْ مَخْرَجَ عَنِ النَّارِ وَأَدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ
وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْفُورِ (آل عمران، آیہ ۱۸۵)
”ہر جان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ قیامت کے دن تمہیں
تمہارا پورا پورا اجر دیا جائے گا جسے دوزخ سے بچا لیا جائے
اور جنت میں داخل کر دیا جائے تو وہ کامیاب ہے۔ دنیاوی
زندگی بس دھوکے کا ساز و سامان ہے۔“

ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ توحید، عدل، نبوت، امامت اور قیامت کا
تعلق اُن اصول و عقائد سے ہے جہاں تقلید غیر ضروری ہے۔ ان عقائد کے لیے
دلیل و برہان کی ضرورت ہے۔

❖ وہ چیزیں جن پر عمل ضروری ہے

ہر مسلمان کو اپنے شرعی احکام کا علم ہونا چاہیے اور فروع دین کی تعداد دس
ہے: ① نماز ② روزہ ③ حج ④ زکوٰۃ ⑤ غُص ⑥ جہاد ⑦ نیکی کا حکم دینا ⑧
برائیوں سے روکنا ⑨ اللہ کے پیاروں سے محبت رکھنا ⑩ اللہ کے دشمنوں سے
بیزاری۔

الغرض اصول دین کے علاوہ دین کے باقی مسائل کا تعلق فروع سے ہے اور
ہر مسلمان کا اپنے شرعی مسائل سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔ اس مقام پر یہ عرض کرنا
مناسب ہے کہ فروع دین میں تقلید کرنا جائز ہے اور تقلید کے لیے کسی جامع الشرائط
مرجع کا انتخاب کرنا چاہیے اور اس سے مسائل و احکام حاصل کرنے چاہئیں۔

فروع دین میں ہر شخص پر اجتہاد واجب نہیں ہے اور ان کی دلیل و برہان کو
تلاش کرنا ضروری نہیں ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے خصوصی رعایت ہے کیونکہ فروع
دین زیادہ ہیں اور ان سب کو دلیل و برہان سے حاصل کرنا انسان کے لیے مشکل

ہے۔ اسی میں ان کے لیے جامع شرائط مرجع کی تقلید کی اجازت دی گئی ہے۔

❖ ۳۔ وہ چیزیں جن کا جاننا ضروری ہے

انفرادی اور اجتماعی اخلاق کے لیے ہر مسلمان کے لیے حسب ذیل چیزوں کا جاننا ضروری ہے:

① اللہ سے رابطہ کا طریقہ کیا ہو اور کتاب، دین، رسل اور اولیا سے کس طرح کا سلوک روا رکھنا چاہیے۔

② ہر انسان کو یہ جاننا چاہیے کہ اس کا خود اس کی ذات، روح، فکر و عقل، جذبات و ضروریات، احساس و جوارح سے کس طرح کا ارتباط ہونا چاہیے؟

③ والدین، رشتہ داروں، بھائی بہنوں، بیوی، اولاد، احباب اور شریک کار افراد، معلم و استاد، حاکم و سلطان اور معاشرے کے دیگر افراد سے کس طرح کا سلوک روا رکھنا ہے؟ اس کا علم ہر مسلمان کو ہونا چاہیے۔

④ خرید و فروخت، صنعت و حرفت، لین دین اور سفر و حضر کے لیے کیا طریق کار ہونا چاہیے؟ انسان کو اس کا بھی علم ہونا چاہیے۔

ہمیں اس حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ہادیان دین نے ہمیں انفرادی اور اجتماعی آداب کی تعلیم دی ہے جن میں اعلیٰ اخلاق اور محاسن آداب کی پاسداری کا حکم دیا گیا ہے۔ ہم اپنے اجتماعی و معاشرتی اخلاق و آداب کے لیے خود کفیل ہیں۔ ہمیں فصیلی اسلام سے باہر جھانکنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ معاشرتی حقوق جاننے کے لیے حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام کا رسالۃ الحقوق ایک اہم اور بنیادی دستاویز ہے۔ ہر مسلمان کو پوری گہرائی اور دلجمعی کے ساتھ اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ یقیناً یہ رسالہ انفرادی اور اجتماعی سعادت کا ضامن ہے۔

میری تجویز ہے کہ ہمیں جدید تعلیمی ادارے قائم کرنے چاہئیں جہاں نوجوانوں کی تربیت ”رسالۃ الحقوق“ کی اساس پر کی جائے۔ ہمیں اپنے جوانوں کی زندگی میں اس کی مکمل تطبیق دکھائی دینی چاہیے۔ اگر ہماری زندگیاں ”رسالۃ الحقوق“ کے مطابق بن جائیں تو یقین کریں کہ ہم دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

حضرت ابوالفضلؒ اور مذکورہ تین علوم

ہم سابقہ صفحات میں یہ لکھ چکے ہیں کہ حضرت ابوالفضل العباسؒ مذکورہ تینوں علوم اصول دین، فروع دین اور اخلاق و آداب میں رسول خدا کے قائم کردہ ادارے اور اہل بیت طاہرین کی قائم کردہ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل تھے۔ آپؒ نے تین آئمہ ہدیٰ سے کسب فیض کیا تھا۔ آپؒ عالم کمال، فقیہ فاضل اور عالی قدر استاد اور جملہ علوم اسلامی کے حامل تھے۔ یہ علم و عمل کی جہت ہے اور جہاں تک عمل اور تطبیق خارجی کا تعلق ہے تو یہ ایک حقیقت ہے کہ آپؒ نے پوری زندگی اپنے علم پر عمل کیا تھا۔ آپؒ کا کوئی بھی قول و فعل آپؒ کے علم کے خلاف نہیں تھا۔

علم کے لیے عمل کی اہمیت

علم کے لیے عمل انتہائی ضروری ہے۔ ہادیان دین کا فرمان ہے:

علم، عمل سے متصل ہے، جس نے علم حاصل کیا اس نے عمل کیا، جس نے عمل کیا اسے علم حاصل ہوا۔ علم عمل کی دعوت دیتا ہے۔ اگر کوئی اس دعوت کو قبول کرتا ہے تو علم اس کے پاس ٹھہرتا ہے ورنہ رخصت ہو جاتا ہے۔

ائمہ ہدیٰ کا فرمان ہے: عالم بے عمل اس درخت کے مانند ہے جس پر ثمر نہ ہو۔ ایک اور حدیث میں یہ کہا گیا کہ انجیل میں لکھا ہوا ہے کہ جب تک سابقہ علم پر

عمل نہ کرلو اس وقت تک نیا علم حاصل نہ کرو۔ جس علم پر عمل نہ کیا جائے وہ اپنے حال کے کفر میں اضافہ کرتا ہے اور ایسا علم خدا سے دور کرتا ہے۔

معمومین سے مروی ہے کہ عالم دو طرح کے ہیں: ایک عالم وہ ہے جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے۔ ایسا شخص ناجی ہے۔ ایک عالم وہ ہے جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتا تو یہ ہلاک ہونے والا ہے۔ اہل دوزخ بے عمل عالم کی بدلو سے اذیت محسوس کریں گے اور اہل دوزخ میں سے سب سے زیادہ حسرت و ندامت میں وہ عالم مبتلا ہوگا جس نے کسی کو اللہ کی دعوت دی ہوگی اور اس نے اس دعوت کو قبول کیا ہوگا اور اللہ کی اطاعت کر کے جنت میں چلا گیا ہو، جب کہ خود دعوت دینے والا اپنی بے عملی کی وجہ سے جہنم میں ہو۔

یاد رکھو خواہشات کی بھڑوی حق سے روک دیتی ہے اور امیدوں کا پھیلاؤ آخرت کو فراموش کرا دیتا ہے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے منبر کوفہ پر فرمایا: لوگو! جب علم آجائے تو اپنے علم پر عمل کرو تا کہ تمہیں ہدایت مل سکے۔ بے عمل عالم اس سرگردان جاہل کی طرح سے ہوتا ہے جسے اپنی جہالت سے فرصت نصیب نہ ہو۔ ایسے شخص پر حجت زیادہ ہے اور اس کی حسرت دائمی ہے۔

اضطراب سے بچو ورنہ شک کرنے لگو گے اور شک سے بچو ورنہ کافر بن جاؤ گے۔ اپنے آپ کو چھوٹ مت دو ورنہ سُستی میں مبتلا ہو جاؤ گے اور حق میں سُستی نہ کرو ورنہ خسارے میں پڑ جاؤ گے۔ حق کا تقاضا یہ ہے کہ دین میں سمجھ بوجھ پیدا کرو۔ اور سمجھ بوجھ کا تقاضا یہ ہے کہ دھوکے میں نہ رہو۔ تم میں سے اپنا سب سے بڑا بچی خواہ وہ ہے جو تم میں سے اپنے رب کا زیادہ اطاعت گزار ہے اور تم میں سے اپنے آپ کو سب سے زیادہ دھوکا دینے والا وہ ہے جو اپنے رب کا زیادہ نافرمان

ہے۔ جو اللہ کی اطاعت کرے گا اسے امن ملے گا اور خوشی نصیب ہوگی اور جو کوئی اللہ کی نافرمانی کرے وہ ناکام ہوگا اور عداوت اٹھائے گا۔

رہبرانِ دین کا فرمان ہے کہ اللہ معرفت کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں کرتا اور معرفتِ عمل کے بغیر ممکن نہیں ہے جسے معرفت حاصل ہوگی تو وہ معرفت اسے عمل کی ترغیب دے گی اور جو عمل نہ کرے وہ بے معرفت ہے۔ آگاہ رہو کہ ایمان کے اجزاء کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔

معصومین سے منقول ہے کہ جس نے اپنے علم پر عمل کیا تو جو کچھ وہ نہیں جان سکا وہ اسے کوئی نقصان نہ دے گا۔

روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: مجھے ایک پتھر دکھائی دیا جس پر لکھا ہوا تھا: مجھے الٹ دو۔ میں نے پتھر کو اٹھایا تو وہاں یہ لکھا ہوا دیکھا: جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتا اس کے لیے باقی علم کی طلب باصطِ نحوست ہے اور جو علم وہ حاصل کر چکا ہے وہ قبول نہیں ہے۔

آئمہ ہدیٰ سے مروی ہے کہ جس نے علم حاصل کر کے عمل کیا تو آسمانی ملکوت میں اسے ”عظیم“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی:

”بے عمل عالم کو میں سترِ حسم کی سزائیں دوں گا، میں اس کے دل سے اپنے ذکر کی لذت خارج کر دیتا ہوں اور صحیح عالم وہ ہے جس کی زبان نہ بولے اس کے نیک اعمال اور پاکیزہ اوراد اس کی صداقت اور پرہیزگاری کی خبر دیں۔“

رہبرانِ دین کا فرمان ہے: علم زمین پر اللہ کی ودیعت ہے اور علماء اس امانت کے امین ہیں جس نے اپنے علم پر عمل کیا تو اس نے امانت کی ادا نگہی کی اور جس نے

علم پر عمل نہ کیا تو اس کا نام خیانت کاروں میں لکھا جاتا ہے۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کا فرمان ہے:

لا تجعلوا علمکم جهلا و یقینکم شکا اذا علمتم فاعملوا

واذا تیقنتم فاقدموا

”اپنے علم کو جہالت اور اپنے یقین کو شک میں تبدیل نہ کرو جب علم آجائے تو عمل کرو اور جب یقین آجائے تو اقدام کرو۔“

حدیث میں وارد ہے:

”تمام لوگوں میں سے زیادہ عذاب اُس عالم کو دیا جائے گا جو

اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔“

جس علم پر عمل نہ کیا جائے وہ اس خزانے کے مانند ہے جسے انسان بڑی محنت

سے حاصل کرے پھر اس سے فائدہ نہ اٹھائے۔ جو عالم علم رکھنے کے باوجود عمل نہیں

کرتا اس کی مثال اس شمع کی سی ہے جو لوگوں کو روشنی دیتی ہے لیکن اپنے آپ کو جلا

دیتی ہے۔ جو بھی شخص علم حاصل کر کے دنیا کی رغبت میں ڈوب جائے وہ خدا سے

بہت دُور ہو جاتا ہے۔

ہر علم اپنے حامل کے لیے وبال ہے سوائے اس کے جس پر عمل کیا جائے۔

تمام لوگوں میں سب سے بڑا بد نصیب شخص وہ ہے جس کے علم کی تو شہرت ہو لیکن

اس کا عمل غیر معروف ہو۔

الغرض، حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام مذکورہ بالا احادیث سے بخوبی

واقف تھے۔ آپؑ نے امامت کی یونیورسٹی سے علم حاصل کیا تھا۔ اسی لیے آپؑ

کی پوری زندگی عمل سے عبارت تھی۔ آپؑ کی پوری زندگی اس امر کی شاہد ہے کہ

آپؑ نے قدم قدم پر اپنے علم کے مطابق کیا تھا اور آپؑ کی پوری زندگی حرمِ امامت کے تحفظ میں بسر ہوئی تھی۔ آپؑ نے امام حق کی حفاظت کے لیے اپنا پورا کنبہ قربان کیا۔ آپؑ نے امام زمانہؑ کے تحفظ کے لیے اپنے بیٹوں اور بھائیوں کی قربانی دی تھی اور جب دیکھا کہ امامؑ کی حفاظت کے لیے یہ قربانی بھی ناکافی ہے تو آپؑ نے اپنی جان راہِ حق میں قربان کر دی اور رہتی دنیا تک حرفِ وفا کو سر بلندی دی۔

آپؑ اگر چاہتے تو اموی حکومت کی مخالفت میں ابنِ زہیر کی طرح اپنی الگ حکومت بھی قائم کر سکتے تھے۔ اگر ابنِ زہیر حکومت بنانے میں کامیاب ہو گیا تھا تو آپؑ اس سے کہیں زیادہ حکومت کی صلاحیت رکھتے تھے لیکن آپؑ نے حکومت اور سربراہی کی کبھی کوشش ہی نہ کی تھی۔

اس وقت کی لعین حکومت کی طرف سے آپؑ کو امان کی پیش کش ہوئی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ عہدہ و منصب کا وعدہ بھی کیا گیا تھا لیکن آپؑ نے امان اور منصب کو پائے حقارت سے ٹھکرا کر حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت کو ترجیح دی تھی اور امامؑ کے سامنے اپنی جان قربان کر کے آپؑ نے شہادت کا انکار حاصل کیا تھا۔

آپؑ نے اپنے عمل سے کائنات کو وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (ہو جاؤ سچوں کے ساتھ) کی آیت پر عمل کرنے کا سلیقہ سکھایا۔ آپؑ نے علم کے قاصدوں پر عمل کر کے اس وقت کے تمام لوگوں سے امتیاز حاصل کیا اور رسولِ خدا، بی بی فاطمہ زہراؑ اور ائمہ اہل بیتؑ سے کئی اعزاز حاصل کیے۔

آپؑ اگرچہ نہ تو نبی تھے اور نہ ہی امام، اس کے باوجود آپؑ نے اپنے عظیم کردار سے عظیم مقامات کو حاصل کیا اور ائمہ طاہرینؑ سے اپنی عظمت کا سکہ منوایا۔



آپؐ کے عظیم کردار کے بعد کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نبی و امام تو نہیں ہوں، میں بھلا اللہ کے ہاں عظیم رتبہ کیسے پاسکتا ہوں۔
حضرت ابو الفضلؒ نے زبانِ حال سے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ لوگو! مجھے دیکھو میری مثال تمہارے سامنے موجود ہے۔ میں نہ تو نبی ہوں اور نہ ہی امام، پھر بھی میں نے خدا کے ہاں عظیم رتبہ حاصل کیا ہے۔



www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

چالیسواں خصیصہ

آپ اللہ، رسول اور ائمہ کی نظر میں صاحبِ وجاہت ہیں

حضرت ابو الفضل العباسؑ نے اپنے راسخ ایمان، مضبوط عقیدے، اخلاقِ کریمہ اور اپنے معارف پر حرف بہ حرف عمل کر کے خدا، رسول اور آئمہ کی نظر میں مقامِ عظمت حاصل کیا۔ چنانچہ آپ اللہ، رسول اور خالقونِ جنت اور ائمہ طاہرین کی نظر میں صاحبِ وجاہت ہیں۔

حضرت ابو الفضلؑ کو وجاہت کا وہ درجہ ملا ہے جو آج تک نبی و وصی کے علاوہ اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ اس وجاہت کے چہرے نے ہم ذیل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

حضرت عباسؑ کا خدا کی نظر میں مقام

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوْ اقْتُلُوا مَنْ
وِيَا رَحْمَةٍ مَّا فَعَلُوا إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا
يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ۖ وَإِذَا
لَأَتَيْنَهُمْ مِّن لَّدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ۖ وَلَهُدَيْنَهُمْ صِرَاطًا
مُّسْتَقِيمًا ۖ وَمَنْ يُؤْمَرْ بِاللَّهِ وَالرَّسُولِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ
أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّالِحِينَ وَالشَّاهِدِ
وَالصَّالِحِينَ ۖ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ

اللَّهُ ۖ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا (النساء، آیات ۶۶ تا ۷۰)

”اور اگر ہم ان پر فرض کر دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کر ڈالو یا اپنا وطن چھوڑ دو تو چند افراد کے علاوہ ان میں سے کوئی بھی اس پر عمل نہ کرتا حالانکہ اگر یہ اس نصیحت پر عمل کرتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور ان کو زیادہ ثبات حاصل ہوتا۔

ہم انہیں اپنی طرف سے اس پر عظیم اجر عطا کرتے اور ہم انہیں صراطِ مستقیم کی ہدایت کرتے۔ جو بھی اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر خدا نے انعام کیا ہے۔ انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین اور یہی بہترین ساتھی ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے فضل ہے اور خدا ہر ایک کے حالات کے علم کے لیے کافی ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے دو بڑے امتحانات کا ان آیات میں تذکرہ کیا ہے۔ پہلا امتحان جان کی قربانی اور دوسرا امتحان وطن سے ہجرت کا ہے۔ پھر اس کے بعد کی چار آیات ہیں۔ اس کے انعام کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلا انعام یہ ہے کہ ہم انہیں اجر عظیم عطا کریں گے اور دوسرا انعام یہ ہے کہ انہیں صراطِ مستقیم کی ہدایت دیں گے۔ تیسرا انعام یہ ہے کہ خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرنے والے افراد انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین کے رفیق ہوں گے۔ پھر آخر میں یہ اعلان کیا گیا کہ یہ خدا کا فضل ہے۔ وہ جسے چاہے عطا کر دے اور اللہ سب کے حالات سے باخبر ہے۔

ان آیات پر جس طرح فرزندِ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ کے جاں نثار بھائی حضرت ابوالفضلؑ نے عمل کیا اس کی نظیر تاریخ کے اوراق میں کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرزندِ رسولؐ پر ہجرت اور قتل فرض کیا۔ اس

فرض کو صحیبؑ خدا نے جبرئیل امینؑ کی زبانی بیان کیا تھا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم پر عمل کیا اور قرآنی وعدہ کے مطابق چند مخصوص افراد نے ہی آپ کی مدد کی تھی اور ان محدود خوش نصیب افراد میں حضرت عباسؑ سب سے پیش پیش تھے۔ آپؑ نے خدائی نصیحت پر عمل کیا اور یہ عمل آپ کی بہتری اور زیادہ ثبات کا ذریعہ بن گیا اور وعدہ الہی کے مطابق آپؑ اللہ کی طرف سے اجر عظیم اور صراط مستقیم کے حق دار قرار پائے اور آپؑ انبیاء و صدیقین، شہداء اور صالحین کے گروہ کے رفیق بنے اور یوں آپؑ ذَلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰی بِاللّٰهِ عَلٰیہِمْ اٰیۃ کے صدق قرار پائے۔ چنانچہ آپؑ کو یہ عظیم اعزاز مبارک ہو۔

حضرت عباسؑ کی چار زیارت گاہیں

حضرت عباسؑ علم دار کو آخرت میں خدا کی طرف سے جو جزا ملے گی اس کا ہم دنیا میں رہ کر تصور تک نہیں کر سکتے۔ دنیا میں اللہ کی طرف سے آپ کو جو جزا ملی ہے ذرا اس پر نظر دوڑاتے ہیں۔

آپؑ کا روضہ مبارکہ زائرین کی منزل مقصود اور کعبہ اہل دل قرار پایا اور آپؑ کے روضہ سے کرامات کا ظہور ہوا، اور آج تک ان کرامات کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ بیمار آتے ہیں، شفا حاصل کرتے ہیں۔ مصیبت زدگان آتے ہیں تو مصائب سے رہائی نصیب ہوتی ہے۔ بے اولاد آتے ہیں تو نعت اولاد سے جھولیاں بھر کر جاتے ہیں۔ گم نام آتے ہیں تو شہرت کی بلندیاں حاصل کرتے ہیں۔ نامراد آتے ہیں تو ہامراد ہو کر چلتے ہیں۔

آپؑ کے اس روضہ مبارک کے علاوہ آپؑ کی نسبت سے تین اور زیارت گاہیں بھی ہیں۔ ان میں سے ایک شام میں ہے اور دو آپؑ کے روضہ کے قریب کر بلا میں ہیں۔

روڈس الشہدا شام میں

کتبہ مقاتل میں مذکور ہے: اپنی سہولتیں نے شہدائے کربلا کے سر قطع کیے اور انھیں ابن زیاد کے پاس بھیجا۔ بعد ازاں وہ سر اسیران کربلا کے ساتھ شام بھیجے گئے تھے۔

جب یہ سر شام پہنچے تو ان سے بہت سی کرامات صادر ہوئی تھیں۔ ان کرامات کی وجہ سے یزید، ابن زیاد اور جملہ اموی حکومت کو سخت رسوائی نصیب ہوئی۔ آخر کار یزید شہدا کے سروں کی کرامات سے عاجز آ گیا اور جب اس نے حضرت امام سجادؑ کو قید سے رہا کیا تو مجبور ہو کر شہدائے کربلا کے سر بھی ان کے حوالے کیے۔

حضرت امام سجادؑ ان سروں کو واپس کربلا لائے تھے اور ابدان کے ساتھ دفن کیا تھا۔ اس کے باوجود دمشق میں باب الصغیر کے پاس روڈس الشہدا کے نام سے ایک زیارت گاہ موجود ہے۔ یہ عمارت پہلے سادہ سی تھی۔ بعد ازاں اس عمارت کی جگہ خوب صورت روضہ بنوایا گیا اور اس کے اندر شہدا کے سروں کا حزار بنایا گیا ہے۔ اس میں حضرت ابوالفضلؑ کے سر اقدس کے علاوہ اور بھی شہدا کے سروں کی نشان دہی کی گئی ہے۔

ایمان الشہید کے مؤلف کی تحقیق یہ ہے کہ یہاں شہدا کے سر دفن نہیں ہیں، البتہ یہاں کچھ عرصہ تک ان کے سر ہائے مبارک رکھے گئے تھے۔

مؤذت آل محمدؐ سے سرشار افراد وہاں دن رات حاضری دیتے ہیں اور سلام عقیدت پیش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو شہدائے کربلا کے سروں بالخصوص حضرت ابوالفضلؑ کے سر اطہر کا واسطہ دے کر دعائیں مانگتے ہیں اور ان کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔

دایاں بازو قلم ہونے کا مقام

روزہ ماشور کسی کو حضرت عباسؓ کے سامنے آنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ جب آپؓ نہر علقمہ سے مشکیزہ بھر کر خیام کی طرف چلے تو وہاں بزدل دشمن ایک کھجور کے درخت کی آڑ میں گھات لگا کر بیٹھا۔ جب آپؓ کا وہاں سے گزر ہوا تو بزدل دشمن نے چھپ کر وار کیا جس سے آپؓ کا دایاں بازو قلم ہوا۔

یہ جگہ آپؓ کے روضہ اطہر کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ اس جگہ ایک مکان کی دیوار پر کئے ہوئے بازو کی تصویر بنی ہوئی ہے اور اس کے نیچے فارسی زبان میں مرثیہ لکھا ہوا ہے۔ آپؓ کی قبر اطہر کے زائرین اس جگہ کی بھی زیارت سے شرف ہوتے ہیں۔

بایاں بازو قلم ہونے کا مقام

ایک اور بد بخت کمین گاہ میں چمپا ہوا تھا۔ اس نے آپؓ پر حملہ کیا۔ جس سے آپؓ کا بایاں بازو شہید ہوا۔ جہاں آپؓ کا بایاں بازو قلم ہوا تھا۔ وہ جگہ بھی زیارت گاہ بن چکی ہے اور اس زیارت گاہ پر مشہد الکف السیری کا بورڈ آویزاں ہے۔ یہ جگہ حضرت عباسؓ کے روضہ اطہر کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ اس زیارت گاہ پر ایک جالی لگی ہوئی ہے اور جالی پر یہ اشعار لکھے ہوئے ہیں:

سل اذا ما شئت واسمع واعلم	ثم خذ مني جواب المفهم
ان في هذا المقام انقطعت	سيرة العباس بحر المكرم
هاهنا يا صاح طاحت بعدما	طاحت اليمنى بجانب العلقمى
اجر دمع العين وابكيه اسأ	حق ان يبكي بدمع من دم

”اس مقام کے متعلق سوال کرنے والے قصیدیں اچھی طرح

سے معلوم ہونا چاہیے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت عباسؓ کا

بایاں باز و قلم ہوا تھا۔ اس سے قبل ان کا دایاں باز و نہر علقہ کے کنارے قلم ہوا تھا۔ ان پر اٹک برسا اور ان کے غم میں گریہ کیا۔ یہ اس بات کے حق دار ہیں کہ ان پر خون کے آنسو بہائے جائیں۔“

حضرت عباسؓ کے روضہ مبارکہ کے علاوہ مذکورہ تین مقامات بھی آپؐ کی زیارت گاہ ہیں۔ زائرین ان مقامات پر جاتے ہیں اور وہاں رک کر خدا سے اپنی حاجات طلب کرتے ہیں۔

الغرض، حضرت ابوالفضلؓ نے اپنے علم پر حرف بہ حرف عمل کیا تھا۔ اس کے عوض خدا نے انہیں یہ عزت و عظمت عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو ان کے سوا اصغر حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر دی تھی اور حضرت امام حسینؓ کے ساتھ شہید ہونے والوں کی بھی خبر دی تھی۔

اس حقیقت میں شک نہیں ہے کہ جب جبرئیلؑ نے آں حضرتؐ کو مظلوم کر بلا کے مددگاروں کی خبر دی ہوگی تو انہوں نے سرفہرست امام حسینؓ کے محظوظ اعظم حضرت ابوالفضلؓ اور ان کی وفا کی ضرور خبر دی ہوگی۔

آپؐ کے مقام کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپؐ کی ولادت سے قبل جبرئیلؑ نے آں حضرتؐ کو آپؐ کی وفا اور ایثار کی خبر دی تھی اور اس سے رسول مقبولؐ کی نظر میں آپؐ کی منزلت بلند و برتر ہوئی تھی۔

ہمیں انہوں سے ہم تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ احادیث نہیں پہنچیں جو آپؐ نے حضرت ابوالفضلؓ کی عظمت کے متعلق ارشاد فرمائی ہوں گی۔

شیخ صدوق نے انصاف میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت کی ہے، آپؑ نے فرمایا: ”اللہ نے میرے چچا عباسؑ کو ان کے کلمے ہوئے بازوؤں کے عوض دو پتہ عطا کیے ہیں اور وہ جعفر طیار کی طرح سے جنت میں پرواز کرتے ہیں۔“

اس کے بعد شیخ صدوق لکھتے ہیں: یہ حدیث کافی طویل ہے میں نے یہاں بقدر ضرورت اس کے ایک حصہ کو نقل کیا ہے۔ حضرت عباسؑ کے فضائل کی روایات کو میں نے اپنی دوسری کتاب ”مقتل الحسین“ میں جمع کیا ہے۔ ہم افسوس سے کہتے ہیں کہ شیخ صدوق کی کتاب ”مقتل الحسین“ شاید مردہ زمانہ کی وجہ سے تلف ہو گئی ہے اور تلاش بسیار کے باوجود یہ کتاب ہمیں کہیں نہیں ملی۔ کاش اگر وہ کتاب مل جاتی تو امکان تھا کہ اس میں حضرت عباسؑ کے متعلق رسول اکرمؐ کی بھی کوئی حدیث ہو۔

حضرت عباسؑ علمائے عالمین میں سرفہرست ہیں

احادیث نبویؐ میں ہمیں حضرت ابوالفضلؑ کی شان کی مخصوص حدیث نہیں مل سکی جب کہ آں حضرتؑ سے باعمل علما کی تعریف میں بہت سی احادیث منقول ہیں اور حضرت عباسؑ بھی اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم باعمل تھے۔ لہذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عباسؑ ان احادیث کے مصداق کامل تھے۔ اسی لیے ان احادیث میں بالواسطہ اور بالعموم آپؑ کی شان بیان کی گئی ہے۔ باعمل علما کی شان کی چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

❖ فقیہ واحد اشد علی ابلیس من الف عابد

”ایک فقیہ ابلیس پر ایک ہزار عبادت گزاروں سے زیادہ بھاری ہے۔“

﴿۴﴾ المتقون سادۃ والفقہاء قادۃ والجلوس الیہم عبادۃ
 ”پرہیزگار (معاشرے کے) سردار ہیں اور فقہا رہبر ہیں اور
 ان کے ساتھ بیٹھنا عبادت ہے۔“

﴿۴﴾ من یرد اللہ بہ خیرا یرفقہ فی الدین
 ”خدا جس کی بھلائی چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ بوجھ کر دیتا ہے۔“
 ﴿۴﴾ نعم الرجل الفقیہ فی الدین ان احتج بہ الیہ نفع وان
 لم یحتج بہ نفع نفسه

”دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والا انسان کتنا ہی اچھا ہے اگر لوگوں
 کو اس کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے
 اور اگر لوگوں کو اس کی احتیاج نہ پڑے تو وہ اپنے آپ کو
 فائدہ پہنچاتا ہے۔“

﴿۵﴾ الفقہاء أمناء الرسل
 ”فقہا رسولوں کے امین ہوتے ہیں۔“

﴿۶﴾ ان علما شیعتنا یحشرون فیخلم علیہم من خلم
 الکرامات علی قدر کثرة علومہم وجدہم فی ارشاد
 عباد اللہ حتی یخلم علی الواحد منهم الف الف حلة من
 نور.....

”ہمارے علمائے شیعہ قیامت کے دن محشور ہوں گے تو ان کو
 ان کے کثرتِ علوم اور بندگانِ خدا کی ہدایت کے مطابق
 خلعتیں پہنائی جائیں گی یہاں تک کہ ایک عالم کو ایک لاکھ
 خلعتیں عطا کی جائیں گی۔“

﴿ علما اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل
 ”میری اُمت کے علما بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں۔“
 ایک اور روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ”علماے اُمت بنی اسرائیل کے انبیاء
 سے افضل ہیں۔“

﴿ ان مثل العلما فی الارض کمثل النجوم فی السماء
 یہ تہدی بہا فی ظلمات البر والبحر
 ”زمین پر علما کی مثال آسمان کے ستاروں کی مانند ہے جن
 سے ہر دھڑکی تاریکیوں میں راستہ کی ہدایت ملتی ہے۔“

﴿ وان خیر الخیر خیام العلما
 ”سب بہتر لوگوں سے بہتر علما ہیں۔“

﴿ ان فضل العالم علی العابد کفضل الشمس علی
 الکواکب
 ”عالم عابد سے اتنا ہی افضل ہے جتنا کہ سورج ستارے سے
 افضل ہے۔“

﴿ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسے لوگوں
 کے متعلق نہ بتاؤں جو نہ تو انبیاء ہیں اور نہ ہی شہداء ہیں لیکن قیامت کے دن انبیاء و شہداء
 ان پر رشک کریں گے، وہ لوگ خدا کے حضور نورانی منبروں پر جلوہ گلن ہوں گے۔
 لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کون ہوں گے؟

آپؐ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے بندوں کو اللہ کا اور میرا محبوب
 بناتے ہیں۔ وہ لوگوں کو ان چیزوں کا حکم دیتے ہیں جو اللہ کو پسند ہیں اور ان چیزوں
 سے منع کرتے ہیں جو اسے ناپسند ہیں اور جب لوگ ان کی باتوں پر عمل کرتے ہیں تو

وہ خدا کے اور میرے محبوب بن جاتے ہیں۔

جب ملا کا اتنا بڑا مقام ہے تو حضرت ابوالفضل العباسؑ جیسے عالم باعمل مجاہد و شہید کا خدا جانے کتنا بڑا مقام ہوگا۔

لکھنؤ شہر میں حضرت عباسؑ کا مقام

لکھ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضرت عباسؑ کا کتنا مقام ہے؟ اس کا اندازہ معالی السہلین کی اس روایت سے لگایا جاسکتا ہے۔ مؤلف لکھتے ہیں:

میں نے اپنے ایک باوثوق استاد سے یہ واقعہ سنا، انھوں نے بیان کیا کہ کربلا میں ایک صالح اور حیدرین مومن رہتا تھا۔ اس کا ایک نیک سیرت بیٹا تھا۔ بیٹا بیمار ہوا۔ باپ نے اس کا علاج کرایا لیکن کہیں سے بھی صحت حاصل نہ ہوئی۔ جب وہ مومن بیٹے کی شفا یابی سے مایوس ہوا تو وہ اپنے بیمار بیٹے کو لے کر حضرت ابوالفضلؑ کی قبر اطہر پر آیا اور حضرتؑ کا واسطہ دے کر اللہ سے بیٹے کی شفا یابی کی دعا کی۔ چنانچہ وہ ساری رات اپنے بیمار بیٹے کو لے کر گریہ و التجا کرتا رہا اور شفا یابی کی دعا مانگتا رہا۔ صبح ہوئی اس مومن کا ایک دوست اس کے پاس آیا اور کہا: میں تجھے خوش خبری دیتا ہوں، تیرا بیٹا صحت یاب ہو جائے گا۔

آج رات میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت ابوالفضلؑ نے اللہ سے حیرے بیٹے کی شفا یابی کی دعا کی۔ کچھ دیر بعد میں نے دیکھا کہ ایک فرشتہ ان کے پاس آیا اور اس نے کہا: میں ایک فرشتہ ہوں اور آپؑ کے پاس رسولؐ خدا کا ایک پیغام لے کر آیا ہوں۔ رسولؐ اکرم نے آپؑ پر سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے: آپؑ اس نوجوان کی شفا یابی کی دعا نہ کریں، اس کی زندگی کے لمحات ختم ہونے کو ہیں۔

حضرت ابوالفضلؑ نے اس فرشتہ سے کہا: آپ حبیبؑ خدا کی خدمت میں جائیں اور ان سے کہیں کہ میں آپؑ کو خدا کے حضور شفیع مقرر کرتا ہوں اور آپؑ کے

حق کا واسطہ دے کر خدا سے اس جوان کی شفا یابی کے لیے دعا کرتا ہوں۔ وہ فرشتہ چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آیا اور آں حضرتؑ کا سابقہ فرمان دہرایا۔ حضرت عباسؑ نے پھر اس فرشتے کو بھیجا۔ وہ پھر آں حضرتؑ کا وہی جواب لے کر آیا۔ الغرض آپؑ نے تین بار فرشتے کو روانہ کیا اور ہر بار وہ آں حضرتؑ سے سابقہ جواب لے کر واپس آیا۔ اس کے بعد حضرت ابوالفضلؑ رسولؑ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ جب اجازت ملی تو آپؑ آں حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؑ نے عرض کیا:

یا رسول اللہ! آپؑ پر زمین و آسمان کے مالک کی طرف سے درود و سلام ہو، کیا یہ بات صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ”باب الحوائج“ کا لقب عنایت کیا ہے اور لوگوں کو اس لقب کا علم ہے اور وہ مجھے باب الحوائج سمجھ کر میرے پاس اپنی حاجات کے لیے آتے ہیں اور اگر حاجات نے پورا ہی نہیں ہوتا تو مجھے یہ لقب کیوں دیا گیا ہے۔ بہتر ہے کہ آپ مجھ سے میرا لقب ہی چھین لیں تاکہ کوئی سائل سرے سے میرے دروازے پر ہی نہ آئے۔

یہ سنا تو رسولؑ خدا مسکرا پڑے اور فرمایا: واپس جاؤ خدا تمہاری آنکھوں کو خشک عطا کرے۔ آپ واقعی باب الحوائج ہیں جس کے لیے چاہیں سفارش کریں۔ جیسے ہی اس مومن نے اپنے مومن بھائی سے یہ خواب بیان کیا تو اس کا بیٹا جو کہ رسی سے حضرتؑ کی جالی کے ساتھ بندھا پڑا تھا تندرست ہو کر اُٹھ بیٹھا۔

اس واقعہ کے بعد کئی سال تک وہ جوان زندہ سلامت رہا۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ خواب سچا تھا۔ اگر خواب جھوٹا ہوتا تو جوان شفا یاب ہو کر نہ اُٹھتا۔ ویسے بھی حدیث پاک کے مطابق مومن کا خواب نبوت کی ستر دیں جزو ہوتا ہے۔

حضرت امیر المومنین علیؑ کی نظر میں حضرت عباسؑ کا مقام

کتاب ”قمر بنی ہاشم“ میں مرقوم ہے: حضرت عباسؑ ابھی بچے تھے کہ ایک دن حضرت ام المومنینؑ نے دیکھا کہ امیر المومنینؑ نے اپنے شہزادے کو گود میں بٹھایا ہوا ہے اور آپؑ نے ان کے بازوؤں سے گرتے کو ہٹایا۔ پھر آپؑ نے اپنے بیٹے کی کلائیوں اور ہتھیلیوں کو چومنا شروع کیا۔ آپؑ اپنے بیٹے کی کلائیوں اور ہتھیلیوں کو چوم بھی رہے تھے اور رو بھی رہے تھے۔

یہ منظر دیکھ کر بی بیؑ پریشان ہو گئیں اور انھوں نے امیر المومنین حضرت علیؑ علیہ السلام سے عرض کیا:

خدا آپؑ کی آنکھوں کو کبھی نہ ڈلائے کیا میرے فرزند کی ہتھیلیوں اور کلائیوں میں کوئی نقص ہے جسے آپؑ دیکھ کر رو رہے ہیں؟

امیر المومنینؑ نے انھیں اپنے فرزند کی عظمت و رفعت سے آگاہ کیا اور فرمایا: روز عاشورا یہ اپنے امامؑ کی حفاظت کریں گے اور امامؑ کی حفاظت میں ان کے دونوں بازو دکٹ جائیں گے۔

یہ سنا تو بی بیؑ اپنے غم پر قابو نہ رکھ سکیں اور دھاڑیں مار مار کر روئیں۔ گھر کی دوسری بیبیوں نے بھی خوب گریہ کیا۔ پھر امیر المومنین حضرت علیؑ نے سب کو دلاسا دیا اور اپنے فرزند کی عظمت و رفعت کو بیان فرمایا اور اس کے بعد آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کے کٹے ہوئے بازوؤں کے عوض اسے دو پردے گا جن کے ساتھ وہ میرے بھائی جعفرؑ کی طرح سے جنت میں پرواز کرے گا۔

یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ امیر المومنینؑ نے اپنے فرزند کی کلائیوں اور ہتھیلیوں کو جو بوسے دیے تھے اس کی بنیاد صرف پدری شفقت و محبت نہیں تھی، اس سے آپؑ نے اپنے فرزند کے مقام و منزلت کو واضح کیا تھا۔

میری آنکھوں کو تجھ سے ٹھنڈک ملے گی

معالی السطین اور دیگر کتب میں مرقوم ہے: امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنی شہادت کی شب اپنے تمام خاندان کو جمع کیا اور سب کو وصیتیں فرمائیں۔ آپؑ حضرت عباسؑ کی طرف حوہ ہوئے اور انھیں سینے سے لگا کر فرمایا: میرے فرزند عباسؑ! قیامت کے دن میری آنکھیں تیری وجہ سے ٹھنڈی ہوں گی۔ میرے فرزند! جب ماحشور کا دن آجائے اور تو پانی لینے جائے اور گھاٹ پر حیرا قبضہ ہو جائے تو خبردار! پانی نہ پینا کیونکہ حسینؑ پیاسا ہوگا۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا یہ فرمانا: ”تمھاری وجہ سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک ملے گی“ اس سے حضرت عباسؑ کی قدرومنزلت واضح ہوتی ہے۔

حضرت زہراءؑ کی نظر میں حضرت عباسؑ کا مقام

اسرار الشہادۃ میں کچھ کتب مقاتل کے حوالے سے لکھا ہے: جب قیامت کا دن ہوگا اور لوگ سخت مصیبت میں گرفتار ہوں گے تو اللہ کے حکم سے رسول خدا حضرت علیؑ کو حضرت خاتون جنت سلام اللہ علیہا کے پاس بھیجیں گے تاکہ بی بی مقام شفاعت پر آئیں۔

حضرت امیر المومنینؑ جائیں گے اور صدیقہ کبریٰؑ کو ان کے والد کا پیغام پہنچائیں گے۔ اس وقت حضرت علیؑ صدیقہ کبریٰؑ سے فرمائیں گے: فاطمہؑ! اس سخت ترین دن کے لیے آپؑ نے کون سے اسباب شفاعت کو اپنے لیے ذخیرہ کیا ہے؟ حضرت فاطمہؑ یہ جواب دیں گی:

یا امیر المومنین! کفانا لاجل هذا المقام الیدان

المقطوعتان من ابنتی العباس

”امیر المومنین! مقام شفاعت پر کھڑا ہونے کے لیے ہمارے

لیے میرے فرزند عباسؑ کے دو کٹے ہوئے بازو کافی ہیں۔“
 اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی نظر میں حضرتؑ کے کٹے ہوئے بازوؤں کی
 بہت زیادہ ہے۔ آپؑ کے کٹے ہوئے بازو اتنی عظمت کے حامل ہیں کہ حضرت
 سیدۃ فطاعت اور نجات اُمت کے لیے ان پر انحصار کرتی ہیں۔

حضرت امام حسن مجتبیٰؑ کی نظر میں حضرت عباسؑ کا مقام
 حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے شیعوں کو زیارت عباسؑ کی
 تعلیم دی تھی۔ اس زیارت میں امام طہیہ السلام نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے:
 السلام علیک ایہا العبد الصالح المطیع للہ ولرسولہ
 ولامیر المومنین والحسن والحسین
 ”اے عبد صالح! آپؑ پر سلام۔ اللہ، رسولؐ، امیر المومنینؑ،
 حسنؑ و حسینؑ کے اطاعت گزار آپؑ پر سلام۔“

زیارت کے ان جملوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباسؑ نے حضرت امام
 حسن مجتبیٰؑ کی زندگی میں پوری پوری اطاعت کی تھی۔ حضرت امام حسن مجتبیٰؑ کی
 شہادت کے بعد آپؑ نے حضرت امام حسینؑ کی مکمل اطاعت کی تھی۔

جب حضرت امام حسنؑ کی شہادت ہوئی تو امام حسین علیہ السلام نے اپنے
 بھائی کو غسل و کفن دیا تھا اور ان امور میں آپؑ نے اپنے بھائی حضرت عباسؑ کو
 شریک کیا تھا۔

شریعت کا قاعدہ ہے کہ مصوم کو غسل و کفن مصوم ہی دیتا ہے اور مصوم جسے
 اس امر کے لائق سمجھے تو وہ اسے اپنے ساتھ شریک کر لیتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسن مجتبیٰؑ نے حضرت امام حسینؑ کو یہ وصیت
 کی تھی کہ جب مجھے غسل دینا تو میرے بھائی عباسؑ کو اس میں شریک کرنا۔

جب رسول خدا کی وفات ہوئی تو وصیت رسول کے مطابق امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے آپ کو غسل دیا تھا اور آپ نے اپنے ابن عم فضل بن عباس کو بھی شامل کیا تھا لیکن آپ نے اسے یہ نصیحت کی تھی کہ وہ آنکھوں پر پٹی باندھ لے اور یہ فرمایا تھا کہ اگر تیری نگاہ جسم رسول پر پڑی تو تو اندھا ہو جائے گا۔ چنانچہ فضل بن عباس کی آنکھوں پر دورانِ غسل پٹی چڑھی رہی تھی جب کہ حضرت ابوالفضل العباسؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپؐ معصوم امامؑ کے غسل و کفن میں جو خدا کے ساتھ شریک تھے لیکن آپؐ کی آنکھوں پر پٹی نہیں تھی۔ اس سے آپؐ کی عظمت و رفعت کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت امام حسینؑ کی نظر میں حضرت عباسؓ کا مقام

حضرت امام حسین علیہ السلام نے کئی مقامات پر اپنے بھائی کی عظمت کو ظاہر کیا تھا۔ بطور نمونہ چند ایک واقعات کو یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ نو محرم کے دن جب یزیدی لشکر جنگ کا ارادہ لے کر خیام اور لشکر گاہ کی طرف بڑھا تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے بھائی کو مخاطب کر کے فرمایا:

ارکب بنفسی انت یا اخی حتی تلقاهم وتسالهم عما جاء

ہم وما الذی یریدون

”بھائی! میری جان تم پر قربان، سوار ہوں اور ان سے جا کر

ملیں اور ان سے پوچھیں کہ وہ کیوں آئے ہیں اور وہ کیا

چاہتے ہیں؟“

امام عالی مقامؑ کا حضرت عباسؓ سے یہ کہنا: بھائی! ”میری جان تم پر قربان“ ان الفاظ سے حضرت ابوالفضلؓ کی شان کا اظہار ہوتا ہے۔ اور جب روزِ عاشورا حضرت عباسؓ نے امام حسین علیہ السلام سے جنگ کی اجازت چاہی تو آپؐ

نے ان سے یہ الفاظ فرمائے تھے:

انت صاحب لوائی واذا مضیت تفرق عسکری
 ”آپ“ میرے علم دار ہیں اور جب آپ“ چلے گئے تو میرا
 لشکر حترق ہو جائے گا۔“

ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے
 آپ“ سے یہ الفاظ فرمائے:

انت العلامة من عسکری وانت مجہم عدینا فاذا مضیت
 یذول جمعنا الی الشتات وعبادتنا تنبعث الی الخراب
 ”آپ“ تو میرے لشکر کی علامت ہیں اور آپ“ ہماری تعداد کو
 جمع رکھنے والے ہیں۔ جب آپ“ چلے گئے تو ہماری جمعیت کا
 شیرازہ منتشر ہو جائے گا اور ہماری آبادی ویرانے میں بدل
 جائے گی۔“

جب آپ“ گھوڑے سے گرے اور حضرت امام حسین علیہ السلام آپ“ کو
 اٹھانے کے لیے آئے تو آپ“ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو ان کے نانا کی قسم
 دے کر کہا: مجھے خیے میں نہ لے جائیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھائی سے یہ فرمایا:

جنیت عن اخیک خیرا فلقد نصرته حیاً ومیتاً
 ”خدا آپ کو آپ کے بھائی کی طرف سے جزائے خیر دے،
 آپ نے زندگی اور موت میں اس کی مدد کی۔“

حضرت امام حسین علیہ السلام بھائی کی لاش پر آئے تو آنکھوں سے
 سلیا اٹک رواں تھا۔ آپ“ نے یہ جملے کہے:

الآن انکسر ظہری وقت حیلتي وشت بی عددی
 ”اب میری کمرٹ گئی اور میری تدبیر کم ہوگئی اور دشمن کو
 خوش ہونے کا موقع ملا۔“

حضرت امام زین العابدینؑ کی نظر میں حضرت عباسؑ کا مقام
 معالی السطین میں لکھا ہے: جب حضرت امام حسین علیہ السلام تن تنہا رہ گئے
 اور سلام آخر کے لیے خیام میں آئے تو آپؑ اپنے فرزند حضرت زین العابدینؑ کی
 عیادت اور خبر لینے کے لیے ان کے خیمہ میں آئے۔ جب امام زین العابدینؑ نے
 اپنے والد کو زخمی حالت میں دیکھا تو انھوں نے اپنے والد سے پہلا سوال یہی کیا
 کہ میرے چچا عباسؑ کہاں ہیں؟
 اب تک حضرت زینؑ نے سچے کو ابو الفضلؑ کی موت کی خبر نہیں دی تھی۔
 اب بی بیؑ نے نگاہ حسرت سے بھائی کی طرف دیکھا اور سوچتے لگیں کہ دیکھیں بھائی
 کیا جواب دیتے ہیں۔

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: تیرا چچا مارا گیا اور فرات کے کنارے اس کے
 بازو قلم ہو گئے۔ یہ سنا تو امام سجادؑ اتنا روئے کہ آپؑ پر فحشی طاری ہوگئی۔
 حضرت زین العابدینؑ کا سب سے پہلے حضرت عباسؑ کا پوچھنا اور ان کی
 شہادت کی وجہ سے غش کر جانا اس بات کی دلیل ہے کہ آپؑ کی نظر میں حضرت
 ابو الفضلؑ کی بڑی قدر و قیمت تھی۔

کسب مقاتل میں مرقوم ہے: امام زین العابدینؑ بطور مجروحہ شہدا کی تدفین
 کے لیے کر بلا آئے۔ آپؑ نے اپنے والد کو اپنے ہاتھوں سے لحد میں لٹایا اور باقی
 شہدا کی تدفین کے لیے بنی اسد سے مدد حاصل کی۔ جب آپؑ شہدا کی تدفین سے
 فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کوئی اور لاشہ تو نہیں رہا؟

بنی اسد نے کہا: جی ہاں ترائی کے پاس ایک بہادر کی لاش ہے جسے ہم اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ہم اسے اٹھا نہیں سکتے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے یہ سنا تو آپؑ بہت روئے اور فرمایا: ہمیں وہاں لے چلو۔ جب آپؑ کی نظر اپنے چچا کے جسم پر پڑی تو آپؑ نے ان کی کٹی ہوئی گردن پر منہ رکھ کر بوسے دیے اور آپؑ کے کٹے ہوئے بازوؤں کو کئی بار چوما اور فرمایا:

على الدنيا بعدك العفا يا قمر بن هاشم وعليك مني

السلام من شهيد محتسب وراحة الله وبركاته

”اے بنی ہاشم کے چاند! آپؑ کے بعد دنیا پر خاک، اے

اجرِ عظیم کے مستحق شہید! میری طرف سے آپؑ پر سلام ہو اور

اللہ کی رحمت و برکات آپؑ کے شامل حال ہوں۔“

بعد ازاں آپؑ اٹھے اور چچا کے لیے قبر کھودی اور آپؑ نے خود ہی اپنے

وفادار چچا کو لحد میں اتارا اور آپؑ نے بنی اسد سے کوئی مدد حاصل نہ کی۔

جب بنی اسد نے کہا: کیا ہم آپؑ کی مدد نہ کریں۔

آپؑ نے فرمایا: نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے ساتھ میری مدد

کرنے والا موجود ہے۔

ان واقعات سے حضرت ابو الفضلؑ کی عظمت کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔

اللہ میرے چچا عباسؑ پر رحم کرے

امامی صدوق میں مرقوم ہے: ایک دن امام علی زین العابدین علیہ السلام کی

نظر حضرت عباسؑ کے فرزند عبید اللہ پر پڑی تو آپؑ کو آپؑ کے چچا عباسؑ یاد

آ گئے اور آپؑ رونے لگے اور پھر فرمایا:

رسولؐ خدا کی زندگی میں وہ دن بہت سخت تھا جس دن اللہ اور رسولؐ کا شیر حمزہ بن عبدالمطلبؑ شہید ہوئے تھے۔ اس کے بعد آپؐ کے لیے جب موت کا دن بہت سخت تھا جب جعفر بن ابی طالبؑ شہید ہوئے۔

پھر آپؐ نے فرمایا: لیکن کربلا کے روز عاشورا سے کوئی زیادہ سخت دن نہیں آیا۔ یہ وہ دن تھا جب تیس ہزار افراد نے حضرت امام حسینؑ پر حملہ کیا تھا اور وہ یہ بھی گمان کرتے تھے کہ وہ حسینؑ کے نانائے اُمّی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک شخص حسینؑ کو شہید کر کے اللہ کے تقرب کا خواہش مند تھا۔ امام حسینؑ نے انھیں خدا کے واسطے دیے لیکن کسی نے نصیحت قبول نہیں کی تھی یہاں تک کہ انھیں ظلم و ستم سے شہید کیا۔

پھر آپؐ نے فرمایا: اللہ میرے چچا عباسؑ پر رحم کرے۔ انھوں نے انار سے کام لیا تھا اور وہ آزمائش میں پورے اترے تھے اور انھوں نے بھائی پر اپنی جان قربان کر دی تھی۔ ان کے بازو قلم ہوئے۔ اللہ نے ان کے عوض انھیں دو پتہ عطا کیے جن سے وہ ملائکہ کے ساتھ جنت میں جعفر بن ابی طالبؑ کی طرح سے پرواز کرتے ہیں۔ اللہ کے ہاں عباسؑ کا وہ مرتبہ ہے جس پر قیامت کے دن تمام شہدا رشک کریں گے۔

واقعہ کربلا کے بعد

بعض کتابوں میں مرقوم ہے: جب حضرت امام سجادؑ کربلا سے اُڑ کر آئے تو آپؑ ہمیشہ اپنے والد، اپنے چچا اور دیگر شہدائے کربلا کو یاد کر کے روتے تھے۔ واقعہ کربلا کے بعد آپؑ عید کے اجلاسوں میں شامل نہیں ہوتے تھے۔ جب بھی عید آتی تو آپؑ کا غم تازہ ہو جاتا تھا۔

ایک مرتبہ آپؑ کے شیعوں نے آپؑ سے اصرار کیا کہ عید آ رہی ہے آپؑ عید کے اجلاس میں شامل ہوں۔ آپؑ کے شیعوں نے اپنی خواتین کو مخدرات

عصمتؑ کے پاس بھیجا کہ آپؑ امام سے کہیں کہ وہ عید کے اجلاس میں شرکت کریں۔

آپؑ نے لوگوں کے اصرار پر اپنی شرکت کا وعدہ کیا اور فرمایا: میں عید کے اجلاس میں شامل ضرور ہوں گا لیکن میری ایک شرط ہے کہ تم لوگ مجھے عید کی مبارک نہ دو گے۔

عید کا دن آیا۔ آپؑ شیعوں کے ساتھ بیٹھے۔ اس وقت عبید اللہ بن عباسؑ چھوٹے تھے جب انھوں نے امام زین العابدینؑ کو اس اجلاس میں بیٹھا ہوا دیکھا تو یہ سمجھا کہ اب امامؑ کا غم ختم ہو گیا ہے۔ یہ سوچ کر وہ اپنی دادی حضرت اُم البنینؑ کے پاس آئے اور کہا: دادی اماں! آپؑ مجھے اچھا سا لباس پہنائیں میں امام زین العابدینؑ کو عید کی مبارک دینے کے لیے جانا چاہتا ہوں۔

بی بی اُم البنینؑ کے پاس حضرت عباسؑ کے بچپن کے کپڑے موجود تھے۔ انھوں نے اپنے پوتے کو اپنے بیٹے ابوالفضلؑ کا لباس پہنایا۔ چنانچہ عبید اللہ اپنے والد حضرت عباسؑ کا لباس پہن کر امام زین العابدینؑ کے پاس آئے۔ جب امام سجادؑ نے اپنے ابن عم کو آتے ہوئے دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ مصوم بچے نے اپنے والد کا لباس پہنا ہوا ہے تو آپؑ اپنی جگہ سے اٹھے اور آپؑ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری ہوا۔ آپؑ اپنے ابن عم کے استقبال کے لیے آگے بڑھے۔ وہاں پر موجود لوگوں نے آپؑ کو تسلی دی اور کہا: فرزند رسولؐ! خدا آپؑ کو کبھی نہ زلائے اچانک آپؑ کیوں رونے لگ گئے؟

آپؑ نے فرمایا: جب میری نظر اپنے ابن عم عبید اللہ بن عباسؑ پر پڑی اور میں نے دیکھا کہ اس نے اپنے والد کا لباس پہنا ہوا ہے تو مجھے اپنے چچا عباسؑ یاد آ گئے اور میں نے یہ محسوس کیا کہ گویا میرے وفادار چچا میرے پاس آ رہے ہیں۔

مجھے ان کے کربلا کے مصائب و آلام یاد آگئے اسی لیے میں نے گریہ کیا ہے۔

پھر آپؐ نے اپنے بازو پھیلائے اور حضرت عباسؓ کے فرزند عبید اللہؓ کو سینے سے چٹایا اور ان کا بوسہ لیا۔ بعد ازاں آپؐ نے انھیں اپنی گود میں بٹھایا اور ان کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیر کر فرمایا: اے ابن عم! کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تمہارے چچا حضرت امام حسینؑ اور تیرے والد ابوالفضلؑ اور شہدائے کربلا کا غم منانا ہم نے چھوڑ دیا ہے؟

اے ابن عم! یہ غم کبھی ختم نہیں ہوگا۔ یہ غم قیامت تک جاری رہے گا۔ پھر آپؐ نے یہ اشعار پڑھے:

نحن بنو المصطفى ذو و غصص	يجرعه في الأنام	كأظمننا
عظيمة في الأنام	محتتنا	أولنا مبتلى
يفرح هذا الوري بعيدهم	ونحن	أعيادنا
والناس في الأمن والسرور وما	يامن	طول الزمان
وما خصصنا به من الشرف	الطائل	بين الأنام
يحكم فينا والحكم فيه لنا	جاحدنا	حقنا
	وغاصبنا	

”ہم آل مصطفیٰ سخت دردمند ہیں اور ہم اپنے غم کے گھونٹ لوگوں میں پینے پر مجبور ہیں۔ ہماری مصیبت بہت بڑی ہے۔ ہمارا پہلا اور آخری فرد سب کے سب مظلوم ہیں۔ لوگ تو عید کے دن خوشیاں مناتے ہیں جب کہ ہماری عید ماتم میں بدل چکی ہے۔ لوگ امن اور خوشی کی زندگی بسر کر رہے ہیں جب کہ ہمارے خوف زدہ افراد کو چین میسر نہیں ہے۔ خدا کی طرف سے ہمیں جو عزت و عظمت ملی ہے وہی ہمارے لیے

آفت بن گئی ہے۔ ہمارے منکر اور غاصب ہمارے متعلق فیصلے کر رہے ہیں جب کہ فیصلے کا حق اوّل و آخر ہمارا ہے۔
یہ کہہ کر آپؑ نے گریہ کیا اور جملہ حاضرین نے بھی گریہ کیا۔

حضرت امام محمد باقرؑ کی نظر میں حضرت عباسؑ کا مقام

آپؑ کا نام محمد تھا اور رسول خداؐ نے آپؑ کو ”باقر“ کا لقب دیا تھا۔ کربلا میں آپؑ اپنے خاندان کے ساتھ موجود تھے۔ اس وقت آپؑ کی عمر پانچ برس کی تھی۔ آپؑ نے کربلا کے تمام واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ چنانچہ کربلا کے مظالم و مصائب کو آپؑ پوری زندگی یاد کر کے روتے رہے۔

حضرت عباسؑ علم دار کی شہادت نے آپؑ کے غموں میں اضافہ کیا تھا کیونکہ آپؑ تمام بنی ہاشم اور حسینی لشکر کا سہارا تھے۔ جب تک آپؑ زندہ رہے رسول زادیاں اطمینان میں رہیں اور دشمن پریشان رہا لیکن جب آپؑ کی شہادت ہوئی تو دشمنوں کو سکون ملا اور زہراءؑ زادویوں کا سکون عارت ہو گیا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اپنے وفادار دادا کو ہمیشہ یاد کرتے تھے اور ان کے کئے ہوئے بازوؤں کو یاد کر کے روتے تھے۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے بھی اپنے مظلوم دادا کے کئے ہوئے ہاتھوں کا امام سجادؑ کی طرح سے بوسہ لیا تھا۔

انقرض ابوالفضلؑ کے ہاتھوں کو پانچ ائمہؑ محصوم نے بوسے دیے تھے۔ دو آئمہؑ نے ان کی زندگی میں ان کے ہاتھوں کے بوسے لیے تھے اور تین ائمہؑ نے آپؑ کی شہادت کے بعد آپؑ کے بازوؤں کے بوسے لیے تھے۔

چنانچہ امیر المومنین حضرت علیؑ اور امام حسن مجتبیٰ علیہما السلام نے عباسؑ کے بازوؤں کے بوسے اس وقت لیے جب آپؑ چھوٹے تھے اور آپؑ کے بازو آپؑ کے جسم پر موجود تھے۔ حضرت امام حسینؑ نے عباسؑ کے بچپن میں بھی ان کے

ہاتھوں کے بوسے لیے تھے اور جب ہازو کٹ گئے تو اس وقت بھی بوسے لیے تھے جب کہ امام سجادؑ اور امام محمد باقرؑ نے اس وقت بوسے لیے جب آپؑ کے ہاتھ کٹ چکے تھے اور کربلا کی گرم ریت پر پڑے تھے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ کی نظر میں حضرت عباسؑ کا مقام حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے حضرت ابوالفضلؑ کے بہت سے مناقب و فضائل منقول ہیں اور آپؑ کے ہر بیان سے حضرت عباسؑ کی جاہ و جلالت مترشح ہوتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا مشہور قول ہے:

كان عمنا العباس بن علي نافذ البصيرة، صلب الايمان
جاهد مع أبي عبد الله وأبلى بلاء حسنا ومضى شهيداً
”ہمارے چچا عباسؑ بن علیؑ مکہری بصیرت اور مضبوط ایمان کے مالک تھے۔ انھوں نے ابو عبد اللہؑ کے ساتھ جہاد کیا اور آزمائشوں کا احسن انداز میں مقابلہ کیا اور شہید ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے۔“

امام علیہ السلام کا قول قول رسولؐ ہوتا ہے اور قول رسولؐ قول خدا ہوتا ہے، چنانچہ آپؑ کو یہ عظمت و عزت مبارک ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے حیدروں کو یہ تعلیم دی کہ جب وہ حضرت عباسؑ کی زیارت کو جائیں تو وہ اپنے سلام کا آغاز ان الفاظ سے کریں:

السلام من الله وملائكته وانبيائه ورسله وعباده
الصالحين وجميع الشهداء والصديقين الهاكينة طيبة في
كل صباح ومساء علي العباس بن امير المؤمنين

”اللہ، ملائکہ، انبیاء و رسل، عباد صالحین اور جملہ شہداء و صدیقین کی طرف سے ہر صبح شام عباس بن علیؑ پر طیب و طاہر سلام ہو۔“

زیارت کا اختتام زائرین کی حاجات کے پورا ہونے اور ان کے لیے دنیا و آخرت کی سعادت کے حصول کی دعا پر ہوتا ہے۔ الغرض حضرت عباسؑ کی زیارت کے الفاظ ائمہ ہدیٰ کی زیارت کے الفاظ سے کم درجہ کے نہیں ہیں۔ امام علیہ السلام کی بیان کردہ یہ زیارت آپؑ کے درجات کی بلندی پر دلالت کرتی ہے۔

باقی ائمہ کی نظر میں حضرت عباسؑ کا مقام

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد باقی ائمہ سے مروی روایات میں ہمیں اس موضوع پر کوئی روایت نہیں مل سکی۔ البتہ زیارت ناحیہ میں آپؑ پر ان الفاظ کے ساتھ سلام پیش کیا گیا ہے:

السلام علی ابی الفضل العباس بن امیر المؤمنین،
المواسی أخاہ بنفسہ الآخذ لغداه من أمسہ القادی له
الواقی، الساعی إلیہ بمائہ المقطوعة یداہ

”ابو الفضل العباس بن امیر المؤمنینؑ پر سلام جس نے اپنی جان قربان کر کے اپنے بھائی کی ہم دردی کی اور جس نے آنے والی کل کے لیے گزشتہ کل سے زاور راہ حاصل کیا۔ جو امام حسینؑ کا محافظ اور اس کی طرف پانی لے جانے کی کوشش کرنے والا ہے۔ جس کے ہاتھ کٹ گئے تھے۔“

امام زمانہ علیہ السلام سے جو زیارت ناحیہ منقول ہے اس میں یہ الفاظ دیکھے

جاسکتے ہیں:

السلام علی الاعضاء المقطعات

”کٹے ہوئے اعضاء پر سلام ہو“۔

”اعضاء مقطعات“ میں حضرت ابو الفضلؓ کے بازو بدرجہ اتم شامل ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام آئمہؑ نے حضرت ابو الفضلؓ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے اور سب نے آپؐ کی قربانیوں کو سراہا ہے۔

حضرت اُم البنینؓ کی نظر میں حضرت عباسؓ کا مقام

حضرت اُم البنینؓ حضرت علی علیہ السلام کی وفادار زوجہ تھیں۔ خدا نے آپؐ کو چار بیٹے عطا کیے تھے جن میں سے بڑے بیٹے حضرت عباسؓ تھے۔ ہر ماں کو اپنے بیٹے سے فطری محبت ہوتی ہے لیکن حضرت اُم البنینؓ وہ وفا شعار ماں تھیں کہ آپؐ کی آغوش میں وفائے پرورش پائی تھی۔ آپؐ کو اپنے بیٹے سے صرف اس لیے محبت نہیں تھی کہ وہ آپؐ کا بیٹا ہے۔ امیر المومنینؓ کی زبانی آپؐ کو حضرت عباسؓ کی پیدائش سے پہلے اس کی وفاداری اور جاں نثاری کی خبر مل چکی تھی۔ اسی لیے آپؐ اپنے بیٹے کا بے حد احترام کرتی تھیں۔ حضرت اُم البنینؓ اپنے بیٹے کو یہ لوری دیا کرتی تھیں:

اعینہ	بالواحد	من عین کل حاسد
قائمہم	والقاعد	مسلمہم والجاہد
صادرہم	والوارد	مولودہم والوالد

”میں ہر حاسد کے حسد سے بچنے کے لیے اپنے فرزند کو خدا کی

پناہ میں دیتی ہوں۔ حاسد خواہ کھڑا ہو یا بیٹھا ہو۔ سرطاعت

ختم کرنے والا ہو یا منکر ہو، خواہ وہ آ رہا ہو یا جا رہا ہو، خواہ وہ

باپ ہو یا بیٹا ہو۔

حضرت عباسؓ علم دار کی شہادت کے بعد آپؓ نے یہ مرثیہ پڑھا تھا:

یامن	رأی	العباس	کَرَّ علی جماہیر النقد
ووراء	من	اہناء حیدر	کل لیث ذی لبد
تنبئت	ان	اہنی	أصیب برأسه مقطوع ید
ویلی	علی	شبلی	أمال برأسه ضرب العمد
لو کان	سیفک	فی یدیک	لمادنا منه أحد

”جس نے بھی میرے فرزند عباسؓ کو دیکھا ہو تو وہ گواہی

دے گا کہ اس نے بہت بڑی جمعیت پر حملہ کیا تھا۔ اس کے

علاوہ حیدر کزار کے شیر بیٹوں نے بھی حملہ کیا تھا۔ مجھے معلوم

ہوا ہے کہ میرے فرزند کے ہاتھ کٹ گئے اور اس کے سر پر

گرز سے حملہ ہوا۔ اگر عباسؓ تیرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو کسی

کو تیرے قریب آنے کی جرأت نہ ہوتی۔“

حضرت عازی عباسؓ کی والدہ ماجدہ کی کنیت ”أم البنین“ تھی، جس کے

معنی ہیں: بیٹوں کی ماں۔ جب آپؓ کے چاروں بیٹے میدانِ کربلا میں شہید ہو گئے

تو آپؓ جنت البقیع کے قبرستان میں جا کر بیٹوں کا مرثیہ پڑھتی تھیں۔ لوگ آپؓ کا

مرثیہ سننے کے لیے جمع ہو جاتے تھے اور وہ بھی آپؓ کے پُر درد مرثیہ کو سن کر روتے

تھے۔ حد یہ ہے کہ مروان جسیا دھمیں اہل بیتؓ بھی آپؓ کے مرثیوں کو سن کر رویا

کرتا تھا۔ بی بیؓ یہ مرثیہ پڑھتی تھیں:

لا تدعونی	ویک	أم البنین	تذکرینی	بلیوث	العین
کانت	بنوق	لی ادعی	بہم	والیوم	اصبحت
				ولامن	بنین

اربعۃ مثل اسود الشری قد واصلوا الموت بقطع الوتین
 تنارع الخرصان أشلاء هم فکلهم أمني صریعاً طعین
 یالیت شعری اکما اخبروا بان عباسا قطعیم الیمین
 ”مجھے اُمّ الہنین کے نام سے مت پکارو۔ اس نام کے ساتھ تم
 مجھے کچھار کے شیر یاد دلاتی ہو۔ میرے بیٹے تھے لہذا مجھے ان
 کے نام سے پکارا جاتا تھا اور آج میرے ہاں کوئی بیٹا نہیں ہے۔
 میرے چار بیٹے تھے جو کہ جنگل کے شیروں کی مانند تھے۔ وہ
 سب کے سب موت کے منہ میں چلے گئے۔ اے کاش! مجھے
 معلوم ہوتا کہ کیا بتانے والوں نے سچ بتایا ہے کہ عباس کے
 بازو کٹ گئے تھے؟“

کتاب مقاتل الطالبین کے بیان کے مطابق حضرت عباسؓ کا سب سے
 پہلے مرثیہ ان کی والدہ نے پڑھا تھا۔ حضرت اُمّ الہنین کے چار بیٹے تھے جن کے
 نام یہ ہیں: عباسؓ، عبداللہؓ، جعفرؓ، عثمانؓ۔

حضرت زینبؓ کی نظر میں حضرت عباسؓ کا مقام

حضرت عباسؓ کی ولادت کے وقت ہی عقیلہ بنی ہاشم حضرت زینبؓ نے
 اپنے احساسات کا اظہار کیا تھا۔ شہزادی زینب کبریٰؓ آپؓ کی والدہ اُمّ الہنین کے
 بعد آپؓ کی دوسری ماں تھیں۔ بی بی آپؓ کو لوریاں دیتی تھیں اور ہمیشہ اپنے بھائی
 کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہتی تھیں۔

جب حضرت عباسؓ کی ولادت ہوئی تو بی بی آپؓ نے اپنے بھائی کو اٹھا کر والد کے
 سامنے لائیں اور آپؓ نے اپنے والد سے کہا: بابا جان! میرے بھائی کے کان میں
 اذان و اقامت کہیں اور میرے پیارے بھائی کا نام، کنیت اور لقب قہقن کریں۔

بی بی نے شفیق والد سے عرض کیا: بابا جان! آپ نے میرے بھائی کا نام کیا رکھا ہے؟

امیر المومنینؑ نے فرمایا: تیرے بھائی کا نام عباسؑ ہے۔

بی بی نے عرض کیا: بابا! میرے بھائی کی کنیت بتائیں؟

امیر المومنینؑ نے فرمایا: اس کی کنیت ابو الفضل ہے۔

بی بی نے عرض کیا: بابا جان! میرے بھائی کے القاب بیان کریں۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: تیرے بھائی کا لقب قمر بنی ہاشم، قمر الحشر، اور سقا

ہے۔ شہزادی نے تقاضا کرتے ہوئے عرض کیا:

بابا جان! بھائی کا نام ”عباسؑ“ ہے۔ یہ نام میرے بھائی کی شجاعت اور

دلیری پر دلالت کرتا ہے اور ان کی کنیت ابو الفضل ہے۔ یہ ان کی فضیلت و کرامت

پر دلالت کرتا ہے۔ اور جہاں تک قمر بنی ہاشم اور قمر الحشر، جیسے القاب کا تعلق ہے تو

یہ دونوں القاب میرے بھائی کے حسن و جمال کو ظاہر کرتے ہیں۔

بابا جان! آپ مجھے یہ بتائیں کہ میرے بھائی کا ایک لقب آپؑ نے سقا

بیان کیا ہے۔ مجھے اس لفظ کے مطلب سے آگاہ کریں۔

امیر المومنینؑ حضرت علی علیہ السلام کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور آپؑ نے

فرمایا: یہ کربلا کے پیاسوں کو پانی پلانے کا۔ پھر امیر المومنینؑ نے اپنی شہزادی کو کربلا

کے کچھ حالات سے باخبر کیا۔

جب بی بی زینبؑ نے کربلا کے واقعات سنے تو آپؑ بے ساختہ رونے

لگیں۔ امیر المومنینؑ نے اپنی شہزادی کو تسلی دی اور فرمایا: بیٹی زینبؑ! صبر کریں اور

اپنے بھائی کو اس کی والدہ کے پاس لے جائیں اور یہ جان لیں کہ یہ میرا بیٹا عباسؑ

آپؑ کے ساتھ ہوگا۔

شہزادی نذیب کبریٰ کی نظر میں ابوالفضل کی کیا اہمیت تھی۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اکیس ماہ رمضان کی شب بی بی نے اپنے والد سے یہ عرض کیا تھا کہ آپ میرا ہاتھ میرے بھائی عباس کے ہاتھ میں دے جائیں۔ چنانچہ امیر المومنین نے اپنے فرزند کو قریب کیا اور اپنی شہزادی کا ہاتھ پکڑ کر ابوالفضل کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا: میرے فرزند عباس! یہ میری طرف سے حیرے پاس امانت ہے، اس کی حفاظت میں کبھی کوتاہی نہ کرنا۔

حضرت عباسؓ نے روتے ہوئے عرض کیا: بابا جان! میں آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کروں گا۔

امیر المومنین کی اس وصیت کے بعد حضرت عباسؓ ہمیشہ بہن کی خدمت میں پیش پیش رہے۔ شہزادی نذیب نے زندگی میں تین سفر کیے تھے۔ آپ نے پہلا سفر اپنے والد کی زندگی میں مدینہ سے کوفہ تک کیا تھا۔ اس سفر میں حضرت ابوالفضلؓ اپنی بہن کے ساتھ تھے۔ بی بی نے اپنے والد کی شہادت کے بعد دوسرا سفر کوفہ سے مدینہ کا کیا تھا۔ یہ سفر حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی صلح کے بعد ہوا تھا۔ اس سفر میں حسین کریمینؓ اور ابوالفضل العباسؓ بی بی کے ہمراہ تھے۔

شہزادی نے تیسرا سفر اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ سے کیا تھا۔ حضرت امام حسینؓ مدینہ سے مکہ آئے اور پھر مکہ سے کربلا تشریف لے گئے۔ اس پورے سفر میں حضرت ابوالفضلؓ بی بی کے ساتھ رہے اور قدم قدم پر شہزادی کا خیال رکھا۔ حضرت عباسؓ نے ہر مشکل گھڑی میں بہن کا خیال رکھا۔

روز عاشور آیا اور رسالت مآبؐ کا گلشن اجڑ گیا۔ بھائی مارے گئے، بیٹے اور بیٹی شہید ہو گئے۔ بی بیؓ تنہا رہ گئیں۔ لہکرِ شام نے مندراتِ عصمت کو قیدی بنا لیا اور بے کجاوہ آؤنٹوں پر آلِ محمدؐ کی شہزادیوں کو سوار کر کے کوفہ کی طرف روانہ کیا۔

جب بی بی کا مزرعہ قتل سے ہوا تو بی بی نے نہر علقہ پر پڑی ہوئی بھائی کی لاش کی طرف حسرت و یاس سے دیکھا اور رو کر کہا: عباس! آپ مجھے مدینے سے سوار کر کے یہاں لائے تھے، اب اٹھو تمہاری بہن کوفہ و شام جا رہی ہے، مجھے سوار کراؤ۔
 بھیا عباس! میں تو تمہارے ساتھ سفر کرنے کی عادی تھی آج تیرے قاتلوں کے ساتھ جا رہی ہوں۔ بھیا عباس! قافلہ روانہ ہو رہا ہے۔ پھر شہزادی نے یہ اشعار پڑھے:

عباس یا حامی الطعینۃ والحرور بحبک قد نامت سکینۃ فی الحرور
 صرخت ونادت یوم اذ سقط العلم الیوم نامت أعین بک لم تنم
 وتشهدت اخری فعز منامها

عباس تسمع ما تقول سکینۃ عتلا یوم الأسر من یحینی
 ”اے عباس! اے قافلہ اور حرم کے محافظ! تیری نگہبانی میں سکینۃ حرم میں سو یا کرتی تھی۔ جب تیرا علم گرا تو سکینۃ نے چیخ کر کہا تھا کہ آج وہ آنکھیں سونگیں جو تیری وجہ سے نہیں سوتی تھیں۔ اور کچھ آنکھیں جاگنے پر مجبور ہو گئی ہیں۔ اب ان کا سونا محال ہو چکا ہے۔ عباس! اسن رہے ہو کہ سکینۃ کیا کہہ رہی ہے؟ وہ کہہ رہی ہے کہ چچا آج میں قیدی ہوں، میری نگہبانی کون کرے گا؟“

حب داروں اور شیعوں کی نظر میں حضرت عباسؓ کا مقام

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوالفضل العباسؓ کو دنیا و آخرت میں عزت و عظمت عطا کی ہے۔ ہر محب اور شیعہ کے دل میں خدا نے آپؓ کا احترام رکھا ہے۔ آپؓ کا احترام صرف حب داروں کے دلوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ جانین بھی آپؓ کی عظمت کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہیں۔

آقا در بندی مرحوم لکھتے ہیں: لوگ انبیا و اوصیا کی قسمیں بلا دروغ اٹھانے پر آمادہ ہیں لیکن جب کسی کو حضرت عباسؓ کی قسم کھانے کے لیے کہا جائے تو وہ لرز جاتا ہے۔ لوگ آپ کے نام کی جھوٹی قسم کھانے سے ڈرتے ہیں کیونکہ انھیں معلوم ہے کہ خدا انھیں فوراً رسوا کر دے گا اور اس طرح کے واقعات ہر شخص دیکھ چکا ہے۔ خدا کو حضرت ابو الفضلؓ سے بڑی محبت ہے۔ جس نے بھی حضرت عباسؓ کے وسیلہ سے دعا مانگی تو خدا نے اُسے گوہر مراد سے سرفراز کیا۔

حضرت عباسؓ کے حرم میں روزانہ اس طرح کی قبولیت کے واقعات دکھائی دیتے ہیں۔ لوگ چیخ کر کہتے ہیں کہ عباسؓ کا پرچم بلند رہے۔ اس کے توسل سے خدا نے ہماری دعاؤں کو قبول کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ”باب الجنان“ قرار دیا ہے لہذا کوئی بھی شخص آپ کے در سے خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔ ہر شخص آپؐ کے روضہ مبارک سے جمولیاں بھر کر آتا ہے۔

علماء اور زیارت عباسؓ

حضرت ابو الفضلؓ کی زیارت ثواب عظیم کا باعث ہے اور ہر دور میں علماء اس سے مشرف ہوتے رہے ہیں۔ زیارت کے عنوان پر علمائے کتابیں لکھی ہیں جن میں ابن شہیدیؒ نے الزوار الکبیر نامی کتاب لکھی۔ شیخ مفیدؒ اور سید ابن طاووسؒ نے ”مزار“ نام کی دو کتابیں لکھی تھیں۔

چنانچہ مذکورہ بالا تینوں کتابوں میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت ابو الفضل العباسؓ کی زیارت کا طریقہ یہ ہے کہ زائر جب حضرتؓ کے مزار پر جائے تو قبر اطہر کو بوسہ دے اور قبلہ رخ ہو کر یہ زیارت پڑھے:

السلام عليك ايها العبد الصالح.....

دوسری روایت میں مذکور ہے کہ جب زائر مزار کے احاطہ میں داخل ہو تو

قبر اطہر کا بوسہ لے اور کہے: ہابی و اُمی یا ناصر دین اللہ.....
 علماء و مراجع جب بھی حضرت عباسؑ کے مزار پر حاضری دیتے ہیں تو وہ سب
 سے پہلے حضرتؑ کی دہلیز کو بوسہ دیتے ہیں اور حضرت امام حسینؑ کی زیارت سے
 مشرف ہوتے وقت بھی مزار کی دہلیز کو بوسہ دیا جاتا ہے۔

مرحوم فاضل درہندی نے اسرار الشہادۃ میں لکھا ہے: شیخ انصاری رضوان
 اللہ علیہ کی مرہیت کا ذکر تھا۔ کسی نے ان سے کہا کہ شیعہ آپؑ کی اقتدا کرتے ہیں
 اور آپؑ کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ جب آپؑ حضرت امام حسین علیہ السلام کی
 زیارت سے مشرف ہوتے ہیں تو اس وقت اگر آپؑ حضرت ابوالفضل العباسؑ کی
 دہلیز کا بوسہ لے لیں تو دوسرے شیعہ آپؑ کی عہدی کریں گے۔ اس کا ثواب آپؑ کو
 بھی ملے گا۔

شیخ انصاریؒ نے جواب دیا کہ میں حضرت ابوالفضل العباسؑ کی دہلیز کو بوسہ
 دیتا ہوں اور حضرت عباسؑ کی دہلیز کا بوسہ تمام معصومینؑ کی دہلیز کے بوسے کے
 برابر ہے۔

آپؑ صرف حوائج کا دروازہ نہیں ہیں بلکہ آپؑ حضرت امام حسین علیہ السلام
 کا بھی دروازہ ہیں۔ یہاں تک ہم نے حضرت عباسؑ کی عظمت کو بیان کیا ہے جب
 کہ حضرتؑ کی مکمل عظمت کو صرف خدا ہی جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے درخواست ہے کہ وہ ہمیں حضرت ابوالفضلؑ کی زیارت سے
 مشرف فرمائے اور ہمیں آخرت میں آپؑ کے ساتھ مشور فرمائے۔ آمین!

حسینی اصحاب کے چالیس امتیازات

کتاب کے اختتام پر ہم توفیق ایزدی سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے اصحاب کے کچھ خصائص کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں اور اس ضمن میں ہم یہ واضح کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے ساتھ شہید ہونے والے شہدا کو انبیاء سابقین، رسولؑ خدا اور امیر المومنین حضرت علی علیہم السلام کے اصحاب پر خصوصی امتیاز عطا کیا ہے۔ حضرت امام حسینؑ کے اصحاب و انصار کو خدا نے جب اتنی فضیلت عطا کی ہے تو نجانے حضرت عباسؑ علم دارؑ کو خدا نے کیا فضیلت دی ہوگی۔ کیونکہ آپؑ امام مظلومؑ کے صرف ایک ساتھی اور مددگار ہی نہ تھے بلکہ آپؑ تمام انصارِ حسینؑ کے سالار تھے۔

اگر ہم الفاظ بدل دیں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب انصارِ حسینیؑ تمام انصارِ الہی سے افضل ہیں تو ان کا سالار تمام انصارِ خداوندی کے سالاروں سے بھی افضل ہے۔ ذیل میں ہم چند خصائص و امتیازات کی نشان دہی کرتے ہیں:

پہلا امتیاز

اس کائنات رنگ و بو میں کچھ ایسے خوش نصیب بھی ہیں جن سے خدا راضی ہے اور وہ خدا سے راضی ہیں۔ ایسے لوگ ”رضی اللہ عنہم ورضواعنہ“ کے مصداق ہیں اور ہم یہ بات یقین سے کہتے ہیں کہ انبیاء کرامؑ اور اوصیاء عظام کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کے اصحاب اس عظیم درجہ پر فائز ہیں۔ چنانچہ، ثواب

الاعمال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے حلق مقول ہے: آپؑ اپنے ماننے والوں کو نماز فریضہ اور نماز نوافل میں سورۃ فجر پڑھنے کی تلقین کیا کرتے تھے اور آپؑ فرماتے تھے کہ یہ سورہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی سورہ ہے اور جو اس سورہ پر مداومت کرے گا تو قیامت کے دن وہ حضرت امام حسینؑ کے درجہ میں ہوگا۔

شرح آیات باہرہ میں مرقوم ہے: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ سورۃ فجر کی آیت **يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ.....** کے مصداق امام حسینؑ ہیں اور آپؑ قرآن کی اس آیت کے مصداق کامل تھے اور آپؑ نفس مطمئنہ اور راضیہ و مرضیہ نفس کے حامل تھے۔ آپؑ کے اصحاب کو بھی یہ شرف حاصل ہے کہ وہ اللہ سے راضی ہیں اور اللہ ان سے راضی ہے۔ یہ سورہ حضرت امام حسینؑ اور آپؑ کے اور آل محمدؑ کے شیعوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

دوسرا امتیاز

شہیدانِ کربلا جملہ انبیاء و اوصیا کے ساتھیوں سے زیادہ باوفا اور نیکو کار تھے۔ شیخ مفید لکھتے ہیں: امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: ”امام حسینؑ نے شب عاشور اپنے اصحاب سے خطاب کیا اور ان سے فرمایا: میں نے تمہاری گردن سے اپنی بیعت کا قلابہ اٹھا لیا ہے۔ تم میں سے جو بھی واپس جانا چاہے میری طرف سے اسے اجازت ہے۔“ اصحاب نے واپس جانے سے انکار کر دیا۔ سب سے پہلے حضرت عباسؑ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: ”آخر ہم کیوں جائیں؟ کیا اس لیے آپؑ کو چھوڑ دیں کہ ہم آپؑ کے بعد زندہ رہیں۔ خدا ہمیں وہ دن نہ دکھائے کہ ہم آپؑ کے بعد زندہ رہیں۔“

اس کے بعد تمام اصحاب نے آپؑ کو اپنی وفاداریوں کا یقین دلایا۔ جب اصحاب اتمہار خیال کر چکے تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:



”میں نے اپنے اصحاب سے کسی کے اصحاب کو زیادہ وقادار نہیں پایا۔ میں نے کسی کے اہل بیت کو اپنے اہل بیت سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا نہیں پایا۔“

تیسرا امتیاز

اس جہان رنگ و بو میں جتنے بھی افراد نے خدا، دین خدا اور انبیاء کی مدد کی شہدائے کربلا ان تمام سے افضل تھے۔ چنانچہ زیارت ناحیہ میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں:

السلام علیکم یا خیر انصار السلام علیکم بما صبرتم

فنعلم عقیب الدار

”اے تمام انصار سے بہتر افراد اتم پر سلام ہو۔ صبر کرنے والو! تم پر سلام ہو، آخرت کا گھر بہترین گھر ہے۔“

اس کی ایک امکانی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ امامؑ کے اصحاب و انصار کا ایمان بڑا ہی مضبوط تھا اور میدان کربلا میں حسینیؑ لشکر اور یزیدی لشکر میں ایک اور ایک ہزار کا فرق تھا۔

علامہ اقبال نے لکھا ہے:

دشمنت چون رہیگ صحرا لاتعد

دوستان او بہ یزداں ہم عدد

”آپؑ کے دشمن صحرا کی ریت کی طرح سے لاتعداد تھے اور

آپؑ کے دوست یزدان کے ہم عدد تھے“ یعنی ان کی تعداد

بہتر تھی کیونکہ یزدان کے عدد بھی بہتر ہیں۔ (اضافہ من المعجم)

تمام اصحاب حسینؑ کو یقین تھا کہ ہم ظاہری فتح حاصل نہیں کر سکتے اور وہ یہ

بات بھی جانتے تھے کہ لشکرِ یزید کی ان سے کوئی ذاتی خاصیت نہیں ہے۔ اگر وہ حضرت امام حسینؑ کو چھوڑ دیں تو کوئی بھی انہیں کچھ نہیں کہے گا۔ اس کے باوجود انہوں نے وقا کا حق ادا کیا اور اپنی جان مظلوم کر بلا پر نثار کر دی۔

واقعہ کر بلا سے قبل حق و باطل کی جتنی بھی جنگیں ہوئی تھیں ان میں اہل حق کو اپنی کامیابی کی کچھ نہ کچھ امید ضرور تھی لیکن کر بلا کی جگہ میں کسی کو بھی ظاہری کامیابی کی امید نہیں تھی۔

چوتھا امتیاز

شہدائے کر بلا کے نام اور ان کی تعداد پہلے سے لوح محفوظ پر لکھی ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ اس تعداد سے کم ہو سکتے تھے اور نہ زیادہ۔ روایات میں مذکور ہے کہ کسی نے ابن عباسؓ کو یہ طعنہ دیا کہ آپ نے حضرت امام حسینؑ کی مدد کیوں نہ کی؟ اس کے جواب میں ابن عباسؓ نے کہا: خدا نے اصحابِ حسینؑ کا پہلے سے فیصلہ کر دیا تھا ان میں نہ کمی ہو سکتی تھی اور نہ ہی زیادتی۔ ان کے اصحاب کے نام اور ولدیت ہمارے پاس پہلے سے لکھے ہوئے ہیں۔

حدیثِ ثقی نے نفسِ المہوم میں لکھا ہے کہ محمد بن حنفیہ نے کہا: امام حسینؑ کے اصحاب کے نام ہمارے پاس ولدیت سمیت لکھے ہوئے ہیں۔

پانچواں امتیاز

شہدائے کر بلا بھلائی اور جنت کی طرف سبقت کرنے میں سب سے پیش پیش تھے۔ اولین و آخرین میں سے کوئی بھی ان کے درجہ کو حاصل نہیں کر سکتا جب کہ ان سے سبقت کرنا تو دُور کی بات ہے۔ چنانچہ شیخ نے تہذیب میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت

علیؑ کا کربلا سے گزر ہوا، آپؑ نے فرمایا:

هاهنا مناخ ركاہم ومصارع رجالہم شهداء لا
يسبقہم من كان قبلہم ولا يلحقہم من كان بعدهم
”یہاں ان کی سواریاں بیٹھیں گی اور یہاں اس قافلہ کے مرد
قتل ہوں گے۔ وہ ایسے شہدا ہیں کہ ان سے پہلے کے شہدا ان
سے سبقت حاصل نہیں کر سکیں گے اور ان کے بعد کے شہدا ان
سے نہیں مل سکیں گے۔“

بحار میں مرحوم راوندی کے حوالے سے منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام
نے فرمایا: امیر المومنین علیہ السلام نے کربلا سے گزرتے ہوئے یہ الفاظ فرمائے تھے:

هاهنا مناخ ركاہم ومصارع عشاقہم شهداء لا
يسبقہم من كان قبلہم ولا يلحقہم من كان بعدهم
”یہاں ان کی سواریاں بیٹھیں گی اور یہاں ان کے عشاق قتل
ہوں گے۔ ان سے پہلے کے شہدا ان سے سبقت نہ کر سکیں
گے اور ان کے بعد کے شہدا ان سے نہیں مل سکیں گے۔“

واضح رہے کہ ”عشق“ کا لفظ صرف اس روایت میں مذکور ہے اور اس کے
علاوہ دو اور روایات میں بھی اس لفظ کو بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان تین روایات کے
علاوہ اور کسی روایت میں یہ لفظ دکھائی نہیں دیتا۔

چمٹا امتیاز

اللہ کے ہاں شہدائے کربلا کا درجہ تمام شہدا سے بلند ہے۔ چنانچہ بحار میں
امالی کے حوالے سے بیان ہوا ہے کہ بیٹم تمار نے جہلم کیہ سے کہا تھا:
اے جہلم! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ قیامت کے دن حضرت حسینؑ بن علیؑ

تمام شہدا کے سردار ہوں گے اور ان کے اصحاب کو دوسرے شہدا پر درجہ حاصل ہوگا۔
اس روایت سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ حضرت امام
حسینؑ کے ساتھی باقی شہدا سے زیادہ درجات کے حامل ہیں۔

ساتواں امتیاز

شہدائے کربلا اپنے زمانے کے سب سے بڑے عبادت گزار تھے۔ چنانچہ
سید ابن طاووس لکھتے ہیں: حسینیؑ اصحاب نے دس محرم کی پوری رات رکوع و سجود میں
بسر کی تھی اور ان کے خیام سے تسبیح و تہلیل کی آوازیں اٹھ رہی تھیں جیسا کہ شہدا کی
کمپیوں کی جھنجھناہٹ ہو۔ اس رات ابن سعد کے لشکر سے بتیں افراد کل کر امام
حسینؑ کے لشکر میں شامل ہوئے تھے۔

سالار شہیداں حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے زمانہ کے سب سے بڑے
عابد تھے۔ چنانچہ احمد الفرید میں لکھا ہے کہ کسی نے امام سجادؑ سے پوچھا تھا کہ آپؑ
کے والد کی اولاد اتنی کم کیوں ہے؟

امام سجادؑ نے جواب دیا: اولاد کی کمی پر تعجب نہ کرو، تم ان کے صاحبزادے
ہونے پر تعجب کرو۔ میرے والد روزانہ ایک ہزار رکعات نماز پڑھتے تھے، ان کے
پاس بیویوں کے لیے وقت ہی کہاں تھا؟

شیخ مفید نے اپنی کتاب ارشاد میں حبّ عاشور کے واقعات کے ضمن میں
لکھا: دس محرم کی رات امام حسینؑ نے نماز، استغفار، دعا اور تضرع میں بسر کی تھی۔
آپؑ کے اصحاب بھی ساری رات نماز اور دعا و استغفار میں مصروف رہے تھے۔

آٹھواں امتیاز

کربلا کے شہدا تمام لوگوں سے زیادہ پرہیزگار تھے اور ان کے تقویٰ کا یہ

ثبوت ہے کہ وہ اگرچہ شہادت کے مشتاق تھے اور غسل بھی ان سے امام کی نصرت کی متقاضی تھی مگر اس کے باوجود جب تک انھوں نے امام سے اجازت نہیں لی تب تک کسی نے میدان جنگ میں قدم نہیں رکھا تھا اور جب امام کی طرف سے اجازت ملتی تو وہ میدان میں جاتے تھے۔

نواں امتیاز

کربلا کے تمام شہدا اپنے ارادہ و استقلال کی بلند یوں پر قائم تھے اور ان سے بڑا بہادر آج تک چشم فلک نے نہیں دیکھا۔ وہ عاشر سب کو یقین تھا کہ ان کی زندگی کی یہ آخری شب ہے اور کل دن چڑھتے ہی وہ شہید ہو جائیں گے۔ لیکن اس حقیقت کو جاننے کے باوجود ان میں نہ تو کوئی اضطراب تھا اور نہ ہی ان پر کوئی پریشانی طاری ہوئی تھی۔ انھوں نے ساری رات دلجمعی سے خدا کی عبادت اور قرآن حکیم کی تلاوت میں بسر کی تھی اور بعض مواقع پر ایک دوسرے سے مزاح بھی کیا تھا۔

دسواں امتیاز

کربلا کے شہدا ان تک انسان تھے۔ وہ جانتے تھے کہ وہ عاشر ان کی زندگی کی آخری رات ہے۔ اس کے باوجود انھوں نے پوری تسلی اور اطمینان سے خدا کی عبادت کی تھی۔ ابھی ان کی عبادت جاری تھی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے انھیں حکم دیا کہ خیام اہل بیت اور لشکر گاہ کے گرد خندق کھودی جائے اور اسے لکڑیوں سے پُر کر دیا جائے اور جب صبح ہو تو لکڑیوں کو آگ لگا دی جائے۔

آپ چاہتے تھے کہ کل صبح جب جنگ ہو تو دشمن چاروں طرف سے حملہ نہ کر سکے۔ چنانچہ اصحاب اٹھے اور امام کے فرمان پر خندق کھودی اور اس کو لکڑیوں سے بھر دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تین دن کی بھوک پیاس سے ان کی ہمتیں کمزور نہ ہوئی تھیں اور وہ امامؑ کے حکم پر سخت کام بھی کرنے پر آمادہ تھے۔ صبح ہوئی تو دشمن نے چاروں طرف سے حملہ کرنا چاہا لیکن جب انھوں نے خندق سے آگ کے شعلے بھڑکتے ہوئے دیکھے تو انھیں واپس جانا پڑا۔

گیارہواں امتیاز

کر بلا کے شہدا اپنے زمانہ کے نجیب ترین لوگ تھے۔ جیسا کہ مروج الذہب میں مسعودی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی مدد ایک ہزار افراد سے کرائی ہے۔

طاہوت کی مدد تین سو تیرہ مجاہدین سے کرائی۔

جنگ بدر میں رسول خداؐ کے اصحاب کی تعداد بھی تین سو تیرہ تھی۔

امام مہدیؑ کے اصحاب کی تعداد بھی تین سو تیرہ افراد پر مشتمل ہوگی۔ بقیہ

اسکھ افراد وہ ہیں جو امام حسینؑ کے ساتھ کر بلا میں شہید ہوئے تھے۔

علامہ نوری لکھتے ہیں کہ مسعودی کی بیان کردہ یہ تعداد صحیح نہیں ہے کیونکہ کر بلا

کے شہدا کی تعداد کم از کم بہتر افراد پر مشتمل تھی۔ البتہ مسعودی کے قول کی یہ تاویل کی

جاسکتی ہے کہ اس سے بنی ہاشم کے علاوہ دوسرے اصحاب مراد ہوں۔

بارہواں امتیاز

شہدائے کر بلا اللہ، رسول اور اہل بیت کی محبت میں اخلاص کے اعلیٰ ترین

رُجہ پر قائم تھے۔ حضرت امیر المومنین علیؑ نے انھیں لفظ ”احب“ سے تعبیر کیا

تھا جیسا کہ تہذیب میں مرقوم ہے: امیر المومنینؑ دو ساتھیوں سمیت کر بلا سے گزرے

تو آپؑ رونے لگے اور فرمایا:

ماہنا مہراق دمالہم

”یہاں ان کے خون بہائے جائیں گے۔“

طوبی لك من تربة يراق فيها دماء الاحبة

”اے زمین کر بلا! تجھے مبارک ہو یہاں ہمارے دوستوں کا

خون بہایا جائے گا۔“

تیر ہواں امتیاز

زمین کر بلا نے چونکہ تواضع کا مظاہرہ کیا تھا اس کے نتیجہ میں خدا نے اسے
عالی قدر شہدا کا مدفن ہونے کا شرف عطا کیا تھا۔

کامل الزیارات میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:
زمین کے مختلف ٹکڑوں نے ایک دوسرے پر فخر کیا۔ زمین کر بلا نے تواضع اور
اکساری سے کہا:

میں خدا کی مقدس سر زمین ہوں اور میں بابرکت ہوں۔ میری مٹی اور پانی
میں شفا ہے۔ اس کے باوجود میں فخر نہیں کرتی۔ میں اپنے خدا کے سامنے عاجزی
اختیار کرتی ہوں اور جو زمین مجھ سے درجہ میں کم ہے میں اس پر بھی فخر نہیں کرتی۔
میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں۔ اللہ نے اس تواضع کا یہ ثمر عطا کیا کہ حضرت امام حسینؑ
اور آپؐ کے اصحاب کا یہ زمین مدفن بنی۔

چودھواں امتیاز

شہدائے کر بلا کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے انہیں اپنا
بھائی کہا تھا۔ چنانچہ کتاب لیس الرحمن میں رجال کشی کے حوالہ سے مرقوم ہے:
صہیب بن نجہ فزاری بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ ہمارے پاس آئے، ہم نے
ان کا استقبال کیا۔ وہ ہمیں کر بلا لے گئے۔ جب ہم کر بلا پہنچے تو حضرت سلمانؓ نے کہا:

هَذَا مَصَارِعُ اخْوَانِي هَذَا مَوْضِعُ رَحْلَتِهِمْ وَهَذَا مَنَاحُ
رُكَابِهِمْ وَهَذَا مَهْرَاقُ دِمَائِهِمْ يَقْتُلُ بِهَا ابْنُ خَيْرِ
النَّبِيِّينَ وَيَقْتُلُ بِهَا خَيْرِ الْآخِرِينَ
”یہ میرے بھائیوں کی شہادت گاہ ہے۔ یہاں ان کا قافلہ
اُترے گا اور یہاں ان کی سواریاں بیٹھیں گی اور یہاں ان کا
خون بہایا جائے گا۔ یہاں خیر الانبیاء کا فرزند شہید کیا جائے گا
اور خیر الآخرین ان کے ساتھ شہادت پائیں گے۔“

پندرہواں امتیاز

جس طرح سے حضرت امام حسین علیہ السلام تمام شہدائے اولین و آخرین
کے سردار ہیں اسی طرح سے شہدائے کربلا بھی باقی تمام شہدائے کربلا کے سردار ہیں۔ جیسا کہ
نفس المہموم میں شیخ ابن نما سے منقول ہے کہ رسول خدا نے فرمایا:
”امت میرے بیٹے حسینؑ سے جو سلوک کرے گی میں اس سلوک کو گویا اپنی
آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ وہ میرے حرم اور میری قبر پر پناہ لے گا لیکن اسے پناہ نہیں
ملے گی۔ پھر وہ اپنی قتل گاہ کرب و بلا کی طرف سفر کرے گا۔ مسلمانوں کا ایک گروہ
اس کی مدد کرے گا۔ وہ قیامت کے دن میری امت کے شہیدوں کے سردار ہوں گے۔“

سولہواں امتیاز

شہدائے کربلا کو شہیدوں کے سردار، سابقین اور انصار و مہاجرین کا امتیاز
حاصل ہے۔ چنانچہ کتاب تحفۃ الزائر میں شہدائے کربلا کی زیارت میں یہ الفاظ کہے
گئے ہیں:

انتم سادات الشهداء فی الدنيا والآخرة وانتم السابقون

والمہاجرون والانصار

”آپ حضرات دنیا و آخرت میں شہدائے سرمد ہیں اور آپ

حضرات سبقت کرنے والے اور مہاجرین و انصار ہیں۔“

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سابقین اولین اور مہاجرین و انصار کے لیے جو اجر مقرر

کیا ہے شہدائے کربلا اس اجر کے حق دار ہیں۔

شہیدانِ وفا نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی نصرت میں سبقت کی تھی

اور انھوں نے اپنے گمراہ سے ہجرت کی تھی اور فرزندِ رسولؐ کی نصرت کی تھی اسی

لیے وہ سابقین بھی ہیں اور وہ مہاجرین و انصار بھی ہیں۔

ستر ہواں امتیاز

شہیدانِ وفا کا درجہ شہیدِ انبیاء اور اولادِ انبیاء کے برابر ہے۔ جیسا کہ غیبی

نعمانی میں لکھا ہوا ہے کہ روزِ عاشور حضرت امام حسینؑ اپنے شہدائے لاشوں کو اٹھا کر

ایک خیمہ میں رکھتے تھے اور یہ الفاظ فرماتے تھے:

قَتَلَتْهُ مِثْلَ قَتْلَةِ النَّبِيِّينَ وَآلِ النَّبِيِّينَ

”یہ شہدائے انبیاء اور آلِ انبیاء کے شہدائے مانند ہیں۔“

اشعارِ وصالِ امتیاز

شہدائے کربلا سابقہ شہیدِ انبیاء اور ان کے سامنے شہید ہونے والوں کے

مساوی ہیں۔ حدیثِ پاک میں بیان کیا گیا کہ قاتلِ امام حسینؑ پر سب سے پہلے اللہ

نے لعنت کی۔ پھر فرشتوں نے حضرت امام حسینؑ کے قاتل پر لعنت کی۔ بعد ازاں

یکے بعد دیگرے تمام انبیاء نے قاتلِ حسینؑ پر لعنت کی تھی اور انھوں نے اپنی اولاد

اور ماننے والوں کو اس کی وصیت کی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے قاتلِ حسینؑ پر

لعنت کی تھی اور بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ وہ بھی اس پر لعنت کریں۔
 حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قاتل حسینؑ پر لعنت کی اور انہوں نے بنی
 اسرائیل سے کہا کہ تم بھی حضرت امام حسینؑ کے قاتل پر لعنت بھیجو۔ مگر حضرت امام
 حسینؑ کو پاؤ تو اس کی مدد کرو، کیونکہ اس کی نصرت میں شہید ہونے کو انبیاء کے ساتھ
 شہید ہونے والے کا رتبہ ملے گا۔

انیسواں امتیاز

زمانہ رجعت میں شہدائے کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ
 دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ چنانچہ کتاب ”نفیۃ المصذور“ میں قُمْ مَرَدُّنَا لَكُمْ
 الْكَوْثَا عَلَيْنِهِمْ (بنی اسرائیل: ۶) کی آیت کے ضمن میں مرقوم ہے کہ زمانہ رجعت
 میں حضرت امام حسینؑ اپنے ستر ساتھیوں کے ہمراہ دوبارہ تشریف لائیں گے۔ آپؑ
 کے اصحاب اعلان کریں گے کہ لوگو! یہ امام حسینؑ تشریف لائے ہیں۔ اس کے بعد
 کوئی بھی امام زمانہؑ کے ظہور میں شک نہیں کرے گا۔

بیسواں امتیاز

شہیدان کربلا کو ”اولیاء، اصفیاء، اوداء اور احباء“ کے القاب سے یاد کیا گیا
 ہے۔ جیسا کہ کتاب تحفۃ الزائر میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام
 نے صفوان جمال کو زیارت کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: پھر شہدا کی طرف متوجہ ہو جاؤ
 اور ان پر ان الفاظ سے زیارت پڑھو:

السلام علیکم یا اولیاء اللہ واحباؤہ السلام علیکم یا
 اصفیاء اللہ واوداء..... السلام علیکم یا انصار دین
 اللہ..... یا ابی انتم و اُمی طبتم وطابت الارض التي فیہا

دفنتم وفرجم واللہ فونہا عظیمہ فیالیتنی کنت معکم
فافون معکم

”اے اللہ کے اولیاء، احباء، اصفیاء، اوداء! تم پر سلام! اے
دین خداوندی کے مددگارو! تم پر سلام، میرے ماں باپ تم پر
قربان تم خود بھی پاک ہو اور تمہاری وجہ سے وہ زمین بھی
پاک ہے جہاں تم دفن ہوئے ہو۔ خدا کی قسم! تم نے بہت
بڑی کامیابی حاصل کی۔ اے کاش! میں تمہارے ساتھ ہوتا تو
میں بھی کامیابی حاصل کرتا۔“

اکیسواں امتیاز

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثار صحابی حضرت جابر بن عبد اللہ
نے شہدائے کربلا کو اللہ، رسول، امیر المؤمنین، حسن و حسینؑ کے شیعہ، طاہر، ہدایت
یافتہ اور نیکو کار افراد کا خطاب دیا تھا۔

حضرت جابرؓ چہلم حضرت امام حسینؑ پر کربلا آئے تھے اور انہوں نے
شہدائے کربلا کو ان الفاظ سے خراج تحسین پیش کرتے ہوئے سلام کیا تھا اور کہا تھا:

السلام علیکم یا شیعۃ رسولہ وشیعۃ امیر المؤمنین
والحسن والحسین السلام علیکم یا طاہرون السلام
علیکم یا مہدیون السلام علیکم یا ابراہیم.....

بائیسواں امتیاز

شہدائے کربلا ایمان کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے اور ان کے نور کی چمک اتنی
زیادہ تھی کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آسمان کے ستاروں سے

تشیبہ دی تھی۔ چنانچہ تفسیر فرات میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا:

ایک مرتبہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا حسین علیہ السلام کو اٹھائے ہوئے رسول اکرمؐ کی خدمت میں آئیں۔ آں حضرتؑ نے امام حسینؑ کو اٹھایا اور سینہ سے لگا کر فرمایا: اللہ تیرے قاتل پر لعنت کرے اور تیرا سامان لوٹنے والے پر لعنت کرے اور اللہ تیرے خلاف اجتماع کرنے والوں پر لعنت کرے۔ اللہ میرے اور تیرے مخالفین کے درمیان فیصلہ فرمائے۔

حضرت فاطمہ زہراؑ نے عرض کیا: بابا جان! اس کی وضاحت فرمائیں۔ آں حضرتؑ نے فرمایا: میرے اس بیٹے پر میرے بعد ظلم و ستم کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ کچھ لوگ ہوں گے جو کہ آسمان کے ستاروں کے مانند ہوں گے، انھیں قتل کر دیا جائے گا۔ اس وقت گویا میں ان کی لشکرگاہ اور خیم اور ان کی قبروں کو دیکھ رہا ہوں۔

نبیوں اقبال

شہدائے کربلا رسول اکرمؐ کے مقربین میں سے ہیں۔ اگر وہ رسول اکرمؐ کے دور میں ہوتے تو آپؑ ان کا احترام کرتے اور ان پر شفقت فرماتے۔ جیسا کہ بحار میں تفسیر شبلی کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب ربیع بن خثیم کو حضرت امام حسینؑ اور ان کے جاں نثار ساتھیوں کی شہادت کی خبر ملی تو اس نے کہا:

”تم نے پاکیزہ سیرت افراد کو قتل کیا ہے اگر رسول خدا انھیں پاتے تو ان کی عزت و احترام کرتے اور ان پر شفقت کرتے اور ان پر کرم نوازی فرماتے۔“

چوبیسواں امتیاز

شہیدانِ وفا کو شہادت کا اتنا اشتیاق تھا کہ انھیں تیروں اور نیزوں کے زخموں کا احساس تک نہیں ہوتا تھا۔ جیسا کہ راوندی نے خراج میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا: میرے نانا جان نے مجھ سے فرمایا تھا: پیارے فرزند! تجھے عن قریب عراق جانا ہوگا۔ یہ وہ زمین ہے جہاں انبیاء و اوصیاء گئے تھے اور یہ وہ زمین ہے جسے ”عمورا“ کہا جاتا ہے۔ وہاں تجھے شہید کیا جائے گا اور تیرے ساتھ تیرے اصحاب کی ایک جماعت کو بھی شہید کیا جائے گا جو لوہے کی ضرب کو محسوس نہیں کریں گے۔

پھر آں حضرت نے یہ آیت پڑھی تھی:

قُلْنَا يٰنَارُ كُونِي بَرْدًا وَّ سَلَامًا عَلٰی اٰہِرٰہِیْمَ

بعد میں آں حضرت نے فرمایا: ابراہیم علیہ السلام کی طرح سے ان پر اور تجھ پر جنگ خنڈک اور سلامتی میں بدل جائے گی۔

پچیسواں امتیاز

شہدائے کربلا اپنے دین میں اتنے مضبوط تھے کہ وہ کسی عہدہ و منصب کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اور موت سے ذرہ برابر خوف زدہ نہیں تھے۔ رجال کشی میں حضرت حبیب بن مظاہر کے حالات میں لکھا ہوا ہے کہ حبیب کا تعلق اس جماعت سے ہے جنہوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی مدد کی تھی اور تیروں تلواروں کے زخم کھائے تھے اور وہ لوگ اتنے مضبوط عقیدہ کے مالک تھے کہ انھیں امان اور دولت کی پیش کشیں ہوئی تھیں لیکن وہ جواب میں کہتے تھے کہ ہم رسول خدا کو کیا منہ دکھائیں گے۔ آخر کار وہ پوری جماعت امام حسینؑ کے سامنے شہید ہو گئی۔



چھبیسواں امتیاز

شہدائے کربلا خوددار اور غیور لوگ تھے۔ ان لوگوں نے ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دی تھی۔ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں کیا خوب لکھا ہے:

”حسین بن علی کائنات کے بڑے غیور اور خوددار انسان تھے۔ انھوں نے لوگوں کو غیرت کا سبق دیا اور انھوں نے لوگوں سے کہا کہ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔“

حضرت امام حسین علیہ السلام کو کئی بار امان کی پیش کش ہوئی تھی مگر آپ نے ہر بار اسے پائے حقارت سے ٹھکرا کر انسانی غیرت کو سر بلند کیا۔ حضرت امام حسین کے اصحاب آپ کے شاگرد تھے۔ انھوں نے بھی اپنے آقا و مولا کی طرح سے دنیا کے تمام مناصب ٹھکرا کر اپنی اعلیٰ طرفی اور غیرت کا ثبوت دیا تھا۔

ستائیسواں امتیاز

شہیدان کربلا کو خدا نے غسل دلویا اور ملائکہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی تھی۔ بحار الانوار میں کامل الزیارات کے حوالے سے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے، آپ نے فرمایا: مجھ سے میری بھوپھی شہزادی زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا نے بیان کیا۔ انہوں نے ام ایمن سے روایت کی کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل امین سے سنا کہ جب اہل حق کا یہ کاروان اپنی قتل گاہ میں جائے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے وسیع قدرت سے ان کی ارواح کو قبض کرے گا اور ساتویں آسمان کے ملائکہ کو حکم دے گا کہ وہ یا قوت و زمرہ کے برتنوں میں آپ حیات پھریں اور جنت کی پوشاکیں لے جائیں اور جنت کی خوشبو لے جائیں اور جا کر شہدا

کو غسل دیں اور وہ پوشاکیں انہیں پہنائیں اور اس خوش بو سے انہیں حوطہ کریں۔
ملائکہ صف در صف ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔

اشھائیکسواں احتیاز

اللہ تعالیٰ نے شہدائے کربلا کو وہ مرتبہ عطا کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے ان کے خون کو شیشی میں جمع کیا تھا اور ان کی قبریں بتائی تھیں۔ جیسا کہ شیخ طوسی نے امالی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے: دس محرم کے دن حضرت ام سلمہؓ گھر میں سوئیں اور پریشان ہو کر انہیں اور رونے لگیں۔ بی بیؓ سے ان کے رونے کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ جب سے رسولؐ کی وفات ہوئی ہے آج مجھے ان کی زیارت نصیب ہوئی ہے۔ میں نے ابھی خواب میں رسولؐ خدا کو دیکھا کہ آپؐ کی زلفیں بکھری ہوئی اور غبار آلود تھیں۔

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپؐ نے یہ کیا حالت دی ہوئی ہے؟
رسولؐ خدا نے فرمایا: میرا فرزند حسینؑ قتل ہو گیا ہے۔ میں اب تک حسینؑ اور اس کے ساتھیوں کی قبریں کھودنے میں مصروف تھا۔
ابن شہر آشوب مناقب میں لکھتے ہیں: ابن عباسؓ نے کہا کہ میں اپنے گھر میں بیٹھا تھا کہ حضرت ام سلمہؓ کے گھر سے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ میں نے کان لگا کر سنا تو بی بیؓ کہہ رہی تھیں:

اے دختران عبدالمطلب! نوے پڑھنے میں میری مدد کرو اور رونے میں میرا ساتھ دو۔ تمہارے آقا و مولا حضرت امام حسین علیہ السلام شہید ہو گئے ہیں۔

بی بیؓ سے پوچھا گیا: آپؐ کو یہ بات کس نے بتائی؟
بی بیؓ نے کہا: میں سوئی ہوئی تھی کہ میں نے خواب میں رسولؐ خدا کو دیکھا
آپؐ کی زلفیں بکھری ہوئی اور غبار آلود تھیں۔

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کی رفیقیں کیوں نکھری ہوئی ہیں اور غبار آلود کیوں ہیں؟

رسول خدا نے بڑے دکھ سے جواب دیا کہ میرا بیٹا حسینؑ مارا گیا۔ میں اب تک اس کے اور اس کے اصحاب کی قبریں کھودتا رہا ہوں۔

بعد ازاں بی بی ام سلمہؓ اس شیشی کی طرف متوجہ ہوئیں جس میں کربلا کی خاک تھی جو کہ آنحضرتؐ نے انھیں دی تھی اور فرمایا تھا: جب یہ خاک خون میں بدل جائے تو سمجھ لینا کہ میرا بیٹا حسینؑ شہید ہو گیا ہے۔
بی بیؓ نے شیشی کو دیکھا تو وہ خاک خون میں تبدیل ہو چکی تھی۔

انیسواں امتیاز

شہدائے کربلا نے اپنی شہادت سے پہلے جنت میں اپنے اپنے مقامات کو دیکھ لیا تھا۔ عل الشرائع میں مرقوم ہے: ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: مولاً! یہ بتائیں کہ اصحاب حسینؑ بڑھ چڑھ کر موت کی طرف جانے کے مشتاق کیوں تھے؟

امام علیہ السلام نے جواب دیا: ان کے سامنے سے پردے ہٹا دیے گئے تھے۔ انھوں نے منازل جنت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ اسی لیے ہر ایک کی خواہش تھی کہ وہ جلد شہید ہو، تاکہ حوروں کو گلے لگائے اور جلدی سے جنت میں داخل ہو جائے۔

تیسواں امتیاز

شہدائے کربلا اتنے عظیم تھے کہ معصوم امامؑ نے انھیں زندگی میں ہی منازل جنت دکھا دیے تھے۔

نفس المہوم میں قلب راوندی کے حوالے سے ابوہریرہ ثمالی سے روایت کی ہے۔ انھوں نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت کی ہے، آپؑ نے فرمایا:

میرے والد علیہ السلام نے شب عاشور اپنے اصحاب کو جمع کر کے خطبہ دیا کہ یہ لوگ مجھے مارنے کے خواہش مند ہیں، انھیں تم سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ تم لوگ میری طرف سے آزاد ہو۔ رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاؤ اور چلے جاؤ۔

امامؑ کے اصحاب نے عرض کیا: ہم آپ کو چھوڑ کر کہاں نہیں جائیں گے۔ امام حسینؑ نے فرمایا: سن لو، کل کے دن تم سب قتل ہو جاؤ گے اور تم میں سے کوئی زندہ باقی نہیں رہے گا۔

اصحاب نے یہ سنا تو کہا: اس ذات کی حمد ہے جس نے ہمیں آپؑ کے ساتھ قتل ہونے کا شرف دیا۔ اس کے بعد آپؑ نے دونوں ہاتھ دعا کے لیے بلند کیے اور فرمایا: سر بلند کرو اور دیکھو جب اصحاب نے سر اٹھا کر دیکھا، انھیں جنت میں ان کے مکانات دکھائی دیے۔

زیارت ناحیہ میں یہ الفاظ وارد ہیں: وَكشَفَ اللَّهُ لَهُمُ الْخَطَاءَ ”اللہ نے ان کے سامنے پڑے ہوئے پردے اٹھا دیے تھے۔“

اقتیواں امتیاز

اللہ تعالیٰ نے کربلا کے شہدا کو یہ امتیاز عطا کیا کہ جیسے ہی وہ شہید ہوئے تو وہ جنت میں داخل ہو گئے اور حور عین سے معاقدہ کیا۔

امالی میں سالم سے منقول ہے: ایک شخص نے کہا: میں نے کعب الاحبار سے سنا کہ ہماری کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ اولاد محمدؐ میں سے ایک شخص قتل ہوگا اور اس

کے ساتھ اس کے اصحاب قتل ہوں گے۔ ابھی ان کے گھوڑوں کا پینہ خشک نہیں ہوا ہوگا کہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور حور عین سے ہم آغوش ہوں گے۔
اسنے میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا وہاں سے گزر ہوا۔ ہم نے ان کی طرف اشارہ کیا۔ کعب الاخبار نے کہا: جی ہاں وہ یہی ہے۔

تین سو اسی امتیاز

شہدائے کربلا کو خدا نے یہ امتیاز عطا کیا ہے کہ قیامت کے دن وہ کسی حساب کے بغیر جنت میں جائیں گے۔
امالی میں ہر رحمہ بنی مسلم سے متحول ہے کہ ہم جنگ صفین میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے عمر کو تھے۔ واپسی پر آپؑ کربلا سے گزرے اور وہاں حجر کی نماز ادا کی۔ پھر آپؑ نے کربلا کی مٹی اٹھا کر سونگھ لی اور آپؑ نے زمین کربلا سے خطاب کر کے فرمایا:

اے خاک! حیرت انگیز بلند ہے تجھ سے کئی اقوام محسوس ہوں گی جو حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گی۔ سید مہدی سی بات ہے کہ کربلا کی زمین سے حضرت امام حسینؑ اور آپؑ کے اصحاب کو سب سے پہلے اٹھایا جائے گا اور یہ کسی حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے۔

تین سو اسی امتیاز

راہِ وفا کے شہیدوں کو خدا نے یہ مقام دیا کہ رسول خدا اور امیر المومنین حضرت علیؑ نے انھیں اپنے ہاتھوں سے جام کوثر پلایا۔
امالی شیخ طوسی میں سدی سے متحول ہے کہ ہم نے ایک شخص کو دیکھا جس سے تارکول کی بدبو آتی تھی۔

ہم نے اس سے پوچھا: کیا تو تارکول بیچتا ہے؟
 اس نے جواب دیا: نہیں، میں یہ کاروبار نہیں کرتا۔
 ہم نے کہا: پھر تیرے وجود سے تارکول کی بدلو کیوں آتی ہے؟
 اس شخص نے جواب دیا کہ میں تیل فروش ہوں، میں کربلا میں گیا تھا اور
 ابن سعد کے لشکر کو تیل بیچتا تھا۔

واقعہ کربلا کے بعد ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ رسول خدا اور
 امیر المومنین شہدائے کربلا کو پانی پلا رہے ہیں۔

مجھے بھی پیاس محسوس ہوئی۔ میں نے امیر المومنین سے پانی طلب کیا۔ انھوں
 نے مجھے پانی نہ دیا۔ میں نے رسول خدا سے پانی کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا:
 کیا تو واقعی نہیں ہے جس نے میرے فرزند کے خلاف دشمنوں کی مدد کی تھی؟
 پھر آپ نے حکم دیا کہ اسے تارکول پلایا جائے۔ چنانچہ مجھے تارکول پلایا
 گیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک میرے وجود سے تارکول کی بدلو آتی ہے۔

چوتھی سوال اختیار

راہِ حق و صداقت کے شہدا کو خدا نے یہ اعزاز بخشا کہ رسول خدا نے ان کا
 خون ایک شیشی میں جمع کیا تھا۔

کامل ابن اثیر اور تذکرہ سبط ابن جوزی میں ابن عباسؓ سے منقول ہے: روزِ
 عاشورا میں سویا ہوا تھا۔ مجھے خواب میں حضرت رسول اکرمؐ کی زیارت نصیب ہوئی۔
 آپؐ اچھائی ٹمکن تھے۔ آپؐ کے ہاتھ میں ایک شیشی تھی جو کہ خون سے بھری ہوئی تھی۔
 میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ غم و اندوہ کیوں ہے اور خون بھری شیشی
 کس لیے ہے؟

آں حضرتؐ نے جواب دیا: اے ابن عباسؓ! یہ میرے فرزند حسینؑ اور اس

کے ساتھیوں کا خون ہے جسے میں آج جمع کرتا رہا ہوں۔ کل قیامت کے دن جب میں خدا کے سامنے فریاد کروں گا تو یہ خون پیش کروں گا۔

صبح ہوئی تو ابن عباسؓ نے لوگوں کو اپنا خواب سنایا۔ لوگوں نے وہ تاریخ لکھ لی۔ چند دنوں کے بعد شہادت حضرت امام حسینؓ کی خبر آئی تو وہ وہی تاریخ تھی جو کہ لوگوں کے پاس پہلے سے لکھی ہوئی تھی۔

ہینتیسواں امتیاز

کربلا کے شہداء اس لائق تھے کہ امام علیہ السلام انھیں جنت اور جہنم جنت کی بشارت دیں۔

معانی الاخبار میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے: روز عاشورا جب جنگ میں شدت پیدا ہوئی اور موت نے اہل حق کو گمیر لیا تو امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو بڑی محبت سے دیکھا اور فرمایا:

”اے شرفا زادو! موت بس ایک ٹپل ہے جسے تم عبور کرو گے

تو تمام تکالیف سے نجات پا کر اللہ کی وسیع جنت اور ابدی

نعمات میں پہنچ جاؤ گے۔ تم میں سے ایسا کون ہے جو زندان

سے محل جانے کو ناپسند کرتا ہو۔ جب کہ تمہارے دشمن اس ٹپل

سے گزرتے ہیں تو وہ آباد محل چھوڑ کر زندان اور عذاب میں

جار ہے ہیں۔“

میرے والد ماجد نے مجھ سے بیان کیا کہ رسول خدا کا فرمان ہے کہ دنیا

مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔ موت اہل ایمان کے لیے جنت

کا ٹپل ہے اور کافروں کے لیے دوزخ کا ٹپل ہے۔ میں نے نہ تو کبھی جھوٹ بولا ہے

اور نہ ہی مجھ سے جھوٹ کہا گیا ہے۔

چھتیسواں امتیاز

شہدائے کربلا بڑے دلیر اور بہادر تھے۔ ان کی دلیری کا اعتراف دشمن کو بھی تھا۔ چنانچہ ابو فراس شرح شافیر میں لکھتے ہیں: ایک شخص جو کہ ابن سعد کے ساتھ کربلا میں تھا جب اس سے کہا گیا کہ تجھ پر ہلاکت ہو، کیا تو نے بھی ڈریت رسول کو قتل کیا تھا؟

اس نے جواب دیا کہ تم نے بڑی مشکل بات پوچھی ہے۔ اگر تم ہمارے ساتھ ہوتے تو تم بھی وہی کچھ کرتے جو کچھ ہم نے کیا تھا۔ ہم کرتے تو کیا کرتے، حسینؑ کے ساتھیوں نے غضب ناک شیروں کے مانند ہم پر حملہ کیا تھا۔ وہ جدھر بھی رخ کرتے مغفوں کی مغفوں کو آن واحد میں ختم کر دیتے تھے۔ انھیں موت سے کوئی ڈر نہیں تھا۔ اگر ہم خاموش رہتے تو وہ سارے لشکر کو ہی موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ ان حالات میں ہم ان سے جنگ نہ کرتے تو کیا کرتے؟

سینتیسواں امتیاز

شہدائے کربلا حقیقی معنوں میں آزاد تھے۔ وہ لوگ صرف ظالموں کی اطاعت سے ہی آزاد نہ تھے بلکہ وہ خواہشات نفس کی غلامی اور دنیاوی ترغیبات سے بھی آزاد تھے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَأَمَّا مَنْ خَلَفَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۝
فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۝ (النازعات، آیات ۴۰-۴۱)

”اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو جنت اس کا ٹھکانا ہے۔“

ایک مرتبہ کسی بادشاہ نے اپنی رعیت کے ایک فاضل شخص سے کہا کہ آپ

ہمارے پاس کیوں نہیں آتے تاکہ اور لوگوں کی طرح سے آپ کو بھی انعام و اکرام مل سکے۔

اس شخص نے جواب دیا کہ میں آپ کے پاس کیوں آؤں، آپ تو میری رعیت کی بھی رعیت ہیں۔

بادشاہ کو حصہ آیا اور کہا: وہ کیسے؟
اس شخص نے کہا: میں نے اپنی خواہشات پر کنٹرول کر لیا ہے۔ اب خواہشات میری رعیت بن چکی ہیں جب کہ آپ اس رعیت کی بھی رعیت ہیں۔

اڑتیسواں امتیاز

شہدائے کربلا مقام تسلیم پر فائز تھے اور وہ عہدیت کے حقیقی رتبہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ واضح رہے کہ ”عبد“ ہونا بہت بڑا اعزاز ہے۔ حضرت عیسیٰ نے اپنی پہلی گفتگو میں یہ کہا تھا: اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ..... ”میں اللہ کا عبد ہوں۔“
عہدیت کا نتیجہ بلندی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ نے زندگی کا آغاز عہدیت سے کیا تو ان کا انجام یہ ہوا کہ خدا نے فرمایا: وَرَافَعْتُ اِلَیّ..... ”عیسیٰ! میں تجھے اپنی طرف بلند کرنے والا ہوں۔“

رسول خدا کی دو شانیں ہیں۔ پہلی شان عہدیت ہے اور دوسری شان رسالت ہے۔ ہر مسلمان آپ کی ان دونوں شانوں کی نماز میں گواہی دیتا ہے اور کہتا ہے:

وَأَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ

”میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے عبد اور رسول ہیں۔“

آں حضرت کے مقام عہدیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے آپ کو معراج کرائی

اور فرمایا:

سُبِّحْنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهِ لَیْلًا

”وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے عہد کو رات کے وقت سیر

کرائی۔“ (بنی اسرائیل، آیہ ۱)

عہدیت کا شرمزت و شرف ہے۔ اسی لیے حضرت علیؑ کہا کرتے تھے:

کفّی بی عزّا ان اکون لك عبدا

”میری عزت کے لیے مجھ کو بات کافی ہے کہ میں تیرا عہد ہوں۔“

شہدائے کربلا حقیقی معنوں میں اللہ کے عہد تھے۔

انتالیسواں امتیاز

کربلا کے شہید ”جوان مرد“ تھے۔ اصحاب کہف کے حقیقی اللہ تعالیٰ نے

فرمایا: انہم فتیۃ۔ وہ کچھ جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے

ان کی ہدایت میں اضافہ کیا تھا۔

روضہ کافی میں مرقوم ہے: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے

اصحاب سے فرمایا کہ تمہارے نزدیک ”فتنی“ کس کو کہتے ہیں؟

آپؑ کے اصحاب نے کہا: فتنی، جو جوان کو کہا جاتا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: اصحاب کہف تو بوڑھے تھے مگر خدا نے انہیں جوان کیا

ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فتنی کا لفظ صرف جوان کے لیے استعمال نہیں ہوتا

بلکہ یہ لفظ اس مومن کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کا دل جوان ہو۔

چنانچہ اصحاب کہف کی طرح سے حضرت امام حسینؑ کے اصحاب میں سے

اگرچہ کچھ افراد بوڑھے تھے مثلاً حضرت حبیبؑ، مسلم بن عویضؑ، بریر بن خضیرؑ ظاہری

طور پر بوڑھے تھے لیکن ان کے دل جوان تھے۔

چالیسواں امتیاز

شہدائے کربلا کو ان کی شہادت کی وجہ سے ابدی زندگی اور خدائی رزق

حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے شہدا کے متعلق یہ اعلان کیا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءُ
عِنْدَ رَبِّهِمْ يُزَكَّوْنَ ۝ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ
وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ
وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِلُّ أُمَّةَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (آل عمران،
آیات ۱۶۹ تا ۱۷۱)

”جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انھیں مردہ نہ سمجھو وہ تو
زنده ہیں اپنے رب کی طرف سے رزق پارہے ہیں۔ جو کچھ
اللہ نے اپنے فضل سے انھیں دیا ہے وہ اس پر خوش ہیں اور وہ
ان اہل ایمان کے لیے بشارت طلب ہیں جو ان کے پیچھے دنیا
میں رہ گئے ہیں اور ابھی ان سے نہیں ملے ان کے لیے کسی
طرح کا کوئی خوف نہیں اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ وہ اللہ
کے العام اور اس کے فضل پر شاداں و فرحاں ہیں۔ اللہ اہل
ایمان کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔“

جب عام شہدا کا خدا کے ہاں اتنا بڑا مقام ہے تو کربلا کے شہدا جو کہ باقی
شہدا کے سردار ہیں۔ خدا جانے کیا مقام ہوگا اور ان کے سالار حضرت ابراہیم الخلیلؑ کا
خدا کے ہاں کیا مقام ہوگا۔

یقیناً اذان اس کے تصور سے عاجز ہیں۔ شہیدانِ راہِ وقاح و صداقت کے
اجر کی مقدار کو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

تمت بالخیر والحمد لله رب العالمین